فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر

سالارِ کارواں

محمد جعفر حبیبؒ

MOHAMMED JAFAR HABIB

تالیف:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلادیش۔

کتاب	:	سالارِ کارواں
مؤلف	:	مولانا محمد طاہر جمال ندوی، فاضل دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا۔
باراول	:	دسمبر: ۲۰۲۵ء
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
قیمت	:	۵۰۰/ ٹاکا، بنگلہ دیشی۔ ۳۰/ ریال سعودی
کمپوز	:	محمود العالم (اندرقلعہ، چاٹگام، بنگلادیش
ناشر	:	دارالبحوث والمناصرۃ الاسلامیۃ چاٹگام، بنگلادیش
ملنے کے پتے	:	0088-01533091784
Email	:	tahernadwi@gmail.com

SALAR-E-KAREWAN (BIOGRAPHY OF GREAT ARKANESE LEADER MOHAMMED JAFAR HABIB) BY: MOHAMMED TAHER JAMAL NADWI.

انتساب:

میں اپنی اس حقیر کاوش کو سرزمین ارکان کے مایۂ ناز فرزندِ ارجمند، شہیدِ ملت وقوم اور بانیٔ تحریکِ آزادیٔ ارکان حضرت مولانا محمد جعفر حسین قوال رحمۃ اللہ علیہ کے نام انتساب کرنے کو اپنی سعادت محسوس کر رہا ہوں، جن کی ان تھک کوشش وکاوش اور پیہم سعی وجستجو سے ارکان میں تحریکِ آزادی اٹھی اور آئے دن اس کی آبیاری ہوئی ہے، اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین یارب العالمین۔



خاکسار:

محمد طاہر جمال ندوی

۲۲رنومبر/۱۹۲۱ء

چاٹگام، بنگلادیش۔

عرضِ ناشر

برادرِ عزیز محترم مولانا محمد طاہر جمال ندوی (فاضل جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ہند، وتلمیذ خاص مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ہمارے دینی وروحانی، علمی وثقافتی، فکری وسیاسی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، آپ ایک قابل القدر عالم دین، معروف ادیب وقلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نامور مفکر مورخ بھی ہیں، جن کی چند تصانیف ماشاءاللہ چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں، اور بہت ساری تصانیف اب تک زیرِ طبع وزیرِ نظر بھی ہیں۔ مولانا کی ان تمام تصانیف میں سے ایک مقبول ترین تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی تاریخی پس منظر میں'' جو دسمبر ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی، جس کے حوالے سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ''فاضلِ عزیز مولوی محمد طاہر جمال ندوی شکر وسپاس کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت ولیاقت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا، اپنے وطن کا حق ادا کیا، اور تاریخ کے خلا کو پر کیا، جو عرصہ سے پایا جاتا تھا'' اس کے علاوہ مصنف کی اور پانچ تصانیف:

۱۔ سازش کا طوفان عقلیت ومادیت کے روپ میں۔

۲۔ روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے۔

۳۔ روہنگیا مسلمانوں کی ہجرت کے اسباب۔

۴۔ تذکرۂ علامہ سید الامینؒ۔

۵۔ تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ارکانیؒ۔

چھپ کر منظرِ عام پر آئیں، جنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے۔

تو مولانا کی زیرِ نظر تصنیف ''سالارِ کارواں'' بھی ہمارے نزدیک ایک شاہکار تصنیف ہے، جسے آپ

نے بڑی محنت، لیاقت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اس میں کسی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس سوانح حیات کو بھی ایک ملی فریضہ اور قومی خدمت کے بطور اور بقول آپ کے ایک سعادت سمجھ کر لکھا ہے، اور اس کی تکمیل کی راہ میں آپ نے جو تکلیفیں، صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں ان کے اجر و معاوضے صرف اور صرف ذاتِ خداوندی کی طرف سے ممکن اور امید ہیں۔

تاہم اس قوم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہم اپنی قوم کی طرف سے عصر حاضر کے ہمارے اس عظیم مصنف وقلم کار کو خراجِ تحسین وگل دستۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی خاص رحمت اور فضل وعنایات سے مصنف کی زندگی اور قلمی کاوشوں کو مزید شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد طارق جمال

سکریٹری برائے امور نشر واشاعت

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلا دیش۔

فہرستِ مضامین

پیش لفظ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

انسانی تاریخ میں تاریخ نویسی وہ عظیم فن ہے جس کی بدولت افرادِ انسانی سے لے کر قبائل تک، قبائل و اقالیم سے لے کر قوموں اور ملتوں کی داستانوں تک کی حفاظت کی جاتی ہے، وہ فن جہاں حیات انسانی کے ان حقائق و واقعات کا آئینہ دار ہوتا ہے ٹھیک وہاں پر افراد و جماعات اور قبائل و اقوام کے ماضی کا محرم اسرار بھی ہوتا ہے۔

وہ ماضی اگر شاندار ہو تو بڑی بات ہے کہ نسلوں سے نسلوں تک کو اس شاندار ماضی کی یادیں تازہ رکھنے پھر اس کے آئینے میں اپنے حال پر سنجیدہ نظر رکھنے اور آنے والے مستقبل کے لئے نصب العین بنانے کا سروسامان بہم پہنچتا ہے، شاندار نہیں بلکہ بھونڈا اور داغدار ہو تب بھی اس کے اسباب وعلل پر نظر رکھ رکھ کر لوگ اپنے درد کا مداوا ڈھونڈنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، اور اس داغدار اور بھونڈے ماضی پر فکر و نظر کی انگلیاں رکھ لے تو بچنے والی حتمی چیزوں سے بچ بچ کر، اپنانے کے لائق کردار و مزاج کو اپنا اپنا کر ایک نیا سمت سفر، نیا انداز زندگی اور نئی منزل راہ اپنا لینے میں کامیاب ہو لیتے ہیں۔

زندہ قومیں اپنی تاریخ کے ادوار کو، ماضی کے پیچ وخم کو، کامرانی و نامرادی کے اتار چڑھاؤ کو بڑی شان سے زندہ رکھ لیتی ہیں، پھر اس زندۂ جاوید تاریخ کو ان کی آنے والی نسلیں اپنی کامیاب زندگی اور شاندار مستقبل کے لئے ایک انمول تحفے اور نا گزیر اثاثے کی تقدیر کرتی ہیں۔

آپ کو اس میدان میں درجنوں کی مثالیں ملیں گی کہ قوموں نے اپنی تاریخ کی حفاظت اور شاندار حفاظت کے لئے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے، اور کیسی کیسی جانفشانیاں کیں، اور فکر وفن کی کتنی ساری اکاڈیمیاں بنالیں، اور طویل وعریض منصوبے بنائے، پھر اس کی تعمیل وتطبیق کے لئے سر بفلک عمارتیں

کھڑی کر دیں۔

آپ کو یوروپ اور امریکہ اور متمدن دنیا کے سیر کرنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، صرف اپنے گھر کی خبر لیں، مسلم اور عرب قوموں کے دائرے میں خبر لیں، مشرق سے مغرب تک، بر اعظم ایشیا سے افریقی ممالک تک، پھر امریکہ اور یوروپ میں جہاں مسلم عرب اقلیتیں آباد ہیں وہاں تک، صرف ایک سرسری نظر دوڑا لیں تو آپ کو عجائبِ روزگار کا ایک گرانقدر خزانہ نظر آئے گا۔

مسلمانوں میں تاریخ نویسی کا آغاز غالبا عمرو بن شریہ/عمرو بن شعبہ کے قلم سے ہوا، جو حضرت معاویہؓ کی ایماء پر ہوا ہے، اور جس نے تاریخ الملوک والامم الماضیین" کے نام پر ایک عظیم ذخیرہ جمع کر دیا، بعد کے دور میں موسیٰ بن عقبہ، ابن ہشام، اور واقدی کے دور سے گزر کر تاریخ کبیر بخاری، تاریخ طبری، خطیب بغدادی، ابن عساکر دمشقی وغیرہ سے گزر کر سہیلی، مسعودی پھر ابن خلدون، ابن کثیر،، ابن الاثیر، شمش الدین ذہبی کے دور سے گزر کر گیارھویں اور بارھویں صدی ہجری تک سینکڑوں انسائکلو پیڈیا ملیں گے جن کی گہرائیوں اور وسعتوں پر نظر کرے تو عقل انسانی ششدر رہ جاتی ہے، اور دنیا کی غیر مسلم اقوام کو سچ مچ رشک وحسرت کا دورہ پڑ جاتا ہے۔

پھر آپ اپنے گھر لوٹیں، صرف ہندوستان پر نظر کریں، جو صدیوں تک ہمارا ہی آپن اور باپ بھائی رہ چکے ہیں، اخبار الاخیار محدث دہلوی، مآثر الکرام اور آکام المرجان غلام علی بلگرامی، آثار الصنادید سر سید احمد خان، منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی، نزہۃ الخواطر لکھنوی، پھر شبلی کا سلسلۂ رائل ہیروز آف اسلام اور الفاروق، سیرۃ النعمان، اور سیرۃ النبیؐ، ازالۃ الخفاء ولی اللہ الدہلوی، بستان المحدثین عبد العزیز الدہلوی، تذکرۂ آزاد اور رسول رحمت، علمائے ہند کا شاندار ماضی محمد میاں، تاریخ دعوت وعزیمت علی میاں ندوی یہ اور ان جیسی کتنی ساری کتابیں ہیں، کارنامے اور محنتیں ہیں جو قوم وملت کی ڈائری کو روزِ روشن کی طرح صاف اور بے لاگ رکھنے کے لئے، نسل نو کو اپنے آباء کی زندگیاں یاد دلانے کے لئے اور ان نفسان رفتہ کے نقوش قدم پر گامزن کرنے کے لئے ہیں، تو وہ آج زندہ قوم ہے، جو تیسری دنیا کی ہو کر بھی پہلی دنیا کے تمدن وتہذیب اور عمران وترقی سے ٹکر لینے میں کامیاب دکھائے دے رہی ہے، پھر ایک قدم اور آگے کہ دور آخیر کے مردانِ میدان میں اتنے ساروں کا نام لوں گا جن میں سے ایک ایک

کی زندگیوں پر کتابیں نکل گئیں، بلکہ یہاں تک کہہ چلوں کہ کسی ایک فرد کی زندگی پر سینکڑوں کتابیں جمع کردی گئیں، حیات شبلی، نقش حیات، سوانح قاسمی، حیات جاوید، تذکرۂ آزاد، حیات مولانا محمد علی مونگیری، سیرت مولانا عبیداللہ سندھی یہ اول لذکر فہرست کی کتابیں ہیں، پھر آخر الذکر میں لیجئے کہ اقبال مرحوم پر بیسیوں کتابیں بن کر منظر عام پر آچکی ہیں، اسی طرح مولانا آزاد پر درجنوں مصنفین اور قدردانوں نے کمال فن کا کرشمہ دکھا دیا ہے، جن میں عبدالرزاق ملیح آبادی سرفہرست ہیں۔

بہر حال غرض میرا یہ تھا کہ قوموں نے اپنی ملی روایات وحکایات اور قومی ہیروؤں کی زندگیوں پر لکھتے ہوئے جوہر کمال دکھا دیئے، بلکہ گراں قیمت اوقاتِ زندگی کھپا کے ہزاروں بلکہ لاکھوں صفحات کالے کردیئے ہیں۔

پھر دوسری طرف وہ بات کہ تاریخ سچی ہے یا مبالغہ اور بڑھاوے کی بات ہے، حقائق ووقائع کی تصویر بے لاگ ہے یا کالے کو گورا اور گورے کو کالا بنانے کا نازیبا کردار بھی ہے، سچ مچ لکھنے والا قلم کتنا فن کار اور کتنا نام دار تھا یا بھونڈا اور پرلے درجے کے زورِ تحریر یا طوفانِ تقریر کا شہسوار، ان سب باتوں اور ان جیسی بہت ساری باتوں سے یہاں میرا کوئی مطلب نہیں۔

مجھے صرف اتنا ہی بتانا تھا کہ قوموں نے اپنی تاریخ کی حفاظت کی ذمے داری کس شان سے اٹھائی ہے، اور قومی وراثتوں اور امانتوں کو کن تفصیلات کے ساتھ قلم بند کردیا کہ اگلی نسل پورے سکون اور پوری طمانیت کے ساتھ پڑھ سکے اور بھانپ سکے، کہ ہم اس شاندار ماضی کے انمول اور تازہ ترین تحفے ہیں، اور محسوس کرسکے کہ ان کے بزرگ اور اسلاف کون تھے؟ اور اب انہیں کیسے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے ہیں؟ خاموش کمرے کے کسی کونے میں بیٹھ کر بڑے چین وسکون سے سمت سفر طے کرلے، اور طرزِ زندگی اور راہِ عمل چن لے۔ اور یہ بھی کائناتِ ارض وسما کی فطرت ہے کہ یہاں شیر کا بچہ شیر ہی ہوا کرتا ہے، کہیں بھیڑ بکرا نہیں ہوتا، مگر شرط یہ ہے اسے معلوم ہو کہ وہ بچہ کس کا ہے۔

آج میں اس نشست میں جنوبِ ایشیا کا وہ ملک جس کا نام ارکان ہے، اس پر لکھنے اور توجہ دینے بیٹھا ہوں، جو تقریباً بیسیوں سال سے برما کا حصہ بن کر رہ گیا ہے، اور وہ بھی ''مان یا نہ مان میں تیرا مہمان'' کے اصول ومنطق پر، تاریخ کہتی ہے کہ ہم صدیوں تک حکمرانی کے زرق وبرق لباس میں رہ

چکے ہیں، اور بڑی ہی شاندار کھاتی پیتی زندگی سے محظوظ تھے، اور ہم نے اپنے تخت وطاؤس کے پرانے قصے بزرگوں کی زبانی سنی ہے، پھر متمدن دنیا کی تاریخی دستاویزات میں قید کتابت سے پڑھتے ہیں کہ ہم حاکم تھے، حکمران تھے، ایک مستقل تاریخ اور ایک مستقل قومی ساکھ اور ملی وقار بھی رکھتے تھے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے بزرگوں نے نہ ہمارے شاندار ماضی اور شاہانہ تاریخ کو دوات وقلم کی شکل میں محفوظ رکھا اور نہ اسے زبانی ومقامی روایات وحکایات کی صورت میں زندہ رکھ سکا، جو زبانوں سے زبانوں تک گزرتی ہوئی زندہ رہتی ہیں۔

بڑی حسرت وحیرت کا مقام ہے کہ ہم حکمران تھے لیکن آج اندازِ حکمرانی سے نابلد، حاکم تھے مگر لباسِ حاکمانہ اور مزاجِ شاہانہ سے بے خبر، کھاتے پیتے تھے، بلکہ کھلاتے پلاتے بھی تھے، مگر آج در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے کوئی گلہ نہیں رکھتے، کوئی درد والم نہیں، کوئی شکوۂ ستم نہیں، برا حال ہے مگر اف تک کی سکت نہیں رکھتے، مقہور ومظلوم ہیں لیکن زبانِ دادرس کے مالک نہیں، ایسی ایک نامساعد بلکہ ناخوش گوار فضا میں زخم سے چور تو ضرور ہیں مگر درد دل کا کوئی مداوا نہیں، کس مپرسی اور بے چارگی کا عالم تو ضرور ہے مگر چیخ وپکار کا مزاج وفن نہیں رکھتے، یا مزاج تو رکھتے نسبتا ہیں مگر چیخ وپکار کے فن اور مقام وپیغام سے بے بہرے، ہم ایسی ایک قوم ہیں جو اپنوں سے برتنے اور غیروں سے نمٹنے کا سلیقہ نہیں رکھتی، یا اپنے اور پرایے میں تمیز کا ذوق نہیں رکھتی۔

ایسا انسانی سماج کہ جس میں مردانِ کار کے فقدان کی شکایت ضرور ہے مگر رہ رہ کر بھی ملنے والے اس نادر الوجود مردِ کار یا مردانِ کار کی او بھگت کیسی ہوتی ہے کوئی اندازہ نہیں رکھتا، پھر قانونِ الٰہی کی رو سے کہ جس قوم میں کاملوں کی قدر نہیں ہوتی اس قوم میں باکمال افراد ناپید ہوا کرتے ہیں۔

ایسی گھٹاٹوپ اندھیاریوں میں جہاں عقل وہوش والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ کام کیا ہے؟ اور کیسے کرنے ہیں، اور کن کن کو ساتھ لے کر کرنے ہیں، اور اس نازک ودشوار گذر میدانِ کار کے لئے کیسے کیسے اخلاق وکردار کے انسانی نمونے چاہئے؟

کہتے ہیں کہ کام کا آغاز کام کے چلانے اور کر گزرنے سے زیادہ کٹھن اور بھاری ہوا کرتا ہے، منزل کا تعین راہ منزل پر چلنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، تو میرے عزیز مکرم مولانا طاہر جمال ندوی صاحب کا

حال دیکھیے، گو وہ اس میدان میں اکیلے نکلے ہیں، نہ کوئی دور دور تک ساتھ چلنے والا ملتا ہے اور نہ کوئی نقوشِ قدم ملتے، اور نہ آہٹ قدم سنائی دیتی۔

پھر راہ سفر دھندلی بھی ہے (جیسا کہ ابھی ابھی کہہ چکا ہوں) نہ کہیں کوئی گزرنے والے کا سایۂ نہ نشانِ قدم، ہزار صفحے کالے کرتے ہیں لیکن سو صفحات پڑھ کر تو کرے کہ ایسا نہیں ملتا، کسی کہنے والے دانشور فلسفی نے کیا خوب کہا تھا کہ تم ہزار صفحہ پڑھو اور ایک صفحہ لکھو، اور سو صفحہ پڑھو ایک صفحہ کہو۔

اب مولانا کو لکھنا تو ہزار صفحے ہیں، مگر پڑھنے کو سو صفحہ بھی نہیں ملتے، عالم السرائر کے سوا کسے معلوم کہ آپ کن کن کٹھن وادیوں سے گزرے ہوں گے؟ کن کن دروازوں پر دستک دیئے ہوں گے، کن کن معلوم نامعلوم سنگلاخوں کی بادیہ پیمائی کر چکے ہوں گے، کن کن زبانوں میں کن کن کی زبانوں سے ایک ایک ذرے کا سراغ لگائے اور ایک ایک بات اگال لئے ہوں گے؟

اب تک مولانا نے بہت ساری جلدیں جمع کر ڈالی ہیں، تاریخ ارکان پر پھر ارکان کے مشاہیر کی زندگیوں پر، پھر سرزمینِ ارکان کی انقلابی تنظیمات اور ان کے کارکنوں اور رہنماؤں پر، پھر اس کارِ عظیم کی عمر دراز میں گزرنے والی تلخ نوا سرگزشت پر، پھر اس بھاری بھرکم ملی کام کے دور دراز نشیب و فراز پر، خدا کرے کہ آپ ان سارے امور میں توفیق خاص سے نوازے جائیں، یوں اس مرحوم ملت کی تلخ نوا داستانوں میں ایک سنہری داستان کا بھی اضافہ ہو جائے۔

میں تو سردست ایک حکم کی تعمیل میں بیٹھا ہوں، یا مجھے ایک خاص موضوع پر دو قلم لکھنا ہے، وہ یہ کہ مولانا طاہر جمال ندوی کی تازہ مگر شاہکار کاوش جو مرحوم قائد قوم محمد جعفر حبیب کی زندگی پر آ رہی ہے، اس پر پیش لفظ لکھوں تو لیجئے:

(الف) مصنف موصوف قوم کے لئے دردمند دل رکھنے کے ساتھ ساتھ پڑھنے لکھنے کا ذوق و مزاج رکھنے والا ایک دانشور عالم دین ہیں۔

(ب) موصوف نے اپنی زندگی کا گرانقدر حصہ اپنی قوم کی خدمات پر گزار دیا ہے۔

(ج) معاصرانہ دور میں اس کارِ عظیم کے تمام عظماء اور زعماء کو قریب سے دیکھنے کا تجربہ بھی رکھتے ہیں۔

(د) یوں تاریخ نویسی کے اچھے ذوق کے ساتھ دار العلوم ندوے کے فضلاء میں سے ہونے کے ناطے

اردو ادب و انشاء کا قابل قدر کمال بھی رکھتے ہیں، تو لکھنے بیٹھا تو بہتر ہی کیا، کہ اس ملی تاریخ کی تاریخ نویسی کی خشت اول رکھی جا رہی ہے۔

اب میری نسبت مشکلات یہ ہیں کہ مولانا اب کی بار جس بلند و بالا شخصیت کی زندگی لکھ رہے ہیں، وہ مرحوم ایک طرف عظیم قائد و رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا قیادی رول جس دور میں تھا بڑا زرخیز، پرخطر اور سیاسی گہما گہمی کا دور تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمارے انقلابی قافلہ کا ابھی ابھی باہر کی دنیا سے تعارف ہو رہا تھا، یا یوں کہہ لیجئے کہ ہماری ملی زندگی کی ہمہ گیر تباہی کی پوری سرگزشت کے بعد عالمی برادری کے ساتھ ہم ابھی ابھی چار چشم ہو رہے تھے۔ تو یہاں ہوشیار اور نگاہِ روبرو کا مقام ہے، کسی طرح کی فروگزاشت کی گنجائش نہیں، معمولی سی غلطی کا انجام بہت ہی تباہ کن اور دیر اثر ہو سکتا ہے، تو یہ صاف الفاظ میں قائد مرحوم کی پر لچک قیادت اور بصیرت و فراست کا دور تھا۔

ایک طرف عالمی سیاست میں سرد جنگ کے نت نئے مسائل ہیں کہ دنیا مشرق و مغرب کے دو دو کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے، وائٹ ہاؤس اور کریملین کی رسہ کشی کا عالم ہے، تو دوسری طرف آپ کے ناتجربہ کار رفقاء اور قافلہ، بین الاقوامی سیاست پر نظریں رکھنی ہیں، پھر اپنا قدم سنبھل سنبھل کر رکھنے کا بھی کام ہے۔

اور وہ بھی اپنے وطن کے جغرافیائی حدود کے باہر، کسی دوسرے نو آزاد اور کم آباد نرم زمین پر، فطرت کو جو منظور تھا وہ سب کچھ ہوا، جن کی طرف میرا اجمالا اشارہ ہے، اور تفصیلی سرگزشت کی کہانی اور کہانی کی کہانی ہرگز میرا کام نہیں، یہ خود سیرت نگار کا وظیفہ ہے، جسے فاضل مصنف نے بڑی لیاقت اور خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔

جہاں تک میں نے اس تذکرے کے اوراق کو قدرے انہماک کی نگاہ سے پڑھا ہے، مجھے معلوم یہ ہوا کہ فاضل تذکرہ نگار نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، اور اس فن کی امانت والی بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے، کوشش کی ہے کہ صرف مدح و ستائش کا انبار نہ لگ جائے، تزکیہ و تقریظ یا تقدیس و تھلیل کا بازار گرم نہ ہو جائے، بلکہ باتوں کو پرکھنے اور علمی امانت کی لاج رکھنے کا اہتمام ہو، صاحب سیرت کے کمال و جمال کے ساتھ حقائق و واقعات کے چہرے پر بھی روشنی پڑ جائے، پھر قافلہ کے

دوسرے اراکین جن کی صحبت میں جانفروشوں کا یہ کارواں منزل کی تلاش کو نکلا ہے ان کے مقام و پیغام کا بھی پاس و خیال رکھا جائے، جیسا کہ فاضل تذکرہ نگار نے اس ذمے داری کو بھی بڑی وفا داری اور قدر شناسی سے نبھایا ہے۔

ہاں! البتہ کسی مقام پر بشری کم زوری یا شخصی تقییم وتقدیر کے اثر سے قلم کا گھوڑا ڈگمگا بھی گیا ہو وہ چشم پوشی اور معذرت کے قابل ہے، انسانی زبان وقلم ناپ تول کی ترازو پر بڑا کم زور اور بے بس ہو جاتا ہے، جس کی ایک جھلک آپ کو فن جرح وتعدیل جیسے نازک اور خطرناک میدان پر نظر آتی ہے، جہاں ہوشیار اور نگاہِ روبرو کا مقام ہوتا ہے اور انسان کی گردن پر بڑی تیز اور دودھاری تلوار لٹکتی ہوئی ہوتی ہے۔

اللہ کرے کہ مولانا کی یہ کاوش پچھلی کاوشوں کی طرح پزیرائی سے محفوظ ہو، جو ابھی تک منظرِ عام پر آکر ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہیں، اور قوم جو سچ مچ ایک قوم بنتی جا رہی ہے اس کے پڑھے لکھے نوجوان طبقے میں اپنے بزرگوں کی بلندیٔ اخلاق اور سرفروشی کے نشانے نظر آنے لگے، پھر اس نئی نسل میں بھی ایسے باکمال افراد پیدا ہوں جو زمانے کے اس حساس دور میں ملت کے درخشاں مستقبل اور خودداری زندگی کا ضامن بن سکے، جو اقبال کے مردِ مومن کا مصداق بنے، میں خود اقبال ہی کی زبان پر انہیں یہ کہہ دوں کہ:

اپنے من میں ڈوب کر پا جاراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

خدارا آپ اگر ملک کے نصاب ونظامِ تعلیم کا حال پوچھتے ہیں تو کیا بتاؤں اور کیا بتا سکتا ہوں؟ تعلیم و تربیت کے تمام مواد پر کسی دوسری نشست پر بات ہوگی، لیکن صرف مادۂ تاریخ پر یہاں سرسری گفتگو ہو جائے، جو کہ آج کی نشست کی نسبت موضوعِ سخن بھی ہے۔

متوسطات میں تاریخ حبیب الہ کا نام سن رکھا تھا، کس نے پڑھی ہے اور کن سے پڑھی ہے اس کا کوئی آتہ پتہ نہیں، اور اوپر والے درجات میں جاکر جہاں کتب ستہ کے دورے تک کی بات ہے صرف بلکہ صرف اصح السیر پڑھائی جاتی ہے، جو عبدالرؤف صاحب دانا پوری کی ایک مختصر اور بے دست و پا تصنیف ہے، وہ بھی بڑی بے دردی اور بے رغبتی سے پڑھائی جاتی ہے۔

میں جو کہ قومی تاریخ سے بے پروائی اور ناخودشناسی کی کہانی ابھی سنا کے آیا ہوں، نصاب درس کا اگر

یہی درگھٹ ہو، سیر و تواریخ کے درسی مادے سے عمداً یہی سلوک برتا گیا ہو کہ فرزندانِ قوم کو اپنے ماضی سے پوری طرح مفلوک الحال اور مسلوخ البال کر دیا جائے، گورستانِ زندگانی سے پھر کوئی زندہ ومتحرک رمق اٹھ کھڑے نہ ہو، یا اس ویران بستی میں جو پوری طرح وحشت کدہ بن چکی ہے، دور دور تک بھی کوئی نفسِ انسانی یا سبزۂ خودرو کا سراغ نہ ملے، قومی تاریخ کے بڑے بڑوں کی زندگیوں پر لکھنا پڑھنا تو خیر! اسلامی تاریخ کے ان عظماء کی باری کہ جن میں خود حضرت آقا علیہ السلام اور آپ کے نامدار خلفاء پھر بڑے بڑے ان انسانی دیوتا جو آپ ؐ کی درس گاہِ نبوت میں پروان چڑھے ہیں، پھر ان کے بعد والے دور جو خیر القرون کی کڑیاں ہیں، ان سب کے بارے میں اگر پوچھ لیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ ہمارے موادِ تعلیم یا کشکولِ علم ودانش میں ان باتوں کی نسبت جیسے آٹے میں نمک کی ہے۔

سیرت کی کسی بھی مستند اور مضبوط کتاب سے گزرے بغیر دورۂ حدیث پر بیٹھ جانا کس فکری بھونڈا پن کی دلیل ہے آپ خود سوچیں، اور ہر دو آنکھیں والے چشمِ عبرت سے نظارہ کریں، پھر دوسرے تیسرے اکابر کی بات تو دور کی ہے، ائمۂ مجتہدین بلکہ خود احناف کے ان ائمہ کی بات جن کے مذہب کے ہم پیرو ہونے کا دعوی رکھتے ہیں، ایسی بدذوقی کا عالم ہے کہ سوچتے ہوئے بھی عقل وفکر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آپ کو یقین ہوگا کہ ہم فارغ التحصیل کے مرحلے سے گزرنے والے تھے، امام مالک، امام شافعی، عبداللہ بن مبارک اور سفیان ثوری وغیرہ ائمہ کی زندگیوں کی شدبد بھی رکھتے تھے، آخر یہ حضرات کیا کام رکھتے تھے، فقہ اسلامی بلکہ دین اسلامی میں ان کا مقام و پیغام ہی کیا تھا، پھر ہماری نسلوں کی نسلیں ان بزرگوں کی نسبت کیا واسطہ رکھتی ہیں؟؟

آپ فقہاء کو نہیں جانتے تو فقہ کیا خاک جانیں؟ آپ محدثین بخاری، مسلم، ترمذی ابوداؤد کو نہیں جانتے تو ان حضرات کے دواوین حدیث اور درس ودانش حدیث کا کیا جانیں؟

بہر حال میں کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ ہمارا حال برا ہے، اور ہر طرف سے برا، میں بہت دور نکل گیا ہوں، ایسی بھیانک صورت حال میں مولانا طاہر جمال ندوی صاحب کی محنت اور بصد محنت کہ خشتِ اول کی بنیاد پر پڑ جائے، کہ آگے جا کر ضابطے کی اکاڈمیاں کھڑی ہوں گی، ایسی محنت جو قوم کے لائق فرزندوں

کی دل چسپیوں کا سروسامان ہوگی، پھر قافلہ اپنی صدیوں کی مافات کا تدارک کرے گا، یوں آنے والا روشن مستقبل کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا، میں مصنف محترم کے اس نقطۂ نگاہ سے کسی حد تک اتفاق رکھتا ہوں کہ کوشش اپنے دائرے کی حد تک انتھک ہوتی رہے، آگے بارآوری کی باری خود رب کریم کے فضل وکرم اور توفیق وتیسیر کا کام ہے۔ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی۔

اخیر میں امام ابن شہاب زہری کا ایک انمول قول نقل کردیتا ہوں فرماتے ہیں علم کی بات زور بازو سے نہیں بنتی، یہ کام عرصۂ دراز کی جہد مسلسل کے بعد بننے والا ہے، رب کریم سے بس یہی دعا ہے کہ اس چمنستانِ خزاں کو بہاروں کا ایک جھونکا بھیج دے، اس ویران و پریشان وادی غیر ذی زرع پر کوئی نخل تازہ رونما ہوجائے۔

یہ کام صرف تاریخ نویسی اور تاریخ بیانی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس تنگ وتاریک گلی سے گزر کر تعمیرِ ملت کا پورا کام ہے آگے، پھر تجدید عہد وفا کی دعوتِ مکرر اور ندائے مسلسل:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے + کہ ترے بحر کے موجوں میں اضطراب نہیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں + تب خاک کے ذرسے انساں نکلتے ہیں۔

حسین احمد ابوالفضل ارکانی

۱۴۴۴/۴/۴ھ۔ مکہ مکرمہ۔

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین، ولا عدوان الا علی الظالمین وبعد:

سرزمینِ اسلام ارکان اولیاء، صلحاء، علماء، دعاۃ ومرشدین، اور خدامانِ قوم وملت کی سرزمین ہے، جو صدیوں سے نہیں بلکہ عہد قدیم یا دوسرے الفاظ میں ہزار سالوں سے ایک آزاد اور خود مختار مملکت رہا، مورخین کے بیانات وتصریحات کے مطابق اس میں اگرچہ یہاں ہندو مذہب پر یقین رکھنے والے چند خاندانوں نے حکومت کی، جن میں ویسالی اور لنگریٹ عہد ہائے حکومت کے راجگان زیادہ شہرت یافتہ ہیں، تاہم مجموعی طور پر ارکان اور وہاں کے مختلف ادیان وعقائد پر یقین رکھنے والے باشندوں کو امن و طمانیت نصیب نہیں ہوئی تھی، اگر ہوئی بھی تو بہت کم۔

ان خاندانوں کے بعد ۱۴۳۰ء میں محمد سلیمان شاہ جس کا بگڑا یا بگاڑا ہوا تلفظ (من سا مون) ہے نے بنگال کی غوری سلطنت کے حکمران سلطان ناصر الدین الیاس شاہ کے بھرپور تعاون سے پتھری قلعہ (مروہانگ) کو دار السلطنت کا درجہ دے کر ایک باضابطہ اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی، تاریخ جسے مروکو عہد حکومت سے تعبیر کرتی ہے، اس عہد حکومت میں یکے بعد دیگرے بہت سارے حکمران گزرے، مجموعی طور پر اس عہد حکومت میں ارکان کو خوش حالی نصیب ہوئی اور وہاں کے باشندوں نے بلا تفریق دین ومذہب اور رنگ ونسل بڑی آزادی اور خوش حالی کے سائے تلے پہلی مرتبہ امن وسکون کا سانس لیا،

یوں صدیاں گزر گئیں، اور جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری رہا تھا۔

بڑی دکھ کی بات اور نہایت افسوس کا مقام ہے کہ سرزمین ارکان کو ۱۷۸۴ء میں برمی غاصب و متعصب راجا بودھو پھیا نے قبضہ کیا، اس نے دارالحکومت مروہانگ کو لوٹا اور تاراج کیا، ہزاروں کو تہہ تیغ کیا اور ہزاروں کو شہید کر دیا۔ علاوہ ازیں بلا تفریق دین و مذہب ہزاروں عزت مآب خواتین کی عصمتیں لٹی گئیں، سینکڑوں مساجد شہید کی گئیں اور ہزاروں مدارس گرائے گئے، اور تو اور اس ظالم برمی عفریت نے خود بودھ مذہب کے پیروکار ہو کر بودھوں کے عبادت خانوں (ٹمپلوں) کی عمارتیں گرائیں اور یہاں والے بودھوں کے تاریخی مجسمہ ''مہامنی'' (جسے ایک روایت کے مطابق مہاتما گوتم بودھ کی حیات میں بنایا گیا تھا) کو ارکان سے اٹھا کر برما لے جایا گیا، سب سے بڑے دکھ کی بات ہے کہ اس عقل و خرد اور علم و ہنر کے دشمن نے قرآن کریم اور احادیث نبوی صلوات اللہ وسلامہ کے لاکھوں نسخے سرعام جلائے اور دارالحکومت کے شاہی کتب خانے کے علاوہ دیگر بہت سارے قیمتی کتب خانوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا۔

ارکان کی تاریخ کا یہی پہلا واقعہ تھا کہ جس پر بودھو پھیا جیسے منحوس کی شکل میں کسی اجنبی طاقت نے قبضہ کیا ہو، بعد میں اس ظالم و غاصب کے مظالم و استبداد کے خلاف بعض مسلم اور غیر مسلم لیڈروں کی قیادت میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی، جس کا سلسلہ کنگ بیرنک (KINGBERING) سے لے کر سین فیا کی موت ۲۵/جنوری ۱۸۱۱ء تک مسلسل جاری رہا تھا، اور یاد رہے کہ آزادی کی اس جد و جہد کو برمی اور برطانوی حکومتوں کی ملی بھگت نے ناکام بنایا تھا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ برطانیہ کو بعد میں اپنے کئے پر شرمندگی اٹھانی پڑی تھی اور برمیوں کی دھوکہ دہی کا احساس ہو گیا تھا، جس کے نتیجے میں اسے برمیوں پر حملہ کر کے ۱۸۲۶ء میں ارکان کو اپنے قبضے میں لینا پڑا، برطانیہ کے اس قبضے کو تاریخی اعتبار سے ارکان پر کسی خارجی طاقت کا دوسرا قبضہ کہا جاتا یا کہا جا سکتا ہے، جس کی تفصیلات تاریخ کے اوراق میں ملتی ہیں۔

برما برطانیہ کی ملی بھگت میں اگرچہ ارکان اور ارکانیوں کی آزادی کی جد و جہد کو کچل کر رکھ دیا گیا تھا، لیکن جبھی ارکان پر برطانوی سامراجیوں کا قبضہ ہوا تبھی ارکانیوں کو کچھ امن و سکون کی زندگی نصیب ہوئی تھی، مشہور بات ہے کہ برمی اوباشوں کے مقابلے میں برطانوی حکومت اور اس کے نظام حکمرانی بہت ہی اچھا رہا تھا، اسی لئے ارکان کے باشندے مجموعی طور پر برطانوی دور حکومت کو ''شانتر زمانہ'' (شانتی کا

زمانہ) جیسے بلند الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۶۶۰ء میں مغل شہزادہ شجاع کی شہادت کے واقعہ کو تاریخ ارکان میں اپنی نوعیت کا ایک بڑا واقعہ کہا جاتا ہے، اس کے بعد نفرت و عداوت کی بنیاد پر ۱۹۴۲ء میں اس نوعیت کا سب سے بڑا واقعہ ہوا تھا، کہ برطانوی حکومت کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ارکانی مگھ شر پسندوں اور برمی اوباشوں کی ملی بھگت میں ایک سوچے سمجھے پلان اور باضابطہ اسکیم کے تحت (جس کی ایک طویل داستان ہے) ارکانی مسلمانوں کو بے دریغ قتل عام کیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں دیگر نقصانات سے صرف نظر ہزاروں مسلمان شہید اور لاکھوں بے گھر ہو گئے تھے، اس واقعۂ جانکاہ میں مجموعی طور پر شمالی مغربی ارکان کے مسلمانوں سے زیادہ جنوبی مشرقی ارکان کے مسلمانوں کے نقصانات ہوئے تھے، جنوبی مشرقی ارکان کے مسلمانوں کے پاس ان مگھ شر پسندوں اور برمی اوباشوں کا سامنا کرنے یا ان سے مقابلے کرنے کی نہ کوئی سکت تھی اور نہ کوئی مجال، مگر جبھی ان شر پسندوں اور اوباشوں کا پالا شمالی مغربی ارکان کے مسلمانوں سے پڑا تو ان کو یہ بات سمجھ آئی تھی کہ ارکان کے مسلمان بزدل نہیں ہیں، اس سرزمین مقدسہ میں ان کی قومی، ملی، سیاسی اور عسکری حیثیت ماضی میں بھی تھی اور حال و مستقبل میں بھی انہیں اس سرزمین سے اکھاڑ پھینکنا آسان کام نہیں ہے۔

بہر حال ۱۹۴۲ء میں شمالی مغربی ارکان کے مسلمانوں نے جنرل میر احمد علی چنگی، جنرل عبداللہ راسیدنگی، جنرل نور احمد علی تانجوی جیسوں کی فوجی و عسکری قیادت، اور جناب عبدالمجید صاحب بوری چنگی (معروف بہ لنگڑا راجہ) جناب عمرہ میاں صاحب منگڈوی، اور جناب ظہیر الدین (بی اے علیگ) شجاع فاروی، اسماعیل دوَدشاہ مارکن اکیابی (معروف بہ تنبیہ صاحب) جیسوں کی سیاسی قیادت اور رہنمائی میں ان مگھ اور برمی ظالموں کا ڈھٹ کر مقابلہ کیا، جس کے نتیجے میں مسلمانانِ ارکان کو فتح و کامیابی کی شکل میں سرخروئی نصیب ہوئی تھی، اور مسلم اکثریتی علاقے سے وہ سارے اوباش یوں بھاگے کہ ایک عرصہ تک وہ اور ان کی اولاد نے یہاں کا نام بھی نہیں لیا تھا۔

اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ۱۹۴۲ء میں یہاں کے مسلمانوں نے اپنی فتح و کامرانی کے ترانے گائے اور اس کے تہ بتہ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی،

جسے حکومت برطانیہ نے بھی دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر اس کی دوبارہ واپسی کے بعد تسلیم کر لیا، مگر بعد میں اس نے جھانسہ دے کر اس اسلامی ریاست کو اپنی تحویل میں لے لیا، جس کی ایک طویل اور دکھ بھری داستان ہے۔

مسلمانانِ ارکان کی تحریکِ آزادی باضابطہ طور پر ''جہاد کونسل'' کے نام سے مجاہدِ اعظم حضرت مولانا محمد جعفر حسین قوال شہید (شہادت ۱۹۵۰ء) کی قابلِ صد ستائش رہنمائی اور روشن قیادت میں ۱۹۴۷ء میں شروع ہوئی، اس لئے حضرت کو اس حالیہ تحریکِ آزادی کے سلسلے کا بانی و موسس مانا جاتا ہے، ان کی شہادتِ حسرت آیات کے بعد اس تحریک کی باگ ڈور ایک طرف محمد عباس سیندنگی، کرنل رشید احمد پوئماوی (معروف بہ سی ایل رشید)، صالح احمد فقیروی، عبدالرشید بوری چونگی وغیرہ نے سنبھالی تو دوسری طرف جنوبی منگڈو کو مرکز قرار دے کر محمد قاسم بن عطاء الدین راجا اور ان کے ہم خیال دیگر روہنگیا جنرلوں نے ''مجاہد پارٹی'' کے نام سے سنبھالی، راجا صاحب کی قیادت میں اس تحریک کے بعض کارنامے اس حیثیت سے بھی بڑی شہرت کے حامل ہیں کہ انہوں نے تقریبا ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۵۴ء تک برمی اوباشوں کو نہ صرف للکارا بلکہ برمی حکومت اور اس کی دہشت گرد افواج کے ناک میں دم کرتے ہوئے دنیا کے سامنے روہنگیا مسلمانوں کی اولوالعزمی، جفاکشی اور بہادری کا زندہ و جاوید ثبوت پیش کر دیا تھا۔

تحریکِ آزادیٔ ارکان کے حوالے سے اٹھنے والی ان مذکورہ دونوں جماعتوں کے کم زور پڑ جانے یا ایک حد تک کالعدم ہو جانے کے بعد ۱۹۶۴ء کے دوران ایک طرف مرحوم ماسٹر سلطان احمد شقدار فاروی اور مرحوم محمد جعفر حبیب علی چنگی وغیرہ کی قیادت میں عوامی طور پر ''روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس'' (RIF) کے نام سے تو دوسری طرف ۱۹۶۶ء کے دوران ارکان آزاد فوج یا ''روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی'' (RNLP) کے نام سے محمد جعفر ثانی کی قیادت میں دو کوششیں شروع ہوئیں، ظاہر ہے کہ ان موخر الذکر دونوں جماعتوں کی تاسیس اور ان کے انگنت کارناموں اور گوناگوں خدمات میں محمد جعفر حبیب علی چنگی کا قابلِ قدر حصہ رہا ہے، جن سے مورخین بخوبی واقف ہیں۔

اس کے بعد ارکانی مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کے حوالے سے اگر یہ دعوی کیا جائے کہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) جس کی تاسیس ۱۹۷۳ء میں ہوئی تھی کی جہدِ مسلسل، گوناگوں خدمات اور شاندا

رکارناموں کے ساتھ روہنگیا مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کی اس تاریخ کو بھولے سے بھلایا نہیں جا سکتا، تو یہ دعوی حق بجانب ہوگا۔ محمد جعفر حبیب کی برمحل رہنمائی اور روشن قیادت میں کس کس کا نام لوں کہ روہنگیا علماء اور دانشوروں کے علاوہ اسکولوں اور دینی مدارس کے طلباء کی ایک بھاری تعداد نے حصہ لے کر اپنے اپنے دینی اور قومی فریضے کو بحسن خوبی انجام دیا، جس کا سلسلہ آج تک الحمدللہ کسی نہ کسی شکل میں باقی ہے۔

یہاں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ روہنگیا مسلمانوں نے باطلوں، طاغوتوں اور ظالموں کے سامنے کبھی بھی سر نہیں جھکایا، ہمارے اس دعوے کی سچائیت کے بطور ۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰۲۲ء کی درمیانی عرصے کو مطالعہ و ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، اس درمیانی مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی سہی یہاں کے غیور، نڈر، بہادر اور حق پسند مسلمان اور ان کی اولاد نے برمی اوباشوں اور مگھ شرپسندوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالا تھا۔

کوئی ہمارے اس دعوی پر ۱۹۶۱ء والے معاملہ کو سامنے رکھ کر اعتراض کرے تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ اس وقت ایک تو ہمارے تمام مجاہدین نے یکبارگی سارنڈر نہیں کیا تھا، یعنی مجاہدین کے ایک حصے نے کیا تھا، پھر مجاہدین کے جس حصے نے سارنڈر کیا تھا اسے سارنڈر کہنا بھی بجا نہیں ہوگا، کیوں کہ انہوں نے کسی مجبوری یا حکومت سے ڈر کر ہتھیار نہیں ڈالا، بلکہ برمی حکومت سے باضابطہ امن مذاکرات کے نتیجے میں ہتھیا ڈالا تھا، البتہ یہ الگ بات ہے کہ برمی حکومت نے اس معاہدہ کا کوئی پاس لحاظ نہیں رکھا اور اپنی منافقانہ کاروائیوں کے ذریعے یہاں کے مسلمانوں پر مزید مظالم ڈھانا شروع کر دیا۔ اسی لئے زیادہ سے زیادہ اس سارنڈر کو ایک جھانسہ یا مجاہدین اور یہاں کے مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال محمد جعفر حبیب کی قیادت میں ۱۹۷۳ء میں ''روہنگیا فدائین محاذ'' کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور ۱۹۷۵ء اور اس کے بعد یہ تنظیم عروج پر پہنچی، ان کی دیگر خدمات، کارناموں اور سرگرمیوں سے صرف نظر یہ سچ ہے کہ انہوں نے اپنی مسلسل کوششوں اور اس سلسلے میں اپنے مقدور بھر مطبوعات کے ذریعے روہنگیا مسلمانوں پر عرصۂ دراز سے ہونے والے مظالم کی داستانوں کو بیان کرنے اور ان کی دکھ اور درد بھری آواز کو اقوام عالم، اقوام متحدہ (UNO) تک عموما، اور عالم اسلامی تک خصوصا پہنچانے کی بھرپور کوششیں کیں، جس کے خاصے فائدے بھی ہوئے تھے۔

یہاں چلتے چلتے ایک ضروری بات کا تذکرہ بھی کر دوں کہ راقم سطور کی تحریری زندگی کا آغاز اس کے

عنفوانِ شباب میں تاریخ، تذکرے اور سوانح نگاری سے ہوا، اس کی عمر ابھی سولہ سال کی تھی کہ ''تنبیہ الغافلین'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا، جو اس وقت ارکان میں پائے جانے والے بعض فرقِ باطلہ کے دین کے نام پر بد دینی، بدعقیدگی اور اسلام کے نام پر گونا گوں ناروا واہیات اور نازیبا حرکات و سکنات کے مباحث پر مشتمل تھا، لیکن اس وقت اگر چہ ایک حد تک کوشش کی گئی تھی لیکن زیور طباعت سے اسے آراستہ نہ کیا جاسکا، اس کے بعد اس کے ماجستر کا رسالہ ''العلامہ السید سلیمان الندوی ادیبا و کاتبا'' کے علاوہ اس کی اور ایک گرانمایہ تصنیف ''رودادِ سخن'' کے نام پر ہے، جو ندوے کے دورانِ تعلیم لکھی گئی تھی، باوجودیکہ وہ بھی ہر اعتبار سے تیار ہے، لیکن تا حال اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کا کوئی بندوبست نہیں ہوسکا، بعد ازاں راقم کی تقریبا پینتیس سال کی عمر میں ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' پہلی تصنیف تھی، جسے ۱۹۹۹ء میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) چاٹگام بنگلہ دیش نے بڑی خوب صورت انداز سے شایانِ شان طبع کر کے نوجوان مصنف کی حوصلہ افزائی کی، (الحمد للہ اس کا دوسرا ایڈیشن ابھی زیرِ طبع ہے) جس کے بعد راقم کی اور دو تصانیف ''سازش کا طوفان عقلیت و مادیت کے روپ میں'' ادارۂ اشاعت دینیات چاٹگام نے، اور'' روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے'' ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) نے یکے بعدِ دیگر طبع کر کے نہ صرف مصنف کی قدر دانی کی اور ہمت بڑھائی بلکہ امت مسلمہ پر گرانقدر احسان بھی کیا ہے۔ اللہ تعالی ان اداروں کے جملہ عاملین کو جزائے خیر دے، آمین۔

اس کے بعد غالبا ۲۰۱۰ء کی بات تھی، جس زمانے میں راقم الحروف سعودی عرب میں مقیم تھا، کہ اس کی اور ایک قابلِ قدر تصنیف ''روہنگیا مسلمانوں کی ہجرت کے اسباب'' مکمل ہو کے سامنے آئی جو صدیقِ مکرم و گرامیٔ قدر محترم ڈاکٹر محبّ الدین عبد السبحان واعظ (پروفیسر ام القری یونیورسیٹی مکۃ المکرّمۃ) نے اپنے ذاتی مصارف سے اسے طبع کرانے کی کوشش کی اور بڑے اہتمام سے کراچی، پاکستان میں رہائش پذیر ڈاکٹر صاحب اور راقم کے ایک عالمِ دین دوست کے ذریعے کمپوز (کتابت) کروایا، اور پروف ریڈنگ بھی مکمل ہو چکی تھی، علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب نے اسے اپنی زیر نگرانی ڈاکٹر محمد طاہر مقیم حال کراچی ولکچرر کراچی یونیورسیٹی کے ذریعے عربی میں بھی مکمل ترجمہ کروایا،

اور اس عربی میں منتقل شدہ تصنیف کو لبنان سے طبع کروانے کا عندیہ بھی دیا تھا، بایں ہمہ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ باوجودیکہ ڈاکٹر صاحب نے حد درجہ کوشش کی (شاید آپ اس کوشش میں ابھی بھی سرگرداں ہیں) مگر بعض دوستوں کی غفلت اور کوتاہی سے ابھی تک یہ تصنیف منظرِ عام پر نہ آسکی۔ خدا کرے کہ اس کا کوئی سروسامان پیدا ہوجائے۔ علاوہ ان مذکورہ تصانیف کے، مصنف کی دیگر زیرِ طبع اور غیر مطبوعہ مگر مکمل تصانیف درج ذیل ہیں:

☆ تذکرۂ علامہ سید الامینؒ (طبع شدہ)

☆ تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبد السلام ارکانی (طبع شدہ)

☆ ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات و کارنامے۔

☆ ارکان روہنگیا یونین، ماضی اور حال کے تناظر میں (طبع شدہ)۔

☆ روہنگیا چیخ و پکار اور مطالبات (کا اردو ترجمہ)۔

☆ بیس بڑے علمائے ارکان۔

☆ وادیٔ پرخار کے گمنام مسافر۔

☆ سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ (زیر نظر)۔

☆ سرخیل کارواں۔

☆ علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان (طبع شدہ)۔

☆ روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ (طبع شدہ)۔

☆ رودادِ سخن: (عربی، فارسی اور اردو شعر و شاعری پر ایک گرانقدر کتاب ہے)

☆ خورشید تاباں (زیرِ طبع)

☆ سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد اول)۔

☆ سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد دوم)۔

☆ سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد سوم)۔

☆ سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد چہارم)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد پنجم)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد ششم)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (جلد ہفتم)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے (ہشتم)۔

ظاہر ہے کہ بعض چیزوں کے اظہار سے کبھی کبھار خودستائی اور خودنمائی اور غرور و پندار کا شبہ پیدا ہوجاتا ہے، جس سے بعض خوردہ گیروں کو لکھاری پر کیچڑ اچھالنے کی راہ مل جاتی ہے۔لیکن ہم ان ناقدین اور خوردہ گیروں کی سزا اپنی قوم کی اگلی نسلوں کو نہیں دے سکتے اور نہ دینا چاہتے ہیں، اس لئے ہم نے اپنی ان مذکورہ کوششوں کا برملا اظہار کردیا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ اظہار اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسان کی حیات وموت اور دنیا کی زندگی کے وقت مقررہ کا کوئی یقین نہیں ہے، نہ جانے کس وقت کن حالات میں انسان کا بلاوا آجاتا ہے، اسی لئے اگر ان مذکورہ کوششوں کو منظرِ عام میں لانے سے پہلے اللہ تعالی کی جانب سے اس ناکارہ کا بلاوا آگیا تو ان کوششوں کے قدردانوں کو اس سلسلے کی اگلی کوششوں کو جاری رکھنے اور ان کو بھی اہتمام کے ساتھ منظرِ عام میں لانے کی راہ مل جائے گی۔

اب آمدم برسرِ مطلب کہ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے ممدوح محمد جعفر حبیب دور آخر میں روہنگیا قوم کے عظیم قومی ہیرو تھے، غالبا ۱۹۹۵ء سے راقم کے دل میں رہ رہ کر یہ آرزو انگڑائی لیتی رہی ہے کہ کلی طور پر معلومات اور ضروری دستاویزات کے ضائع ہونے سے پہلے ہمارے اس عظیم قومی ہیرو کی سوانحِ حیات مرتب کر لی جائے، لیکن پے در پے بعض مشغولیات اور بعض مجبوریاں اس آرزو کی راہ پر حائل ہوتی رہیں، چنانچہ آج ۲۰۲۲ء کا سال بھی اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے، تاہم اس دوران راقم نے اپنے سلسلۂ تصنیف ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' میں حضرت کی حیات پر مشتمل ایک مختصر سا مقالہ لکھ کر درج کیا ہے، لیکن بعد میں ایک طرف راقم کو اندازہ ہوا کہ حضرت کی حیات پر بس ایک مقالہ لکھ کر درج کردینا آپ کی شخصیت اور کارناموں کو احاطہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، تو دوسری طرف بعض قدردانوں کی طرف سے فرمائش کا سلسلہ مسلسل جاری تھا اور ہے کہ حضرت کی مکمل سوانحِ حیات پر باضابطہ طور پر قلم اٹھایا جائے اور اسے منظرِ عام پر لانے کی کوشش بھی کی جائے، لیکن

سعودی عرب کے دورانِ قیام حضرت پر باضابطہ قلم اٹھانا ممکن نہ ہوسکا، جس کی مختلف وجوہات کے تذکرے سے صرفِ نظر بات یہ ہے کہ آج اللہ تعالی کی توفیق شاملِ حال ہوئی کہ بنگلہ دیش آتے ہی اس ناگزیر کام پر توجہ دی گئی اور تقریبا تین مہینے کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں زیرِ نظر حقیر کاوش اپنی تیاری کے آخری منزل میں پہنچی ہے، جس میں کتنی کامیابی ہوئی وہ تو ناظرین کرام ہی فیصلہ کریں گے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمدو علی آله و صحبه و آل بیته اجمعین۔

خاکسار/

محمد طاہر جمال ندوی

۲۶/ ستمبر ۲۰۲۲ء

پہلا باب

ارکان کے مختصر سیاسی پس منظر دوسری عالمی جنگ کے تناظر میں:

سرزمین ارکان کے فرزندِ ارجمند محمد جعفر حبیب (ولادت ۱۹۳۹ء) کے آگے پیچھے پوری دنیا کے ساتھ ارکان اور برما کن حالات سے دوچار تھے ان کا ایک سیاسی جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ قارئین کرام اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ آپ کی ولادت کن سیاسی حالات میں ہوئی اور نشوونما اور تعلیم کس سیاسی پس منظر میں ہوئی، اور بعد میں آپ نے کن حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ملت وقوم کے لئے سیاسی وانقلابی جدوجہد کی تھی۔ میں اس جائزہ کو ۱۹۳۰ء سے شروع کرنا مناسب سمجھتا ہوں، اگر ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات پر اور زیادہ مطالعہ کرنا ہو تو عمومی طور پر ارکان پر پائی جانے والی باوثوق دستاویزات اور لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، اور خصوصی طور پر راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی'' دستیاب ہوسکے تو یہ بھی بڑی مفید ہوسکتی ہے۔

دوسری عالمی جنگ ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی، اور ۱۹۴۵ء میں ختم ہوئی تھی، یوں ظاہر ہے کہ محمد جعفر حبیب کی ولادت اس عالمی جنگ کی ابتدا میں ہوئی، جس کے چار سال بعد ۱۹۴۲ء میں ارکان میں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا تھا، جس کے اثرات ارکانی مسلمانوں کے بچے بچے پر عموماً اور محمد جعفر حبیب پر خصوصاً پڑے تھے۔ اب اس سے پہلے کہ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات پر روشنی ڈالی جائے، ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے اجمالی حالات اور اس کی وجہ سے دنیا پر پڑے ہوئے اثرات کی اجمالی باتیں یہاں درج کردی جائیں۔

کہتے ہیں کہ امن دو جنگوں کے درمیان وقفوں کا نام ہے، اس بات میں مجھے بڑی حقیقت نظر آتی ہے، چنانچہ دو عالمی جنگوں کے پس منظر سے یہ بات سورج کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ پہلی جنگ کے

بعد دوران دو امن معاہدے کئے گئے تھے، اور عالمی برادری کو جو واقعات پیش آئے ان میں سے بیشتر ایسے تھے جو دوسری جنگ عظیم کے اسباب تصور کئے جاتے تھے، خاص طور پر معاہدۂ ورسائی میں جنگ عظیم دوم کے جراثیم چھپے ہوئے تھے، کیوں کہ بقول ہٹلر یہ سراسر ناانصافی پر مشتمل معاہدہ تھا، جس میں امن کے نام پر برطانیہ اور فرانس نے ہمیشہ کے لئے اپنی فوقیت، برتری اور بالادستی قائم رکھنے کی کوشش کی تھی، جو جرمنی کو سخت ناپسند اور ناگوار تھی، اس کے علاوہ اس معاہدہ کی رو سے جرمنی کی سرحدوں پر چھوٹے ممالک کا وجود جرمنی کے لئے ناقابل برداشت تھا، حتی کہ یہ معاہدہ جنگ عظیم دوم کا ایک بنیادی سبب بن گیا تھا۔

ادھر تاریخی تجزیات سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ جنگ عظیم دوم کے دوسری وجوہات کے علاوہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہٹلر نے ڈائزنگ پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی، جو مذکورہ معاہدۂ ورسائی کا خلاف تھا، ادھر یاد رہے کہ دنیا پر اس وقت تک جنگ مسلط نہیں ہوتی جب تک دو مخالف گروپ اپنے غلط یا صحیح موقف پر انتہا پسندانہ پالیسی اختیار نہ کرتے، بقیہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے فریقین کے دو گروپ یا کیمپ قائم ہوگئے تھے، جنہیں بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح میں اتحادی اور محوری کیمپ کہا جاتا ہے، جن میں درج ذیل ممالک شامل تھے:

۱۔ محوری کیمپ: (۱) جرمنی (۲) اٹلی (۳) جاپان۔
۲۔ اتحادی کیمپ: (۱) امریکہ (۲) برطانیہ (۳) فرانس۔

اب سوال آتا ہے کہ دو متحارب گروپ کیوں بنے؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں ان اسباب کا جائزہ لینا پڑے گا کہ جو فی الواقع جنگ کے اسباب شمار کئے جاتے ہیں، ان اسباب میں بین الاقوامی سیاست کے تقریباً وہ تمام پہلو آجاتے ہیں جس کے نام پر اقوام کی دشمنیاں اپنے عروج پر گئیں، اور بالآخر ایسے مقام پر پہنچ گئیں کہ جہاں جنگ ناگزیر ہوجاتی ہے، یہ اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر بین الاقوامی سیاست میں جن نظریات کو فروغ ہوا ان میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام، جمہوریت اور کلیت پسندی جیسے نظام جس میں نازی ازم اور فسطائیت پیش پیش تھی، ان متحارب کیمپوں کے تجزیے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایک کیمپ میں جمہوریت اور اشترا

کیت پسند تھے تو دوسرے کیمپ میں نازی لوگ جوفسطائیت کا پرچار کررہے تھے، اور چوں کہ اس جنگ میں اتحادی کو فتح حاصل ہوئی، لہذا جنگ کے بعد دونظریات اشتراکیت اور جمہوریت کو فروغ ہوا، اور دنیا دوحصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔

۲۔ معاہدۂ ورسائی یا عہد نامۂ ورسائی دراصل اس جنگ عظیم دوم کا جڑ تھا، جو پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دیگر اقوام کے درمیان کیا گیا تھا، ان اقوام کی متحدہ کوششوں سے جرمنی کو ذلت آمیز شرائط پر دستخط کرنا پڑا تھا، اس پر جبرا بھاری تاوان عائد کئے گئے تھے اور اہم معدنی ذخائر اور علاقوں سے اسے محروم کردیا گیا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہٹلر کو مناسب وقت پر انتقامی کاروائی کر کے جنگ عظیم دوم کی طرف پیش قدمی کرنا پڑا، چنانچہ ہٹلر کی اس جارحیت کے نتیجے میں جب اس نے پولینڈ پر حملہ کیا تو برطانیہ بھی جنگ میں کود پڑا تھا۔

۳۔ حالیہ اقوام متحدہ کی طرح سابق انجمن اقوام کے غلط فیصلوں، کم زور انتظامی اور آئینی قوت، بڑی طاقتوں کا اس پر غلبہ، عملا یہ ادارہ جس کا بنیادی مقصد قیام امن تھا کلی طور پر مفلوج ہوکر رہ گیا تھا، جرمنی، اٹلی اور جاپان کی اشتعال انگیزیوں کا اس ادارے نے محض اس وجہ سے نوٹس نہیں لیا کہ انہیں بڑی طاقتوں کی اشیرباد حاصل تھی۔

۴۔ یوروپ کی دو بڑی طاقتوں (برطانیہ اور فرانس) نے تمام یوروپ پر غلبے کی پالیسی اختیار کی، اور اس عسکریت پسندی کی شروعات فرانس نے کیں، جس کا برطانیہ نے بھی بھرپور ساتھ دیا تھا، جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یوروپ کی دو بڑی طاقتوں یعنی روس اور جرمنی نے ان کی عسکریت پسندی کی شر سے بچنے کے لئے ایسے معاہدے کئے جس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں برآمد ہوا تھا۔

۵۔ فرانس اور برطانیہ کی عسکریت پسندی کے ردعمل کے بطور جرمنی، جاپان اور اٹلی نے ۱۲ر مئی ۱۹۳۹ء میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ آئندہ دس سال تک از خود کوئی جنگ نہیں کریں گے، البتہ اور کوئی دوسری طاقت سے جنگ کی صورت میں ایک دوسری کی ہر صورت میں مدد اور تعاون کریں گے، اسی طرح ۲۳ر آگست ۱۹۳۹ء میں روس اور جرمنی کے درمیان بھی ایک فوجی معاہدہ طے پایا، جو دراصل برطانیہ اور فرانس کی عسکریت پسندی کے جواب میں کیا گیا تھا، جس میں یہ طے کیا گیا کہ کسی دوسری طاقت کے حملے کے

جواب میں دونوں ممالک ایک دوسرے کو فوجی امداد فراہم کریں گے۔

۶۔ انجمن اقوام کے بے دست و پا ہونے کی وجہ سے وہ قوتیں جو عالمی غلبے کی حکمت عملی اختیار کی ہوئی تھیں، بین الاقوامی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حملوں اور قبضے کے حربے اختیار کررہی تھیں، چنانچہ اس حکمت عملی کے پیش نظر اٹلی نے فسطائی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے البانیہ پر، جاپان نے مانچوریا پر اور جب کہ جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کرکے بین الاقوامی حالات کو بگاڑ دیا تھا، دوسری طرف اٹلی نے اپنی فسطائیت کو مزید فروغ دیتے ہوئے بحیرۂ روم پر قبضہ کے لئے حبشہ پر حملہ کردیا، جس کے نتیجے میں برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کے خلاف انتقامی پالیسی اختیار کی تھی۔

۷۔ ۱۹۲۰ء کے بعد انگلستان کا یوروپی سیاست سے علیحدہ رہنے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ محوری طاقتیں بین الاقوامی معاملات میں بے لگام ہوگئیں، جنگ عظیم اول میں جرمنی کے خلاف فرانس کے فاتح ہونے کے باوجود روس سے خوف زدگی کا یہ عالم تھا کہ اس نے جنگ میں جرمنی سے فتح پانے کے باوجود معاہدۂ ورسائی میں نظر ثانی کی کوشش کی تھی، جس کے نتیجے میں نہ صرف جرمنی بلکہ جاپان اور اٹلی بھی ایسے بین الاقوامی قوانین کے توڑنے میں باز نہیں آئے کہ جن کا راستہ دوسری عالمی جنگ کی طرف جاتا تھا۔

۸۔ دنیا کو جنگ سے روکنے کا ایک مثبت عمل یہ بھی ہوتا ہے کہ اقوام عالم تخفیفِ اسلحہ کی کوشش پر عمل درآمد کریں، کیوں کہ ہتھیاروں کی موجودگی نے ان میں تکبر اور بڑائی کو جنم دیتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ان کے استعمال کے شیطانی حربے بھی وجود میں آتے ہیں، ہٹلر کی فضائی قوت میں ترقی کو توڑنے کے لئے مخالف ممالک نے اسلحہ سازی پر خاص توجہ دی تھی، یہاں تک کہ امریکہ نے نہ صرف یہ کہ ایٹم بم ایجاد کیا بلکہ جاپان کے شہروں پر گرا کر انہیں تباہ بھی کردیا تھا، تخفیف اسلحہ کی ان کوششوں میں ناکامی کی ایک وجہ ہٹلر کے معاہدۂ ورسائی کے دفعات کو توڑنے کے علاوہ اس کے دیگر انتہا پسندانہ اقدام بھی تھا، جس کے ردعمل میں مخالف قوتوں نے فروغ اسلحہ کو اپنا میشن بنا لیا تھا، علاوہ ازیں امریکی صدر ولسن کے چودہ نکات سے انحراف، جاپانی سامراجیت میں اضافہ، جرمنی کی اقتصادی بدحالی اور امریکہ کی کساد بازاری بھی ایسے عوامل تھے کہ جنہوں نے مجموعی طور پر ایسی عالمی صورت پیدا کردی کہ جس کا نتیجہ دوسری جنگ کی صورت میں برآمد ہوا تھا۔

جنگ عظیم دوم کے بعد ارکان اور برما کے مختصر حالات کے ساتھ دنیا میں اس جنگ کا کیا نتیجہ سامنے آیا اس کا بھی جائزہ لیا جانا بہت ضروری ہے:

۱۔ جنگ عظیم دوم ایک مہیب اور مکمل جنگ تھی، جو دنیا کے ہر خطے میں لڑی گئی، اس جنگ کے اختتام پر اتحادی قوتوں نے جرمنی پر قبضہ کے بعد اسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک پر امریکہ، دوسرے پر برطانیہ جب کہ تیسرے پر روس قابض ہو گیا، پھر ۱۹۴۵ء میں بالٹا کانفرنس کے نتیجے میں فرانس کو بھی ایک حصہ دیا گیا، یوں جرمنی چار مختلف زونوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

۲۔ پہلی جنگ عظیم کے مقابلے میں دوسری جنگ عظیم بڑی اور وسیع تر تھی، جو دنیا کے مختلف ممالک، بر اعظموں، دریاؤں، صحراؤں جنگلوں، میدانی علاقوں، شہروں غرض ہر جگہ لڑی گئی تھی، جس میں لاکھوں افراد موت کے گھاٹ تارے گئے اور کربوں ڈالر کی املاک تباہ اور برباد ہو گئیں۔

۳۔ جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں دنیا میں دو بڑی عالمی طاقتیں یعنی امریکہ اور روس وجود میں آ گئیں، جس میں سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کو وسیع تر فروغ ملا تھا۔

۴۔ جرمنی کے مسئلہ پر اتحادی یعنی قابض قوتوں میں اختلافات رونما ہوئے، روس جرمنی میں اشتراکیت کا خواہاں تھا، جب کہ امریکہ اور برطانیہ کی خواہش تھی کہ وہاں جمہوری طرز حکومت کا فروغ دیا جائے، روس جرمنی سے تاوان کے حق میں تھا جب کہ امریکہ اور برطانیہ جرمنی پر اقتصادی بدحالی بر قرار رکھنا چاہتے تھے، اپنی متصاد خواہش کے نتیجے میں جرمنی مغربی اور مشرقی جرمنی میں تقسیم ہو گیا، مغربی جرمنی امریکہ اور برطانیہ کے جب کہ مشرقی جرمنی روسی اشتراکیت کے زیر اثر رہا۔

۵۔ محوری قوتوں نے خود کو مزید تباہی سے بچانے اور متحدہ قوت حاصل کرنے کے لئے کئی معاہدے کئے، یہ معاہدے اٹلی، رومانیہ، بلغاریہ، ہنگری اور فن لینڈ کے مابین ہوئے، یہ معاہدے اس پس منظر میں کئے گئے کہ جرمنی اور اٹلی کروڑوں ڈالر کے تاوان میں پھنسے ہوئے تھے، اس دوران مقبوضات اور نو آبادیات چھین لی گئی تھیں۔

۶۔ پولینڈ روس کے زیر اثر ایک اشتراکی ملک تھا، تاہم جنگ کے نتیجے میں اس کی سرحدوں کا از سر نو تعین کیا گیا تھا۔

۷۔ جنگ کے نتیجے میں جاپان میں دنیا کی قدیم ترین بادشاہت عملاً ختم ہو گئی، یہاں اتحادی قوتوں نے جمہوری طرز حکومت قائم کر دیا، تاہم رواجی یا برائے نام کی بادشاہت اب بھی باقی ہے، جنگ کے نتیجے میں امریکہ چھ سال تک جاپان پر قابض رہا اور اس کی نو آبادیات پر قبضہ جما لیا گیا تھا۔

۸۔ ۱۹۴۵ء میں کوریا کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، شمالی کوریا پر روس نے اور جنوبی کوریا پر امریکہ نے قبضہ کر لیا۔

۹۔ ۱۹۴۵ء میں یوگوسلاویہ میں اگر چہ قدیم بادشاہت کے بعد کمیونسٹ طرز حکومت قائم کیا گیا، لیکن بعد میں مارشل ٹیٹو نے روس سے اختلاف کی بنیاد پر روسی بلاک سے علیحدگی اختیار کر لی، لیکن اس کے با وجود امریکی بلاک میں بھی شامل نہیں ہوا تھا۔

۱۰۔ جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں دنیا دو بلاک میں تقسیم ہو گئی، اول روسی بلاک جو کمیونزم کا علم بردار تھا، دوم امریکی بلاک جو سرمایہ دارانہ نظام کا علم بردار۔

۱۱۔ اس جنگ کا اہم نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ تمام عالمی مقتدر قوتوں نے عالمی قیام امن کی خاطر ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں انجمن اقوام متحدہ (UNO) قائم کر دی۔

۱۲۔ جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں استعماری قوتوں کی نو آبادیات پر کنٹرول مشکل سے مشکل تر ہو گیا تھا، لہذا ہر نو آبادیات میں آزادی کی تحریکیں عروج پر پہنچ گئی تھیں، یوں نظام استعماری کے خاتمے کی شکل میں ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک نے آزادی حاصل کر لی، ویسے ہندوستان، پاکستان اور برما وغیرہ کی آزادی بھی نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کا منطقی نتیجہ ہے۔

پچھلی سطور میں جس طرح عرض کی گئی ہے کہ جنگ عظیم دوم سن ۱۹۳۹ء سے شروع ہو کر ۱۹۴۵ء میں اختتام کو پہنچی تھی، اس درمیانی مدت میں خاص طور پر ۱۹۴۲ء کا سال سر زمین ارکان اور وہاں کی مسلم تاریخ کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہے، وہ اس لئے ہے کہ ایک طرف اسی سال ارکان کی شر پسند اور فسادی قوم مگھوں نے برمی وحشیوں کے بھر پور تعاون سے روہنگیا مسلمانوں کے خون سے پوری سر زمین کو نہلا دیا تو دوسری طرف اس واقعۂ جانگداز کی وجہ سے نہ صرف سر زمین ارکان بلکہ وہاں کی امن پسند قوم روہنگیا کو اپنے مستقبل پر از سر نو سوچنے پر بھی مجبور کر دیا گیا، اور اس واقعۂ جانگداز کا اجمال کچھ یوں ہے کہ:

۲۲؍دسمبر ۱۹۴۱ء میں جاپانیوں نے رنگون پر بمباری کی تو برطانوی حکومت رنگون چھوڑنے پر مجبور ہو گئی، جس کے نتیجے میں برما پر برمی فوجی افسروں کا قبضہ ہوگیا، اس کے ساتھ ارکان میں ایک اوباش ، دہشت گرد اور فتنہ پرداز ڈپٹی کمشنر او چو کائن یہاں کے تحت کا مالک بن گیا، جس کی وجہ سے ارکان کے مگھ پھولے نہ سمائے تھے، قبل ازیں تھا کن لیڈران جو گرفتاری کے خوف سے جنگلوں میں مارے مارے پھر رہے تھے، سارے کے سارے دندناتے اور فتح وکامرانی کی راگنی گاتے ہوئے ارکان کے شہروں میں نکل آئے تھے، تھکین نامی لوگ وہ تھے، جنہوں نے اس سے پہلے ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوؤں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی ہولی کھیلی تھی، اب کی بار انہوں نے شہرا کیاب سے اپنی فتنہ پردازی اور دہشت گردی کی شروعات کی تھیں اور مگھ شرپسندوں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

۲۲؍مارچ ۱۹۴۲ء میں جاپانی ہوابازوں نے ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں بمباری کی، جس کی وجہ سے بہت سے معصوم شہری ہلاک ہو گئے تھے، بالآخر برطانوی حکومت یہاں سے بھی پیچھے ہٹ گئی تو اس خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مگھ اور برمی بودھ شرپسندوں اور دہشت گردوں نے مسلمانوں کے قتل وغارت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، چنانچہ ۲۷؍مارچ ۱۹۴۲ء میں مگھ اور تھکین غارت گروں نے ممبیا (ممبرا) بازار کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی تقریباً تمام دکانیں لوٹ لیں، اس کے بعد مسلمانانِ ارکان پر وہ مظالم ڈھائے جس کی یاد ارکانی مسلمانوں کو خون کے آنسو رلاتی ہے اور آگے چل کر بھی رلاتی رہے گی، جس کی قدرے تفصیلات کے لئے راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال اس واقعہ کی تفصیلات تو یہاں گنجائش نہیں، تاہم اس واقعہ کے بعد شمالی ارکان کے مسلمانوں نے یہاں اپنے طرز کی ایک حکومت قائم کر لی تھی، جسے جنوری ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے اپنی دوبارہ واپسی پر خاتمہ کر دیا تھا، علاوہ ازیں برطانوی فوجی حکام نے اس مسلم حکومت کے تمام لیڈروں کو اپنے ماتحت کر لیا تھا، یوں ارکانی مسلمانوں کے قومی لیڈر مسٹر عمرہ میاں منگڈوٹاؤن شپ کے افسر بن گئے، جب کہ بوسیدنگ میں ڈپٹی مولانا عبدالغفار صاحب رنگیا دنگی وغیرہ کو برطانوی حکومت کے ماتحتی افسر بنا دیا گیا تھا، تاہم ایک معاہدہ کے تحت شمالی مغربی ارکان کا وہ علاقہ جسے اس سے پہلے مسلم حکومت

بنایا جا چکا تھا، برطانوی حکومت کے تحت ایک جداگانہ مسلم اسٹیٹ تسلیم کر لیا گیا تھا۔

۲۸؍جنوری ۱۹۴۶ء میں برما کی ہر جگہوں سے آزادی کا نعرہ بلند ہونے لگا تھا، گوکہ اس زمانہ تک شمالی مغربی ارکان کا علاقہ ایک علیحدہ مسلم ریاست تھا، لیکن یہاں کے مسلمانوں نے بھی مکمل آزادی کی آواز بلند کر دی تھی۔

نومبر یا دسمبر ۱۹۴۶ء میں برما کے معروف شہر پمنا میں جناب عبدالرزاق کی زیر سرپرستی یا زیر صدارت ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں ارکان کے معروف لیڈر اڈووکٹ ناصر الدین (پھوکائنگ) نے ارکان کی نمائندگی کی تھی، انہوں نے یہاں ارکانی مسلمانوں کی سالمیت اور بقا کی تحریک چلائی، لیکن ان کے خلاف برمی نژاد ایک مسلم لیڈر نے ارکانی مسلمانوں کو برمی بودھ اکثریت سے مل کر رہنے کا مشورہ دیا، یوں ناصرالدین صاحب کی تحریک کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

فروری ۱۹۴۷ء میں پیلونگ (برما) کے مقام پر ایک برمی بین القومی اجلاس منعقد ہوا، جس سے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت مسلمانانِ ارکان کو باہر رکھا گیا، پھر اونگ سانگ وغیرہ کی ہلاکت کے بعد برطانیہ نے ۲؍آگست ۱۹۴۷ء میں برما کو ڈومنین اسٹیٹ کا درجہ دیا اور مسٹر اونو کو برما کا وزیر اعظم بنایا گیا، اس کے بعد ۴؍جنوری ۱۹۴۸ء میں برما کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا گیا۔

برما کی آزادی کے چھ سات مہینے پہلے جولائی ۱۹۴۷ء میں رنگون کی ایک کانفرنس ہال میں اونگ سانگ اپنے رفقائے کار سے ضروری مذاکرات کر رہا تھا، اچانک چند مسلح افراد نے مذاکرات کے دوران اونگ سانگ سمیت سات افراد کو گولیوں سے ہلاک کر دیا، یاد رہے کہ ان ہلاک ہونے والوں میں جناب عبدالرزاق کے علاوہ اور ایک مسلمان بھی شامل تھا۔

ظاہر ہے کہ برما کی آزادی کے بعد ملک بھر میں بودھ اکثریت سارے اختیارات کی مالک بن گئی، تو اس نے ارکانی مسلمانوں کو پہلا تحفہ یہ دیا کہ ۱۹۴۹ء میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل اور ہزاروں کو ملک بدر کر دیا تھا، چنانچہ اسی سال تیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے جان بچاتے ہوئے مشرقی پاکستان میں پناہ لی اور ان کی اراضی واملاک پر مگھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

برما برطانوی سامراجیوں کی چنگل سے آزاد ہو کر ابھی چند قدم بھی آگے نہیں بڑھا کہ پورے ملک پر

خانہ جنگی کی لعنت چھا گئی، یہاں اس میں ملوث ہونے والے بڑے بڑے دھڑوں کی نشاندہی کی جارہی ہے، تاکہ ناظرین کرام کو یہ اندازہ ہوجائے کہ بدنام زمانہ جنرل نیون کے دور اقتدار سے پہلے بھی اونو دورحکومت میں ملک کس مصیبت میں پھنسا ہوا تھا:

۱۔ گورنمنٹ آف اونو (AFPFL)

۲۔ جہاد کونسل یعنی ارکانی مجاہدین زیر قیادت محمد جعفر حسین قوال۔

۳۔ برما کمیونسٹ پارٹی (BCP) سرخ پرچم۔

۴۔ برما کمیونسٹ پارٹی (BCP) سفید پرچم۔

۵۔ قومی رضا کار آرگنائزیشن (PVO)

۶۔ کرین نیشنل یونین (KNU)

۷۔ ارکان کمیونسٹ پارٹی (ACP)

برمیوں کے ماضی پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے آسانی کے ساتھ یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں کی اقلیتوں کے زرخیز علاقوں اور ان کے قدرتی وسائل کو لوٹ کھانے اور ان پر اپنی بالادستی کو یقینی بنانے کے لئے برمیوں نے کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی تھی، دراصل برمیوں کی یہی پالیسی نہ صرف اونو کے دور حکومت بلکہ اس سے بھی پہلے اور اس کے بعد بھی مسلسل رہی ہے، اس وحشی اور جابر قوم نے پورے ملک کو صرف اور صرف اپنے مفاد میں استعمال کرنے اور یہاں کے سارے وسائل کو ہڑپنے، یہاں کی اقلیتوں کی تہذیب وثقافت، زبان وادب اور رسم ورواج کو مکمل طور پر برمیانے اور تمام اقلیتوں اور مذہبی گروہوں کو بودھ مذہب میں تبدیل کرنے کی پالیسی بنا رکھی ہے، بعض نام نہاد سیاست دان اونگ سانگ کی تعریف اور مدح سرائی کرتے نہیں تھکتے، حالانکہ اس کی سیاسی اور وحشیانہ پن پر مبنی نیت کہاں تک صحیح تھی وہ بالکل ظاہر ہے، اسی ہی نے دیدہ ودانستہ طور پر اور ایک منصوبہ کے تحت ارکانی مسلمانوں کے کسی بھی نمائندہ کو ۱۹۴۷ء میں پیلنگ کانفرنس میں شریک ہونے نہیں دیا تھا، اور جس میں شریک ہونے والی قوموں اور نسلی گروہوں سے ایک معاہدہ پر دستخط ہوگیا تھا کہ جس کی رو سے برما کی آزادی کے دس سال بعد اگر کوئی قوم متحدہ برما سے آزادی کی متمنی ہوگی تو اسے آزادی کا مکمل حق حاصل ہوگا، اس کے علاوہ بھی تمام

قوموں اور نسلی گروہوں کو اس بات کی پوری ضمانت دی گئی تھی کہ ان کی تہذیب وثقافت، رسم و روج، زبان وادب اور دین ومذہب مکمل طور پر محفوظ رہے گا، لیکن برمیوں نے بعد میں نہ صرف وعدہ خلافی کی بلکہ برما کی تمام اقلیتوں اور نسلی گروہوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا، یوں اونو دورحکومت کی ابتدا ہی سے ملک کی تمام اقلیتوں اور نسلی گروہوں میں احساس محرومی پیدا ہوگیا تو انہوں نے برمی وحشی اور بربر قوم کے خلاف زبردست احتجاج کیا، لیکن تیر تو ہاتھ سے نکل چکا تھا، تو اب ناچار ہوکر ان اقلیتوں نے مسلح جدوجہد شروع کردی تھی، جس کا سلسلہ تا حال باقی ہے۔

اونو دورحکومت میں ارکان سمیت ملک کے مختلف علاقہ جات میں خانہ جنگی ہوئی، جس کو ختم کرنے کے لئے آئے دن فوج کشی تو کی گئی، لیکن برمیوں کی اس فوج کشی سے صرف اور صرف جلتی آگ پر تیل کے علاوہ اور کوئی بھی نتیجہ نہیں نکلا۔

۱۹۶۲ء میں ملک کے اقتدار پر برمی فوج کا مکمل قبضہ ہوگیا تو پورے ملک میں سیاسی بلکہ انقلابی کشیدگی مزید بڑھ گئی تھی، چند ایک ریاستوں کو چھوڑ کر تمام ریاستوں میں علیحدگی یا خودمختاری کا نعرہ بلند ہوگیا، جمہوری دورحکومت میں جن بعض نسلی گروہوں نے احساس محرومی کے باوجود مسلح جدوجہد سے گریز کیا تھا وہ بھی کھل کر میدان میں آگئیں، برمی حکومت کے خلاف لڑنے والی سب سے اہم اور بڑی تنظیم برما کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ ذیل میں چند ان تنظیموں کی ایک فہرست یہاں پیش کرتا ہوں جنہوں نے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں ایک اتحاد قائم کیا تھا، دنیا جسے نیشنل ڈیموکراٹک فرنٹ (NDF) کے نام سے جانتی ہے، جس کا مقصد برما میں ایک فیڈریل یونین کا قیام تھا:

۱۔ کرین نیشنل یونین (KNU)

۲۔ کچین انڈی پنڈنٹ آرگنائزیشن (KIO)

۳۔ ارکان لیبریشن پارٹی (ALP)

۴۔ کرین نیشنل آرگنائزیشن پارٹی (KNOP)

۵۔ لاہو نیشنل آرگنائزیشن (LNO)

۶۔ مون نیوا سٹیٹ پارٹی (MNSP)

۷۔ پاؤنیشنل آرگنائزیشن (PNO)

۸۔ پالنگ اسٹیٹ لیبریشن پارٹی (PSLP)

۹۔ شان اسٹیٹ پروگریزو پارٹی (SSPP)

۱۰۔ وانیشنل آرگنائزیشن (WNO)

نومبر ۱۹۸۸ء میں برمی فوجی حکومت کے خلاف برسرِ پیکار تنظیموں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں مذکورہ نیشنل ڈیموکراٹک فرنٹ (NDF) کے علاوہ اور بھی بارہ تنظیموں نے شرکت کی تھی، جس کے نتیجے میں اور ایک نیا اتحاد قائم ہوا تھا، جس کا نام ڈیموکراٹک الائنس آف برما (DAB) دیا گیا تھا، ذیل میں ہم انڈی ایف کی تنظیموں کو چھوڑ کر نئی شامل ہونے والی تنظیموں کی فہرست درج کر دیتے ہیں:

۱۔ آل برما اسٹوڈنٹ ڈیموکراٹک فرانٹ (ABSDF)

۲۔ آل برما مسلم یونین (ABM)

۳۔ چن نیشنل فرنٹ (CNF)

۴۔ کمیٹی فار ریسٹوریشن آف ڈیموکریسی ان برما (CRDB)

۵۔ جنرل اسٹرائک کمیٹی (GSC)

۶۔ مسلم لیبریشن آرگنائزیشن آف برما (MLOB)

۷۔ نیشنل یونائیٹڈ فرنٹ آف ارکان (NUFA)

۸۔ نیشنل یونائی ٹی پارٹی فار ڈیموکریسی (NUPD)

۹۔ آورسیس کرین آرگنائزیشن (OKO)

۱۰۔ آورسیس برما لیبریشن فرنٹ (OBLF)

۱۱۔ پپل لیبریشن فرنٹ (PLF)

۱۲۔ پیپل پیٹرائی ٹک پارٹی (PPP)

ارکانی مسلمانوں کے تعلیمی اور ثقافتی حالات:

ارکان کے روہنگیا مسلمان بنیادی طور پر ایک مذہبی قوم ہے، صدیوں سے یہ مسلمان قوم اسلام پر قائم ودائم ہے، اس قوم کی دینی اور روحانی زندگی بڑی عجیب وغریب اور نہایت دلچسپ ہے، گوکہ عرصۂ دراز سے اس قوم پر مظالم پر مظالم ہو رہے ہیں، لیکن یہ دنیا کی ساری چیزیں چھوڑنے کو تیار مگر اس کا دین اسلام کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، اس قوم نے اپنی دینی اور روحانی اقدار کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ جس طرح سورج اپنی روشنی اور چاند اپنی چاندنی کو تھام رکھا ہوا ہے۔

کافی درک بینی کے ساتھ مطالعہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ اس مذہبی قوم کی ننانوے فیصد افراد کا ذہنی رجحان تعمیری اور بھلائی کی جانب ہے، اس کی اچھی خصلتیں بہت زیادہ ہیں، اور بری خصلتیں بہت ہی کم، اس قوم کی اچھی خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ ہے کہ اس کے چند افراد بھی کہیں جمع ہو جائے تو وہ گھر بنانے سے پہلے مسجد تعمیر کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس سے ملحق ایک ابتدائی دینی مدرسہ جسے اس کی زبان میں مکتب کہا جاتا ہے تعمیر کرتے ہیں، یوں ارکان کے ان علاقہ جات میں جہاں یہ مسلمان آباد ہیں، ان کی ہر ایک بستی میں ایک دو اور کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ مساجد کے ساتھ یہ دینی مکاتب دیکھے جاتے ہیں، اور تو اور ان مسلمانوں کی ہجرت کی زندگی دیکھیں گے تو وہاں بھی ان کے حالات مختلف نہیں ہیں، بطورِ خاص سعودی عرب اور پاکستان میں جو روہنگیا مہاجرین آباد ہیں، وہاں ان کے رہائشی مکانات کے ساتھ مساجد اور مکاتبِ دینیہ کا جال پھیلا ہوا نظر آئے گا، اس سے بات صاف ظاہر ہے کہ اگر چہ یہاں کے مسلمان معاشی طور پر بدحال ہیں، لیکن انہوں نے ہر ممکنہ طریقے سے اپنے بچوں کو ان مکاتبِ دینیہ کے ذریعے سے دینی اور قرآنی تعلیم دلائی ہے، یوں ان مسلمانوں میں بہت ہی کم ایسے افراد ہوں گے جنہوں نے اپنی بستی کے مکاتبِ قرآنیہ سے کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل نہیں کی ہوں، اور یہاں سے بنیادی دینی احکام نہیں سیکھے جانے ہوں۔

<u>مدارسِ اسلامیہ</u>: سرزمین ارکان کے طول وعرض میں آپ کو ہر کہیں دینی مدارس دکھائے دیں گے، جن کی تعداد سینکڑوں سے کم نہیں، ان میں سے بعض مدارس میں ابتدائیہ سے لے کر ثانویہ تک اور بعض بڑے مدارس میں ابتدائیہ سے لے کر دورۂ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تعلیم ہوتی ہے، برمی ظالم

حکومت اوراجڈ مگھوں کے ساتھ بر بر برمی فوجی حکام کی پے در پے اسلام دشمنی کے باوجود یہاں کے مسلمانوں نے بڑے مشکل حالات کا سامنا کرتے ہوئے ان مدارسِ اسلامیہ کو باقی رکھا ہے، تاہم یہ الگ بات ہے کہ برمی ظالم حکومت انگنت مساجد کی طرح لاتعداد مدارس کو شہید کر دیا ہے، پھر بھی یہاں کے مسلمانوں نے اپنی زندگی کی طرح ان مساجد اور مدارس کو باقی رکھنے کی حد درجہ کوششیں کی ہیں۔

<u>حفظ خانے</u>: ارکان کے تمام مدارس اسلامیہ کے ساتھ ملحق حفظ خانے ہوا کرتے ہیں، چاہے یہ مدارس ابتدائیہ سے ثانویہ تک ہوں یا ابتدائیہ سے دورۂ حدیث تک، ہر کہیں شعبۂ تحفیظ کے بطور حفظ خانے ہوا کرتے ہیں، برمی ظالم حکومت اور حکمرانوں کی قرآن دشمنی کے باوجود یہاں کے مسلمانوں نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے بطور قرآن کریم کی حفاظت اپنے معصوم بچوں کے سینے کے ذریعے کی ہے، آج ارکان کے روہنگیا مسلمانوں میں علمائے اسلام کی طرح حفاظ قرآن اتنی بڑی تعداد میں ملیں گے کہ جن کی نہ حد ہے اور نہ حساب، اورتو اور سعودی عرب میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہاں کی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مساجد کے ائمہ کا تعلق ارکان کی اس روہنگیا قوم سے ہے، سعودی عرب میں ماشاءاللہ ان مسلم برادری کے اندر سے اتنے بڑے بڑے بین الاقوامی شہرت یافتہ قراء پیدا ہوئے جن کی وجہ سے یہ برادری قرآن کریم کی قرآت اور حفظ کے حوالے سے بڑی نامور ہو چکی ہے، جن میں سے ایک عالمی شہرت کی حامل شخصیت حضرت العلامۃ ڈاکٹر محمد ایوب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو ایک طویل مدت تک حرم نبویؐ کے امام تھے، اور اب بھی ان کی تلاوت بڑے ذوق وشوق سے پوری دنیا میں سنی جاتی ہے، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔اور اس برادری کی اور ایک نامور قاری وحافظ شخصیت شیخ عبدالولی ارکانی حفظہ اللہ تعالی ورعاہ ہے، جن کی آواز میں اور تو اور سعودی عرب کی ریڈیو اور ٹیلویژن قرآن کی تقریبا روزنشر و اذاعت کرتے ہیں، ماشاءاللہ جس کی مقبولیت بین الاقوامی سطح پر ہو چکی ہے، یہ روہنگیا جیسی ایک مظلوم قوم کے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔

ان تمام باتوں سے میرا مدعا یہی ہے کہ ارکان کے یہ روہنگیا مسلمان ان کا تعلق اندرون ارکان سے ہو یا ہجرت کی زندگی سے، اس نے قرآن کریم سے ایسی محبت کی ہے کہ جس طرح ایک انسان اپنی زندگی سے محبت کرتا ہے، آج تقریبا اسی سالوں سے یہاں کے مسلمانوں پر برمی اور مگھوں کی طرف سے

مظالم پر مظالم ہونے کے باوجود یہاں کے مسلمانوں نے دین اسلام کے تعلق سے اسلامی تعلیمات جو اپنی اولادکو دی ہیں یہ کیا اسلام اور یہاں کے مسلمانوں کی زندہ کرامات سے کم ہیں؟۔

افسوس کی بات ہے کہ ہم میں سے چند نادان لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ جو یہاں کے علمائے اسلام کو طعنے دیتے نہیں تھکتے، درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حضرات علماء ایسے ہیں ویسے ہیں، لیکن ان ناسمت شناس اور کوربصیرت لوگوں کو یہ اندازہ تک نہیں ہے کہ:

۱۔ یہاں کے علمائے کرام بلکہ یہاں کے دین دار طبقہ بھی معاشی اعتبار سے مفلوج ہے۔

۲۔ دین اسلام، قرآن کریم، مساجد و مدارس اسلامیہ کے خلاف عرصۂ دراز سے سازشوں پر سازشیں ہو رہی ہیں۔

۳۔ حکومت کی جانب سے امداد واعانت دور کی بات ہے، ان مدارس ومساجد کو ہمیشہ شہید کر دینے کی کوششیں ہوا کرتی ہیں۔

۴۔ علمائے اسلام پر پے در پے مظالم وتشدد: بس ان کا جرم یہ ہے کہ وہ اسلام اور قرآن کی تعلیم دیا کرتے، تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں کرتے، ارکان میں اسلام کی بقاء کی کوشش میں سردھڑ کی بازیاں لگاتے رہتے ہیں۔

۵۔ آئے دن یہاں علمائے کرام پر برمی حکومت کے درندے یہ الزم لگاتے پھرتے ہیں کہ یہ علما شدت پسند، آتنکوادی، ارھابی ہیں، اور روہنگیا مجاہدین (ان کی نظر میں باغی) سے تعلق رکھتے ہیں۔

۶۔ یہ ایک دوسال کی بات نہیں بلکہ ۱۹۴۲ء کے بعد سے عموما اور برما کی آزادی کے بعد سے خصوصا یہاں کے علماء، صلحاء، معلمین، مبلغین اور طلبائے دینی مدارس پر کیا کچھ بیتا ان حالات سے یہ لوگ سرے سے واقف نہیں ہیں۔

۷۔ ان حالات وکوائف سے علمائے ارکان پر طعنہ بازی کرنے والے واقف ہیں؟ اگر واقف نہیں ہیں تو ان پر جتنے بھی رویا جائے کم ہیں، اور اگر واقف ہونے کے باوجود ان پر طعنہ دیتے پھرتے ہیں تو ان میں اور علمائے کرام کے ساتھ دشمنی کرنے والوں میں کیا فرق ہے؟۔

خاکم بدہن اور گستاخی معاف! کہ یہ ایک الگ بات ہے کہ ہمارے لوگوں کی اکثریت کی قوتِ

حافظہ بہت کم زور ہوتی ہے، آج ان پر مظالم ہوئے، کل انہوں نے سب کچھ بھلا کر رکھ دیا، ہمارے ایسے حالات پر روئے تو کون روئے؟۔

نظام ہائے تعلیم: علاوہ ازیں ارکان کے مسلمان تعلیم کے حوالے سے عرصۂ دراز سے ایک بڑے فتنے میں پڑے ہوئے ہیں، وہ ہے ہمارے یہاں کے دو نظامہائے تعلیم، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) برمی حکومت کا نظام تعلیم جو ۱۹۶۲ء سے عمومی طور پر مذہب مخالف تو ہے ہی اور خصوصی طور پر اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ ان اسکولوں کے ساختہ پرداختہ ہمارے دانشوروں میں اسلام دشمنی کے جراثیم بہت کم پھیلے ہیں، جن کے دیگر اسباب میں شاید ایک یہ بھی ہو کہ ایک تو ہمارے مسلم معاشرے میں اور جو بھی کیوں نہ ہو اسلامی چھاپ نمایاں ہے، جسے بحمد اللہ ہمارے علماء اور دعاۃ و مرشدین کا کارنامہ بھی ضرور کہا جا سکتا ہے، دیگر یہ بھی ہو کہ شروع ہی سے برمیوں اور مگھوں کی اسلام دشمن کردار کے ردعمل کے بطور اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے ہمارے مسلم طلبہ کے ذہن ایک طرح کے فکری سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، جہاں اور جو کچھ بھی کیوں نہ ہو مگر اسلام دشمن جراثیم کے لئے دروازے بہت کم کھلے تھے۔

(۲) ہمارے یہاں دینی نظام تعلیم جسے عمومی طور پر درس نظامیہ کہا جاتا ہے، جو ہمارے مدارس دینیہ کا نظام تعلیم ہے، ہمارے یہاں برطانوی دور حکومت میں بعض مدارس میں عالیہ لائن (جن کی سرپرستی حکومت کرتی تھی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ جن کا مرکز تصور کیا جاتا تھا) کے ساختہ پرداختہ کچھ علماء بھی درس دیا کرتے تھے، مگر بعد میں ہمارے ان مدارس میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کا چھاپ نمایاں ہوگیا تھا، اور دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالعلوم کراچی، جامعہ اسلامیہ پٹیہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری وغیرے کے مستند فارغین علماء درس دیا کرتے ہیں، تاہم دارالعلوم دیوبند کے بعد ولی اللہی مکتب فکر کی اور ایک شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بہت کم فضلاء ہمارے اس علاقے میں پائے گئے، بس گنے چنے چند بزرگ تھے، جن میں مولانا افلاطون ندوی، مولانا سکندر ندوی، مولانا محمد انور ندوی، مولانا رشید احمد ندوی اور مولانا مشتاق احمد ندوی جیسی قابل ذکر ہستیاں تھیں، اور مولانا رشید احمد ندوی کا جہاں تک تعلق ہے ان کی ساری زندگی تقریباً پاکستان میں گزر گئی، اور مذکورہ تمام کی تمام

ہستیاں اللہ کے پیارے ہوگئیں، پھر ہمارے معاصرین میں چند ندوی فضلاء ہیں، جن میں مولانا عتیق الرحمٰن ندوی کے علاوہ سارے کے سارے خارج از وطن زندگی گزارنے پر مجبور، اور ان میں بھی مولانا نورالہدی ندوی فراغت تعلیم کے چند مہینے بعد انتقال کر گئے، اللہ تعالی ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔ اور باقی راقم سطور سمیت اور چند ندوی فضلاء ہیں، جن میں میرے علم کے مطابق مولانا محمد امین ندوی، مولانا عبدالرحمٰن ندوی اور مولانا محمد ایوب ندوی حیات سے ہیں، باقی مولانا حافظ عبدالسلام ندوی اور مولانا عتیق الرحمٰن ندوی جن کا ابھی ابھی تذکرہ گزر چکا ہے دونوں حال ہی میں انتقال کر چکے ہیں، ان میں سے جتنے حیات سے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالی ان ندوی فضلاء کی حیات میں برکت دے اور انہیں دین وملت اور قوم و وطن کی خدمات کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

ادھر ہم دیکھتے ہیں کہ سرزمین ارکان میں پائے جانے مسلمانوں میں دو بڑے نظام ہائے تعلیم نے ان کی مذہبی وحدت کو خاصے کم زور کر دیا ہے، اور ان نظام ہائے تعلیم نے قوم میں دو بڑی شخصیتیں پیدا کر دی ہیں، بظاہر یہ شخصیتیں ایک ہی قوم کے حصے ہیں، مگر بسا اوقات خاص طور پر فکری اعتبار سے ان کے درمیان نکتۂ اتصال تلاش کرنا دشوار ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے مابین پائے جانے والا تنوع ایک قسم کے فکری تضاد میں ڈھل گیا ہے، اور جہاں تک ماضی کے تجربات سے واضح ہوا ہے کہ کم سے کم فکری دنیا میں یہ دو قسم کی شخصیتیں دو متحارب دھڑوں میں تقسیم ہوگئی ہیں، رہن سہن اور مل ملاپ میں ایک دوسرے کے قریب ضرور ہیں، مگر قوم وملت کے حوالے سے کام کرنے کے سلسلے میں ایک کو دوسرے کے قریب پھٹکنے کی روادار نظر نہیں آتیں، اگر چہ ان کا مذہب ایک ہے، جو ان کے کام کے لئے قدر مشترک ہے، مگر ان کے افکار و نظریات، سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ اور طریقۂ کردار، اور گفتگو کی تعبیرات مختلف ہیں، ان کا ملک اور تاریخی خلفیات ایک ہیں، مگر ان کی تشریحات بالکل جدا ہیں۔

شنید ہے کہ ہمارے بزرگوں کے زمانے میں کہا جاتا تھا کہ: تم اپنے بچوں کو برمیز نہ پڑھائیو! کیوں کہ ان کی نظر میں برمیز میڈیم میں پڑھنے والے طلبہ کھڑے کھڑے پیشاب کرتے تھے، یعنی ان کی معلومات کی حد تک یہ دین اور دین کے اصول وضوابط کی پابندی نہیں کرتے، لیکن اس حوالے سے ہم کہتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو زبانوں کے سلسلے میں کسی تنگ نظری اور تعصب کا قائل نہیں، اور

اس کی تعلیمات میں سے یہ بھی ایک تعلیم ہے کہ زبانوں کا اختلاف اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے، لیکن ہمارے یہاں برمیز پڑھنے والے طلبہ کے حوالے سے صرف اور صرف زبان کا معاملہ نہیں بلکہ برمیز میڈیم کی تعلیم ہمارے یہاں ایک مکمل تہذیبی (اور وہ بھی برمن اور مگھ جیسی وحشی اور اجڈ قوموں کی) کائنات کی حیثیت اختیار کر گئی ہے، جس کا اثر ہمارے مذہبی شعور پر مرتب ہوا ہے، بطور مثال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرزمین ارکان میں ہمارا مذہبی لٹریچر عربی اور کچھ فارسی یا اردو زبان میں ہے، اور برمیز زبان میں ہمارا مذہبی لٹریچر نہ ہونے کے برابر، جس کے مختلف اسباب اور وجوہات ہیں، سر دست اس موضوع پر گفتگو چھیڑی نہیں جا سکتی، اس پر مستزاد یہ کہ خاص طور پر ۱۹۶۲ء کے بعد سرزمین ارکان میں خصوصا دین و مذہب پر طرح طرح کی پابندیاں اور ملک میں کمیونزم اور شوسلزم کی روایات شروع ہونے کی وجہ سے ہمارے برمیز میڈیم میں پڑھنے والے طلبہ اور اسی نصاب کے ذریعے ساختہ پرداختہ حضرات کے ذہن میں دین بیزاری نہ کہہ سکوں تو کم سے کم علمائے دین سے نفرت کے جراثیم راہ پا چکے ہیں، الا ماشاء اللہ، اللہ تعالی نے جن کو سوچنے سمجھنے کے حوالے سے صحیح فکر کی توفیق دی وہ ان جراثیم سے نجات پا گئے۔

ظالموں نے ہمارے دین کے خلاف اور کچھ نہ کر سکا تو ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے بعض لوگوں میں علمائے دین سے نفرت کرنے کی بیج بو سکے۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ ان برمیز میڈیم میں پڑھنے والے طلبہ کے جن خاندان یا گھرانے میں مذہبی شعور پختہ نہیں، یا ان میں اسلامی لٹریچر یا اسلام کے دعاۃ و مرشدین اور مبلغین سے استفادے کا رجحان نہیں تو وہ اپنے مذہبی افکار و روایات سے کٹ کر رہ گیا ہے، بالفاظ دیگر وہ مذہب سے بے گانگی، بیزاری اور بے نیازی کا مرتکب ہو گیا ہے، پھر جو کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کی تربیت سے بھی محظوظ ہوا تو خدا اور خدا کے دین دشمنی کی راہ تلاش کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے، اور جہاں تک اندازہ کیا گیا ہے کہ وہ مذکورہ چیزیں ان میں نہ ہو بھی تو اس کے ذہن میں نام نہاد لبرم ازم یا سیکولر ازم کا غلبہ ہو گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ جس شخص کا مذہبی شعور زائل یا کم زور ہو جائے تو اس کی شخصیت کی سطحیت دیکھی جانے کی قابل ہو جاتی ہے، ہمارے یہاں بعض وجوہات کی بنیاد پر مسئلہ اور بھی زیادہ خطرناک اور گھمبیر ہو گیا ہے، مسلمانوں میں برمیز

دان طبقہ میں سے بعض لوگ بظاہر اپنی شخصیت اور بعض اعتبار سے اپنی آفاقیت پر بڑا نازاں ہوتے ہیں، اور تو اور بسا اوقات یہی لوگ اپنے علم و دانش کے زعم میں دین اور علمائے دین تک سے ٹھوس دینی معاملات میں پنگا لڑنے پر تل جاتے ہیں، اس حوالے سے طرح طرح کے دعوے کرنے لگتے ہیں، مگر ٹھوس علمی اعتبار سے ان کی ساری دنیا چند موٹے موٹے لفظوں اور جہان تخیلات میں کچھ باتوں کے بتنگڑ بنانے سے آگے کچھ بھی نہیں ہوتی، اور ان کی شخصیت اور آفاقیت کی حقیقت یہی ہے کہ وہ برمی تاریخ کے کچھ لوگوں، بے مہار پنڈتوں، بدھ بھکشوؤں اور برمی قائدوں کے نام سے واقف ضرور ہو جاتے اور انہیں انسانوں کے ہیرو تصور کرنے لگتے ہیں، مگر اسے بحیثیت ایک مسلمان ساری انسانی کائنات کے سب سے بڑے ہیرو رسول انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپ کے اصحاب باصفا کے تعامل و کردار کا ان کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ الامان والحفیظ۔

ادھر علمی، فکری اور کردار کے اعتبار سے دینی مدارس کے طلبہ اور فضلاء برمیز میڈیم کے طلبہ اور اسکول کالجوں کے ساختہ پرداختہ لوگوں کے عین ضد ہیں، یہ سچ ضرور ہے کہ ان حضرات کا مذہبی شعور کسی قدر پختہ ضرور ہوتا ہے، مگر اس شعور کے بھی چند نقائص ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہے کہ:

(۱) ان کا یہ مذہبی شعور مذہب کو ایک تخلیقی تجربہ بنانے کے بجائے خود اسے اوڑھ کر بیٹھ گیا ہے۔

(۲) اور اس کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس نے دین کو دنیا پر منطبق کرنے کے بجائے اسے دنیا سے الگ تھلگ کر کے رکھا ہے، اور تو اور دین کو ایک تہذیبی قوت بنانے کے بجائے اسے بس ایک فقہی حیثیت دے کر ایک قسم کے سکون کا سانس لے رہا ہے۔

(۳) پھر تیسرا اور ایک نقص یہ ہے کہ عصری علوم کے حاملین کا طبقہ جس کا اوپر تبصرہ کیا گیا ہے، جس طرح دینی طبقہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، تو عملا دینی طبقے کے دل میں بھی دانشوروں کے حوالے سے کم حقارت نہیں ہوتی، حالانکہ دینی طبقے کے ہر فرد کا مقام ایک ایک طبیب کی طرح ہے، طبیب کو مریض سے خواہ کتنی ہی شکایت کیوں نہ ہو، وہ اس سے لاتعلق ہو کے بیٹھ نہیں سکتا۔

اصولی اعتبار سے نظر ڈالی جائے تو مذہبی طبقے کی ذمے داری تھی کہ وہ برمیز میڈیم طبقے سے اس کی سطح اور اس کے مذاق کے مطابق بات کرتے اور کر سکتے، خواہ اس کے لئے ایک نیا علم الکلام ہی کیوں نہ

ایجاد کرنا پڑتا۔ برمیز میڈیم والے لوگ ہمارے ان علماء طبقے کو جو کچھ بھی کیوں نہ سمجھے، انہیں جیسی بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھے، انہیں جتنے بھی مسترد کیوں نہ کرے، مگر دینی طبقے کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ انہیں گم راہ، لبرل، مذہب دشمن اور سیکولر قرار دے کر نظروں سے گرادے، جوان کی حکمت، دانائی اور دعوتی نہج کا خلاف ہے۔

تجربہ سے ثابت ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے طلبہ کے مزاج میں آفاقیت نام کو بھی نہیں ہے، یہ طبقہ اپنے مسلک ومشرب اور مکتب کے کنویں میں مقید ہے، اوراسی کو ساری دنیا سمجھتا ہے، اس طبقے کا تہذیبی حس اور ثقافتی شعور شرمناک حد تک کم زور ہے، یہ تو ایک طرح کی جہالت ہے، مگر اپنی اس جہالت کو ختم کرنے کی کوشش کے بجائے اس پر بعض کو ناز کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، افسوس ہے کہ اس طبقے کو اپنی مکتب اور مسلک پرستی نے آفاقیت اور بین الاقوامیت سے مستفید ہونے نہیں دیا۔

بہر حال ہمای اس قوم کو دو نظام ہائے تعلیم نے فکری اور عملی میدان میں دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے، جس سے ایک جانب ہماری جیسی کم زور اور پس ماندہ قوم کی رہی سہی تخلیقی صلاحیتیں ضائع ہو گئیں اور ہو رہی ہیں تو دوسری جانب ہم اپنی قومی وحدت فکر سے محروم کھڑے ہیں، پھر تیسری جانب دو نظام ہائے تعلیم ہمارے مابین تعلق پیدا کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے لاتعلقی پیدا کرنے کے سبب بن گئے ہیں، ہم نے جس طرح اندازہ اور خیال کیا ہے اسی طرح ہمارے علماء اور دانشوروں سے گزارش ہے کہ اس ضروری پہلو پر اپنی اپنی نظریں مرکوز کریں۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق سے نوازے۔

تہذیب وثقافت: ارکان کے روہنگیا مسلمان ماضی میں درخشاں ثقافت اور تاباں تہذیب کی حامل ایک زندہ قوم تھی، دراصل بات ہی یہی ہے کہ سرزمین ارکان کو انہی مسلمانوں نے انسانی تہذیب وثقافت سے روشناس کرایا ہے، ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ یہاں کے بودھ باشندوں نے ان مسلمانوں کی خوشہ چینی کی تھی، آج بھی کہیں نہ کہیں ان باشندوں کی علمی، ادبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور خاندانی وخانگی زندگیوں میں روہنگیا مسلمانوں کی تہذیب وثقافت، ادب واطوار اور رسم ورواج کے اثرات پائے جاتے ہیں، چوں کہ ارکان کے یہ مسلمان ماضی میں ایک مہذب ومثقف قوم تھی، تو یہاں کے غیر مسلم روجگان اور ان کے شہزادوں اور شہزادیوں نے ان مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو اپنایا کرتا تھا، اور رو

ہنگیا مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کے متعلق روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا بیان ہے کہ:

> ''اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مروکو دور حکومت میں یہاں والوں کی ثقافتی اور تمدنی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو چکا تھا، یہاں سکون وطمانیت، امن وآشتی اور خوش حالی بحال ہو چکی تھی، یہاں اس دور میں ترقی کے نئے نئے دروازے کھل رہے تھے، زندگی کے تمام شعبہ جات میں اسلامی روشنی پڑی تھی، اور یہ سلسلہ اگلی تین صدیوں تک قائم رہا تھا، اس سلطنت میں مسلمان اور بودھ مت کے پیروکار بشمول ہندومت پر یقین رکھنے والے بڑے امن وسکون کی فضا میں زندگی گزار رہے تھے''۔(۱)

روہنگیا فدائی محاذ (RPF) نے بطور خاص اپنا لازوال اور گرانقدر رسالہ ''روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار'' میں اس حوالے سے کھل کر بات کی ہے، چنانچہ ایک دوسری جگہ پر اس تنظیم کا بیان بڑا معنی خیز اور بڑا قابل غور نظر آتا ہے کہ:

> ''ارکان میں باوجود یکہ دوسری قومیں اور نسلی گروہیں آباد ہیں، لیکن علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کا جہاں تک تعلق ہے، ان کی ترقی ونشوونما میں مسلمانوں کا ہاتھ ہے، روہنگیا مسلمان یہاں کی تمام قوموں اور نسلی گروہوں کے مقابلے میں نسبتا زیادہ مہذب ومثقف تھے، اوران کی یہی برتری اور فضیلت عرصۂ دراز تک مسلسل بحال تھی، مسلمانوں نے وقت وقت پر اپنے علوم وفنون کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر قسم کی زراعتی طریقوں کو رواج دے کر ملک کی شرح پیداوار میں اضافہ کیا تھا''۔(۲)

ارکان میں روہنگیا مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اوران کی دینی وایمانی اقدار کے خلاف کیا کچھ ہو رہا ہے اس حوالے سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا ایک بیان ملاحظہ ہو کہ:

---

(۱) روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار، از روہنگیا فدائین محاذ، ص: ۱۷۔

(۲) روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار، از روہنگیا فدائین محاذ، ص: ۴۰۔

''یہ ایک بدقسمتی کی المناک داستان ہے کہ آج یہاں کے مسلمان ایک طرح کے ثقافتی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، برمی متعصب حکومت اپنے نام نہاد ثقافتی پروگراموں کے تحت ملک بھر کی تمام اقلیات پر عموما اور روہنگیا مسلمانوں پر خصوصا ثقافتی دباؤ ڈالتی ہے، اوران کی قدیمی وتاریخی ثقافت کو ختم کر کے ان کو برمی ثقافت سے متصف کرنے اور نسلی گروہوں کو برمیانے کی کوشش کرتی ہے، آج کل یہاں مسلمانوں کی روشن ثقافت اور قدیمی روایات کو سرے سے مٹا کر مسلمانوں کی زندگی میں خالص برمی ثقافت کا رنگ چڑھایا جا رہا ہے، یہاں جو لوگ اپنی قدیمی ثقافت اور روایتی اقدار سے سرمو انحراف کر کے برمی ثقافت اختیار کر لیتے ہیں، سماج میں ان کی عام مقبولیت ہوجاتی ہے، بطور خاص دینی اور روحانی طبقہ کے لئے اپنی دینی اور اخلاقی اقدار کو بچانا بڑا مشکل ہو رہا ہے، اس لئے یہاں کے غیور اور دیندار طبقے اپنے دینی اور اخلاقی اقدار کو بچانے کی خاطر خاک وخون سے کھیلنے پر مجبور ہیں، روہنگیا مسلمانوں کو ان پر آنے والی منفی تیز وتند ہواؤں سے سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے، باوجودیکہ ان پر طاقت و سطوت کی زور سے شر پسند حکومت اپنی برمی ثقافت مسلط کرنا چاہتی ہے، مگر روہنگیا مسلمان اپنی اس جانکنی کی حالت میں بھی اپنی روشن اقدار اور تاباں ثقافت کو بچانے کے لئے سخت جنگ لڑ رہے ہیں، روہنگیا مسلمانوں کی ثقافت وادب کے متعلق حالیہ برمی فوجی حکام اپنے پچھلے پیش رووں کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ روہنگیا مسلمانوں کی یہ درخشاں تہذیب کسی غیر ملکی تہذیب کی مرہون منت ہے، اس لئے ان کی کوشش یہی رہی ہے کہ ان کی تہذیب وثقافت کو مٹا کر ان پر برمی ثقافت مسلط کر دیا جائے، ان کا اصلی ہدف یہ ہے کہ ملک کی تمام اقلیات پر عموما اور روہنگیا مسلمانوں پر خصوصا برمی ثقافت مسلط کر دیا جائے، فوجی حکام کا نعرہ یہ ہے کہ جو برمی روایات اور برمی ثقافت کو قبول کرتا ہے وہی برما کا شہری اور ملک کا فدائی ہے، اور جو قبول نہیں کرتا ہے وہ ملک کا دشمن، باغی اور غدار ہے۔''

اراکانی مسلمانوں کے معاشی حالات:

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی ملک کی زراعتی پیداوار کی بہتاب اس ملک کی دولت وثروت کی بین ثبوت ہوتی ہے، مسلم اکثریتی ارکان کے اس علاقے میں آب پاشی کے طبیعی وسائل موجود ہیں، یہاں کے دریاؤں کے ساتھ چھوٹی بڑی بے شمار نہریں کثرت سے بہتی ہیں، وقت پر موسمی بارش بھی خوب ہوا کرتی ہے، یہاں کی مٹی نرم وگداز ہونے کے ساتھ اس میں کافی نمی پائی جاتی ہے، اس لئے یہاں کی زمینیں نہایت زرخیز ہیں، یوں جنوبی مشرقی ایشیا کا یہ ملک پیداوار کے لئے بڑا مشہور تھا۔

چوں کہ یہاں کی زمین زراعت اور کاشتکاری کے لئے نہایت موزون تھی، یوں پیداوار کی کثرت کی خاطر بڑی تعداد میں مسلمان ملک کے چپے چپے پر بسے تھے، یہاں مسلمانوں کے ہاتھوں زراعت اور کاشتکاری کے ساتھ ساتھ تجارت کا بھی خاصا فروغ ہوا تھا، جس کے نتیجے میں نت نئی بندرگاہیں تعمیر ہوئیں، جن میں اکیاب، کیوکتو، ممبیا، بوسیدنگ اور منگڈو کی بندرگاہیں مشہور ہیں، علاوہ ازیں دریائے لیمرو کے ساحل میں قائم شدہ شہروں کی بھی خوب ترقی ہوئی تھی، برآمدات کی اجناس میں چاول کا نمبر سب سے آگے تھا، مغرب کے چند ملکوں اور جزائر ملایا کے علاوہ دیگر ریاستوں میں یہاں سے چاول برآمدات ہوتے تھے۔

یہاں کی اشیائے پیداوار میں قابل ذکر: چاول، ڈلی، گنا، ربڑ، دال، بادام، ناریل، پٹ سن، تمباکو، پیاز، لہسن، کپاس، سرسوں، رائے، چائے، مختلف قسم کے میوہ جات، ترکاری، سبزی، بانس وغیرہ یہاں کے جنگلات میں کثرت سے ہے، جن میں بہت سارے کارآمد درخت پائے جاتے ہیں، ہائیڈروجیکل وسائل اور معدنیات بھی یہاں موجود ہیں، سیندنگ کے آبشار کو اگر کام میں لگایا جائے تو ارکان سے کئی گنے بڑے علاقے کی بجلی کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے، معدنیات کی اگر تلاش کی جائے تو تیل، چاندی، سونا اور مقناطیسی دھات بھی بڑی کثرت سے مل سکتے ہیں، بطور خاص ارکان ایک زراعتی علاقہ ہے، اس کی زمینیں غیر معمولی زرخیز ہیں۔

اس بات میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ارکان کی زراعتی ترقی میں مسلمانوں کا بڑا حصہ رہا ہے، شروع ہی سے یہاں کے مسلمان زراعت وتجارت پیشہ ہیں، ماضی میں علم وہنر کے اعتبار سے

بھی وہ فائق تھے،فن زراعت میں اپنے علم وفن کو کو کام میں لگاتے ہوئے انہوں نے نئے نئے طریقے ایجاد کئے تھے اور ارکان میں ترقی تجارت اور اس کا فروغ ان ہی کے سبب سے ہوا تھا۔

لیکن آج کل ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات دگر گوں ہیں، یہاں کے مسلمان کسان مسلسل سازش کے شکار ہیں، ان کی زراعتی پیداوار کا دھان ان سے جبراوصول کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی مالی ومعاشی حالت ابتر سے ابتر ہو چکی ہے، یادر ہے کہ قدیم زمانے سے بے کار گھومنے پھرنے کی عادت روہنگیا کی نہ تھی اور نہ اب بھی ہے۔

روہانگ (قدیم ارکان) کی سلطنت میں غربت گویا عنقا تھی، عملا ارکان کی زراعتی ترقی اور فروغ روہنگیا مسلمانوں کی ذات سے وابستہ ہے، ان کے بغیر زراعتی ترقی ممکنات میں سے نہیں ہے، اسی طرح یہاں کی معاشی ترقی کے لئے بھی ان کا بھر پور تعاون بے حد ضروری ہے، جب تک ان کو فتنے فسادات میں مبتلا نہیں کیا گیا تھا، اس وقت تک ارکان کی زراعتی وتجارتی ترقی بے نظیر تھی، سارے علاقے میں امن وآمان قائم تھا، عوام خوش حالی میں زندگی بسر کر رہے تھے، انہیں کھانے پینے اور پہننے کے حوالے سے کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔

ارکانی مسلمانوں کے معاشی حالات کے متعلق روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے بیانات بہت خوب اور بڑے واضح ہیں، اس تنظیم کی طرف سے آفیشل طور پر شائع شدہ کتاب ’’روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار اور مطالبات‘‘ میں ذیل کی چیزیں درج ہیں کہ:

’’ارکان میں آج کل ہزاروں ایکڑ زمینیں روہنگیا کا شتکاروں کی عدم دلچسپی کے سبب سے غیر آباد پڑی ہوئی ہیں، خصوصا منگڈو، بوسیدنگ، اکیاب، مروہانگ، پکتو، ممبیا، کیوکتو وغیرہ علاقہ جات کا یہی حال ہے، سر سبز وشاداب کھیتوں کی جگہ اب خود روگھاس ہیں، جنوری ۱۹۴۸ء کی آزادی کے بعد سے روہنگیا قوم کو اپنے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے، برما بنگلا دیش سرحد عبور کر کے یہ لوگ بنگلا دیش آئے دن داخل ہوتے ہیں‘‘۔

پھر آگے لکھا گیا ہے کہ:

’’اب نئے انتظامیہ کے ماتحت علیحدہ انتخابات اور ملازمت میں مقررہ مقدار کے قوانین کو ردی کی ٹھوکری کا حوالہ کر دیا گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب ارکان اور برما مسلمان کہیں کے نہ رہے، ہر کجا دوسرے لوگوں (غیر مسلم) سے انتخابات میں مقابلہ ہوتو مسلمان ناکام ہو جاتے ہیں، اور جہاں مقابلے کا سرے سے انتظام نہیں کیا جاتا تو وہاں کامیابی اور ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، ایسے حالات میں روہنگیا مسلمانوں کے لئے ہجرت اور ترکِ وطن کے سوا کوئی راستہ کھلا نہیں رہا، صنعت وحرفت، زراعت وتجارت اور محنت ومزدوری تک کے لئے ان کی جگہ نہیں ہے، ایک منظّم طریقے سے انہیں روزگار کے ہر میدان سے محروم کیا جاتا ہے، ماضی میں یہاں کی معاشی سرگرمیوں میں مسلمانوں کا زبردست عمل دخل تھا، لیکن آج کل یہاں کے بچے کچھے مسلمان بے روزگاری کی وجہ سے سخت غربت کے شکار ہیں‘‘۔

کون نہیں جانتا ہے کہ ارکان دولت سے پھٹا پڑا ایک زرخیز علاقہ ہے، مگر روہنگیا مسلمانوں پر ناجائز طریقے سے لگائے گئے ٹیکس، لگان اور ان کی تجارت پر ڈاکہ زنی اور لوٹ مار، ان کے مال ومتاع، سکہ جات اور رقوم کی ہڑپ کے ذریعے یہاں کی معاشی اور اقتصادی فضا کو مکدر بنا دیا گیا ہے، جس کی تصویر کشی سے قلم قاصر ہے، یہاں کے مسلمان کسانوں، مچھیروں اور تاجروں پر غیر انسانی معاشی پابندی لگا دی گئی ہے، مسلمانوں کے لئے درآمدات وبرآمدات پر شدید پابندی لگائی جا چکی ہے، کسان جو اپنی محنت ومشقت کے ذریعے روزیاں حاصل کرتے ہیں، ان پر اچانک ڈاکہ ڈالا جاتا اور ان سے حاصل شدہ اموال برمی افواج دوسرے ملکوں کو اسمگل کر دیتی ہیں، علاوہ ازیں رہ رہ کر مسلمانوں کی فصلیں تباہ کر دی جاتی ہیں، تجارت نام نہاد قومی تحویل میں لی جاتی ہے، تمام دکانیں، مارکیٹ اور بنکوں پر قبضہ کر لیا جاتا ہے، رہ رہ کر جائدادیں بغیر معاوضہ کے قومیالی جاتی ہیں، کبھی کبھار مسلم علاقوں میں مصنوعی قحط اور گرانی کی ہوا چالو کی جاتی ہے، جس سے روزمرہ کی ضروری چیزوں کی قیمت آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں، اور جس کی وجہ سے سکہ جات کی قیمت بالکل گر جاتی ہے، کبھی کبھی ستم یہ ہوتا ہے کہ

ارکان کے دار الحکومت اکیاب سے صرف سو میلوں کے فاصلے پر واقع سرحدی شہر منگڈو کے مابین چیزوں کی قیمت ڈیڑھ سے تین گنے بڑھ جاتی ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کو حق ملکیت سے یک سر محروم کر کے انہیں اپنی زراعت، تجارت، مویشی، املاک اور جائدادیں اجڈ مگھوں اور غاصب برمیوں کو حوالے کرنے پر مجبو یا جاتا ہے، یہ برمی وحشی اور بربر ارکان میں آ کر روہنگیا مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں، جس کے نتیجے میں مسلمان اپنے وطن اور گھروں سے نکل کر آوارہ بادلوں کی شکل میں مسلسل ہجرت کر رہے ہیں۔

برمی افواج مسلمانوں کی بستیوں میں بلواہ کر کے ان کو بزور بازو پکڑ کر مشقت و محنت کے کیمپوں میں لے جاتی ہیں، پہلے تو ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں دو چار دن کے بیگار کے بعد چھوڑ دیا جائے گا، مگر عملا ہوتا یہی ہے کہ دو چار دن کی مدت بڑھ کر دو چار مہینے تک پہنچ جاتی ہے، نام نہاد بیگار کے نام سے یرغمال بنا کر مسلمانوں سے بزور طاقت محنت حاصل کی جاتی ہے، ستم یہ ہے کہ ان مسلمانوں کے ساتھ ڈھور ڈنگروں سے زیادہ بدترین سلوک کیا جاتا ہے، نہ انہیں علاج میسر ہوتا اور نہ خوراک، کپڑے اور کسی قسم کی راحت نصیب ہوتی، بلکہ اس دوران کے کھانے پینے کے سامان ان کے لئے گھر کے بچوں اور پردہ نشین خواتین کو پہنچانا ہوتا ہے، ویسے یہ لوگ کم زور اور ناتواں ہوتے ہوتے موت کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں، بسا اوقات ان لوگوں کو ان کی ناتوانی اور ضعیفی کی پاداش میں شہید کر دیا جاتا ہے، مسلمانوں سے نام نہاد بیگار لینا برمی افواج کی زندگی کا معمول بن چکا ہے، پھر یہاں ہونے والے شدید مظالم کے نتیجے میں کتنے روہنگیا مسلمان اب تک شہید ہو چکے ہیں ان کی نہ حد ہے اور نہ حساب، ادھر ستم در ستم یہ ہے کہ یو این ایس سی آر کے مشاریع فوجی حکام اپنے ہاتھ میں لے کر انہیں روہنگیا مسلمانوں کے جبری بیگار کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچایا جاتا ہے۔

فوجی حکمرانوں کی غیر متوازن معاشی پالیسی نے برما کو معاشی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، ماضی میں روہنگیا مسلمان معاشی اعتبار سے خوش حال تھے، مگر آج تباہ ہو کر رہ گئے ہیں، اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ عمومی طور پر ملک برما دیوالیہ ہوا ہی ہے، اس ضمن میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشی حالات صفر سے بھی نیچے گر گئے ہیں، میلوں اور کارخانوں سے خالی ایک ملک جس میں نہ گلہ بانی کی سہولت ہے اور نہ

صنعت وخرفت کی، مزید برآں حکمران طبقہ کی حیران کن بدعنوانیوں، مدتوں کی کساد بازاریوں اور عوام کی بے رازگاریوں کے نیچے دب کر روہنگیا مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن ہو چکی ہیں، ان کو غربت و افلاس اور بھوک و پیاس کی عفریت نے کنگال بنا کر نوچ کھا رہا ہے، ایک طرف معاشی واقتصادی بحران تو دوسری طرف ظلم وعدوان کی عفریت کے مسلسل دباؤ، اب یہاں کے مسلمان ایک مصیبت کی حالت میں بے بس سے بے بس تر ہو چکے ہیں، غربت وافلاس کی ایسی جانکنی کی حالت میں روہنگیا مسلمان اپنے ماضی اور حال کے آئینے میں اپنے مستقبل کی جھائیں تک دیکھنے سے قاصر ہیں۔



دوسراباب

محمد جعفر حبیب کا خاندانی پس منظر:

دور آخر کے سرزمین ارکان کے عظیم قائدِ محمد جعفر حبیبؒ کے خاندان کا جدامجد حضرت شاہ عبداللطیف حجازی رحمۃ اللہ علیہ تھے، اللہ تعالی نے حضرت کے مبارک خاندان میں بڑی برکت دی اور اس خاندان سے بڑے بڑے علماء، صلحاء، مصلحین، مرشدین، دانشوران، قائدینِ ملت وقوم اور دعاۃ پیدا ہوئے۔ حضرت حجازی کے خاندان کے سارے بزرگوں پر لکھا جائے تو کم سے کم ایک ضخیم جلد سامنے آسکتی ہے، ظاہر ہے کہ یہاں اتنی کی گنجائش نہیں ہے، تاہم موضوع کی مناسبت سے محمد جعفر حبیب کے اس تذکرے کے دوران چندوہ حضرات جو اس خاندان کے حوالے سے بڑے شہرت یافتہ ہیں، ان پر ہی قلم اٹھایا جاسکتا ہے، ویسے حضرت حجازی کے علی الرغم آپ کے خاندان میں بعد آنے والی بعض بزرگ ترین شخصیات پر اس لئے بھی قلم اٹھایا جائے گا کہ ناظرین کرام یہ دیکھ سکیں کہ محمد جعفر حبیب کے خاندان میں کتنے بڑے بڑے علماء، صلحاء، اولیائے کرام و درویشانِ عظام، شرفا اور قائدین ملت وقوم پیدا ہوئے تھے، جس یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت قائدِ حبیب جو اپنے زمانے میں پوری قوم کی ایک امید بن کر سامنے آئے تھے وہ کن شرفاء کی نسل سے تھے، علاوہ ازیں آپ کو اس پس منظر یا اس میزان میں بھی تولا جاسکے کہ قوم کے ایک صحیح معنی کے قائد و رہنماء کے لئے جو ضروری ہے کہ وہ ایک شریف زادہ ہو، کیوں کہ ہمارے یہاں یہ ایک بات مشہور ہے کہ ایک غیر شریف زادے سے اللہ تعالی دین وملت کے حوالے کوئی اچھا اور برگزیدہ کام نہیں لیتا ہے۔ اس لئے ہم اگلی سطور میں اس خاندان کے چند بڑے بڑوں کا بڑے محتاط انداز میں تذکرہ کریں گے، پھر ظاہر ہے کہ جن کے تذکرہ کریں گے ان کے علاوہ بھی بعض بزرگان دین موجود ہیں، جن کا تذکرہ ہماری دیگر تصانیف میں کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ:

حضرت قائد قوم محمد جعفر حبیب رحمۃ اللہ علیہ کی خاندانی روایت کے مطابق حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ کی پیدائش عرب کی سرزمین مقدس حجاز پاک میں ہوئی، نشو ونما اور دینی تعلیم بھی وہیں ہوئی، کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے خاندان یا گھرانے کو لے کر حجاز مقدس سے یمن آئے، پھر یہاں سے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کی نیت سے بذریعۂ بحری جہاز مشرقی بنگال کے معروف علاقہ چاٹگام پہنچے، اور جنوبی چاٹگام کی بستی بیولا فارہ میں چند سال سکونت پذیر رہے، کہتے ہیں کہ یہاں آپ نے تبلیغ دین کے ذریعے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو راہِ راست پر لایا تھا۔

پھر آپ نے تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کی نسبت سے چاٹگام سے ارکان جانے کا فیصلہ کیا، یوں تقریبا اپنے پورے خاندان کو لے کر شہر بوسیدنگ کے جنوب میں واقع علاقہ علی چنگ کی بستی کجافہ آئے، اس بستی کو آپ نے اپنی سابقہ سکونت بیولا فارہ کی یاد پر ''بیولا فارہ'' رکھا، آج بھی یہ بستی اسی نام سے معروف ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ ایک جلیل القدر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم المرتبت داعیٔ الی اللہ تھے، اور صاحب دل درویش اور صاحب کشف وکرامات بزرگ بھی، آپ نے بیولا فارہ میں سکونت پذیر ہو کے اس علاقے میں دعوتِ دین کے حوالے سے وہ کام سر انجام دیئے جو ایک عالم دین داعی اور خدارسیدہ بزرگ سے ہی ممکن ہے، آپ نے اس علاقے میں دعوتِ دین کے تہ بتہ اسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے بہت سارے مدرسے قائم کئے اور خانقاہی روایت کو فروغ دیتے ہوئے خانقاہی نظام کا جال پھیلا دیا تھا، جس کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کو دینی، روحانی، علمی، ثقافتی، تعلیمی اور تدریسی اعتبار سے بہت ہی فائدے پہنچے تھے، جن کے اثرات آج بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالی نے حضرت حجازی کی اولاد میں بڑی برکت دی، آپ کی اولاد میں آپ کی طرح بڑے بڑے علماء، صلحاء، خدارسیدہ درویشان، اولیاء اللہ، دعاۃ و مرشدین قوم اور خدامانِ وطن پیدا ہوئے، کہتے

ہیں کہ حضرت حجازی نے بھر پور عمر پائی تھی اور بیولا فارہ میں وفات پا کر اسی خاک میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت حجازی کے دو صاحب زادے تھے، ایک کا نام محسن علی جب کہ دوسرے کا نام صمد علی تھا۔

محسن علی مرحوم اور ان کی اولاد واخفاد:

خاندانی روایت کے مطابق حضرت محسن علی بڑے درجہ کے درویش اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنے بزرگ والد حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ سے دینی تعلیم کے علاوہ سلوک وطریقت کی منازل بھی طے کی تھی، بہر حال جو کچھ بھی ہو لیکن یہ بات طے ہے کہ حضرت محسن علی نے اپنے والد بزرگوار کی طرح اس علاقے میں دین وملت اور قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، آپ نے مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے علاوہ علماء وصلحاء اور عام مسلمانوں کی خدمات انجام دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، آپ نے اپنے والد کی طرح بھر پور عمر پائی اور بیولا فارہ میں وفات پا کر یہاں کی قبرستان میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت محسن علی کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام غلام علی جب کہ دوسرے کا نام کرم علی تھا۔

☆ غلام علی صاحب مرحوم: غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی ایک بڑے پائے کے عالم دین تھے اور ساتھ ساتھ ایک داعیٔ الی اللہ بھی، جن کی اولاد میں صرف ایک بیٹا معروف ہے، جس کا نام علیم الدین تھا، اور اسی علیم الدین کی اولاد درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالباری معروف بہ بڑے مولوی صاحب، جن کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ اگلی سطور میں آئے گا۔

۲۔ جناب عبدالعزیز مرحوم، ان کی اولاد میں حضرت مولانا مفضل احمد صاحبؒ ایک جلیل القدر اور ناقابل فراموش عالم دین گزرے ہیں، ان کا تذکرہ بھی خدا کرے تو اگلی سطور میں آئے گا۔

۳۔ عبدالرشید مرحوم۔

۴۔ عبدالخالق مرحوم۔

۵۔ عبدالرؤف مرحوم۔

۶۔ میمونہ خاتون مرحومہ: یہی میمونہ خاتون بنت علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی سندی فرانگ والے عظیم و نامور شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبیداللہ صاحب سندی فرانگیؒ کی اہلیہ تھی، یوں شاہ صاحب کا تذکرہ بھی اس خاندانِ رشید کے نامور داماد ہونے کے ناطے اگلی سطور میں آئے گا، اگر چاہے خدا کرے۔

۷۔ ہمیرہ خاتون مرحومہ۔

۸۔ رمیزہ خاتون مرحومہ۔

۹۔ فیڑان خاتون مرحومہ۔

☆ کرم علی صاحب مرحوم: کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کا جہاں تک پتہ چلا کہ آپ ضابطے کے عالم دین تو نہ تھے، لیکن علماء وصلحاء سے خاصی شفقت اور لگاؤ رکھنے والے بزرگ تھے، ساتھ ہی ساتھ بڑے صاحب ثروت و دولت انسان بھی، آپ نے اپنی دولت وثروت کو علم دین اور علماء وصلحاء کے لئے صرف کیا تھا، کہتے ہیں کہ آپ بڑے سخی اور فراغ دل انسان تھے، آپ کی اولاد درج ذیل ہیں:

۱۔ انور علی مرحوم: انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی بڑے زمیندار اور علماء وصلحاء دوست بزرگ تھے، جو حضرت محمد جعفر حبیب کے پردادا ہیں۔

۲۔ مشرف علی مرحوم۔

۳۔ عالیہ خاتون مرحومہ۔

۴۔ لطیفہ خاتون مرحومہ۔

انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی اولاد یہ ہیں:

۱۔ ابوالحسین مرحوم۔

۲۔ ابوالبشر مرحوم۔

۳۔ ابوالفضل مرحوم۔

۴۔ ابوالخیر مرحوم: بڑے زمیندار اور صاحب اقتدار جناب ابوالخیر مرحوم حضرت محمد جعفر حبیب کا دادا

جان ہیں، جوعلاقے میں ''ابوالخیر بلی'' کے نام سے معروف اور مشہور تھے۔

۵۔ میمونہ خاتون: یہ خاتون حضرت مولانا شاہ حافظ مخلص الرحمٰن کجافوی علی چنگی بوسیدنگی کی اہلیہ ہے، حضرت حافظ صاحب کا اجمالی تذکرہ اگلی سطور میں ان تحریروں کی زینت بنے گا، اور یاد رہے کہ حضرت کا تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالباری معرف بہ بڑے مولوی صاحب کے تذکرہ کی طرح اس علاقے کے دین وملت کے حوالے سے نہایت ضروری اور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

مشرف علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی بھی اس خاندان کے ایک صاحب ثروت واقتدار بزرگ تھے، علماء وصلحاء سے نہایت محبت وشفقت رکھتے تھے، اور طالبان علوم دین کے خاصے معاون بھی، ان کی اولاد یہ ہیں:

۱۔ عبدالسلام مرحوم معروف بہ لتایار باپ۔

۲۔ ٹھنڈا میاں مرحوم۔

۳۔ باسا میاں مرحوم۔

۴۔ عابدہ خاتون مرحومہ۔

۵۔ گلزار خاتون مرحومہ۔

۶۔ گل مہر مرحومہ۔

۷۔گل سحر مرحومہ۔

مرحوم عبدالسلام بن مشرف علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کے چار بیٹے تھے:

۱۔ محمد امین مرحوم۔

۲۔ حبیب الرحمٰن مرحوم۔

۳۔ شفیع الرحمٰن مرحوم۔

۴۔ ابوطیب مرحوم۔

پھر محمد امین بن عبدالسلام بن مشرف علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کے پانچ بیٹے تھے:

۱۔ عبدالغفار مرحوم: یہ اپنے زمانے میں بوسیدنگ شہر کے پوسٹ مین تھے۔

۲۔ ابوالفیاض مرحوم۔

۳۔ محمد الیاس مرحوم۔

۴۔ محمد ناصر الدین مرحوم۔

۵۔ لالو میاں مرحوم۔

ابوالخیر (بلی) صاحب مرحوم:

ابوالخیر بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی صاحب اپنے زمانے میں بہت بڑے مالدار، زمیندار اور با اثر ورسوخ انسان تھے، جو حضرت محمد جعفر حبیب کے دادا ہیں، یہاں کے حالات پر عبور رکھنے والے جانتے ہیں کہ علی چنگ کی بستی کجافہ (بیولا فارہ) میں صدیوں پرانا ایک بازار تھا (یاد رہے کہ یہ بازار شہر بوسیدنگ کے بسنے سے پہلے بڑا بارونق تھا، جو درمیان میں اگرچہ ختم ہوگیا تھا لیکن آج کل شنید ہے کہ اسے دوبارہ بسایا گیا ہے) اس کی دیکھ بال کے علاوہ اس کے محاصل اپنے زمانے میں ابوالخیر صاحب اٹھایا کرتے تھے، جن کی اولاد یہ ہیں:

۱۔ اشرف الزمان چوہدری صاحب مرحوم: یہ صاحب حضرت محمد جعفر حبیب کا تایا اور سسر ہیں، جن کا اجمالی تذکرہ اگلی سطور میں آئے گا۔

۲۔ حبیب الزمان چوہدری صاحب مرحوم: یہ حضرت قائد محمد جعفر حبیب کے والد بزرگوار ہیں، ان کا بھی اجمالی تذکرہ اگلی سطور میں نظر آئے گا:

۳۔ سعید الزمان مرحوم۔

۴۔ محمد زمان مرحوم۔

۵۔ شفیع الزمان مرحوم۔

۶۔ بدیع الزمان مرحوم۔

۷۔ دودو میاں مرحوم۔

۸۔ کلثومہ خاتون مرحومہ۔

۹۔ سکینہ خاتون مرحومہ۔

۱۰۔ الماس خاتون مرحومہ۔

۱۱۔ پردہ خاتون مرحومہ۔

۱۲۔ زرینہ خاتون مرحومہ۔

۱۳۔ کلیہ خاتون مرحومہ۔

(الف) مرحوم اشرف الزمان جوظاہر ہے کہ مرحوم ابوالخیر (بلی) صاحب کے بڑے بیٹے اور حضرت محمد جعفر حبیب کا تایا اور سسر ہیں، جن کی اولاد یہ ہیں:

۱۔ ابوسفیان مرحوم۔

۲۔ سراج الحق مرحوم۔

۳۔ زھیر الدین مرحوم۔

۴۔ دل فیروز مرحومہ۔

۵۔ من پیارہ مرحومہ۔

۶۔ اثمیدہ بیگم مرحومہ۔

۷۔ خورشیدہ بیگم مرحومہ: یہ حضرت قائد محمد جعفر حبیب کی تایازاد بہن اور آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں، جن کا تذکرہ انشاء اللہ اگلی سطور میں اجمالا ہی سہی ضرور آئے گا، یہ اس لئے بھی ہے کہ مرحومہ ایک طرف حضرت قائد کی اہلیہ ہیں تو دوسری طرف تحریک آزادی کے حوالے سے ان کی نا قابل فراموش بڑی بڑی خدمات ہونے کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ ان کا تذکرہ کیا جائے۔

(ب) حبیب الزمان چوہدری صاحب مرحوم: یہ حضرت محمد جعفر حبیب کے والد بزرگوار ہیں، جن کی اولاد یہ ہیں:

۱۔ گلہاروز: حضرت قائد محمد جعفر حبیب کی یہ بڑی بہن کرنل رشید احمد صاحب شہید فوئمالوی کی اہلیہ محترمہ ہیں، جنہوں نے اپنے لائق خاوند کے ساتھ جہاد کرتے کرتے ۱۹۵۳ء میں فوئمالی کی جانبِ مشرق میں واقع پہاڑی میں شہادت حاصل کی، کرنل صاحب کا تذکرہ بھی اگلی سطور میں آئے گا، اگر چاہے خدا کرے۔

۲۔ ابوعبیدہ مرحوم۔

۳۔ محمد جعفر حبیب (جن کا تذکرہ یہاں ہمارا مقصد ہے)

۴۔ عارف احمد مرحوم۔

۵۔ انعام الحق صاحب۔

۶۔ زاہد حسین صاحب۔

۷۔ ابوالقاسم صاحب۔

۸۔ آمنہ خاتون۔

۹۔ ہمایون کبیر مرحوم۔

۱۰۔ خالدہ بیگم۔

۱۱۔ محمد انور صاحب۔ وطن میں ہیں، مارشل آرٹ کے ماہر ہیں۔

۱۲۔ محمد سلیم شہید: ماشل آرٹ کے ماہر اور قوم کے بڑے خادم تھے، ان پر مگھ خبیثوں نے رات کی اندھیری میں گھات لگا کر حملہ کیا اور ان بزدلوں سے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمایا۔

۱۴۔ ظہورہ خاتون۔

۱۵۔ حسینہ بیگم۔

۱۶۔ مولوی محمد رفیق صاحب: ظاہر ہے کہ یہ ایک عالم دین ہیں، عمر کے لحاظ سے میرے چھوٹے مگر ساتھ پڑھتے تھے، پڑھائی کے حوالے سے ۱۹۸۴ء کے دوران میرے ساتھ بنگلا دیش بھی آئے، کچھ دن دارا لمعارف الاسلامیہ چاٹگام کے طالب علم رہے، حضرت قائد کو ان سے بڑی امید تھی، ہزار سمجھانے کے باوجود نہ جانے کیوں بعد میں وطن چلے گئے تھے، اندرون وطن میں قوم کی خاطر جیل میں سات سال گزارے، شنید ہے کہ آج کل برمی سرحد کے اس پار چین میں مقیم ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے۔

صمد علی منشی مرحوم اوران کی اولاد:

کہتے ہیں کہ صمد علی صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ سے دینی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے علاقے کے ایک عالم سے فارسی بھی پڑھے، کہتے ہیں کہ آپ فارسی کے انشاء پرداز تھے، یوں آپ کے نام کے ساتھ لفظ ''منشی'' چسپاں ہو گیا، اور مشہور روایت کے مطابق آپ بڑے زمیندار اور علماء وصلحاء سے نسبت رکھنے والے بزرگ تھے، آپ نے بھر پور زندگی گزاری، انتقال پر خاک وطن میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی اولاد یہ ہیں:

۱۔ امداد حسین مرحوم۔
۲۔ جلال احمد مرحوم۔
۳۔ کریم داد مرحوم۔
۴۔ عبدالعظیم مرحوم۔
۵۔ اللہ داد مرحوم۔
۶۔ مالک داد مرحوم۔
۷۔ فجر علی مرحوم۔
۸۔ جلیل داد مرحوم۔
۹۔ رحمۃ النساء مرحومہ۔
۱۰۔ زبیدہ خاتون مرحومہ۔
۱۱۔ آمنہ خاتون مرحومہ: شنید ہے کہ آمنہ خاتون صاحبہ نہایت پاکیزہ صفات کی خاتون تھیں، جو دور آخر میں بانئ تحریک آزادی حضرت مولانا محمد جعفر حسین قوال شہید کی دادی ہیں، یعنی حضرت کے والد بزرگوار حضرت مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدۂ مرحومہ۔ یہاں ایک بات یقینی طور پر یاد رہے کہ حضرت شہید کا تعلق دادی اور نانی کی جانب سے اس خاندان عز وشرف سے ہے، شہید کا تذکرہ اگلی سطور میں میری ان معروضات کی زینت بنے گا، انشاء اللہ تعالی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالباری بیولا فارویؒ:

دور آخر میں سرزمین ارکان کے ایک عظیم المرتبت شیخ طریقت حضرت شاہ مولانا عبدالباری بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش قصبۂ علی چنگ کی بستی بیولا فارہ (کجافہ) میں ہوئی، ظاہر ہے کہ آپ حجازی النسب بزرگ تھے، آپ حضرت قائد محمد جعفر حبیب کے دادا مرحوم ابوالخیر (بلی) کے چچازاد بھائی تھے، اس نسبت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت قائد کے دادا تھے۔

اللہ تعالی نے اس حجازی النسب عالم دین اور پیر طریقت کی اولاد میں بڑی برکت دی، چنانچہ آپ کی نسل سے بڑے بڑے علماء، فضلاء، دعاۃ ومرشدین اور خدامان قوم وملت اور مجاہدین اسلام پیدا ہوئے، جن میں بانئ تحریک آزادی حضرت جعفر حسین قوال کے علاوہ مولانا قاضی عبدالہادی اور مولانا مفضل احمد صاحب نا قابل فراموش اور نامور بزرگ تھے۔

حضرت مولانا عبدالباریؒ نے ابتدائی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے پاکر اعلی دینی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں چند سال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

دوران تعلیم آپ نے بنگال کے ایک مرشد کامل (ایک روایت کے مطابق حضرت مولانا الحاج شاہ حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ) کے ہاتھ پر بیعت کی اور طویل ریاضت ومجاہدہ کے بعد آپ خرقۂ خلافت سے نوازے گئے، اس کے بعد آپ وطن واپس آ گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ وطن آئے ایک طرف بڑے عالم دین اور دوسری طرف پیر طریقت ہو کے، اس لئے یہاں آپ کی شروع ہی سے بڑی پذیرائی ہوئی تھی، یہاں آتے ہی آپ نے اپنی آبائی بستی میں ایک مدرسہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی، آپ طلبہ کو ایک طرف علم دین کا درس دیتے تو دوسری طرف اس خانقاہ میں بیٹھ کر عام لوگوں کو رشد وہدایت کی تلقین کیا کرتے تھے، یوں آپ کی مسلسل خدمات جلیلہ اور پیہم مساعئ جمیلہ سے پورے علاقے علم وعرفان کی روشنی اور ضیاپاشی سے منور اور تاباں ہو گئے تھے۔

ظاہر ہے کہ آپ ایک مرشد کامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے پایہ کے عالم دین بھی تھے، یوں علاقے کے عام خاص آپ کو ''بڑے مولوی صاحب'' کے لقب سے یاد کرتے تھے، درس وتدریس اور رشد وہدایت اور تبلیغ وتلقین کے علاوہ عام حالت میں آپ فقہ وفتاوی سے بھی دل چسپی رکھتے تھے، مگر

کہتے ہیں کہ یہ حالت آپ کی زندگی کے آخری ایام تک برقرار نہیں رہ سکی تھی۔

آپ پر شاید زندگی کے آخری ایام میں ہو کہ جذب و مستی کی حالت طاری ہو جاتی تھی، تو ظاہر ہے کہ جذب و مستی کی حالت میں زندگی کے عام معمولات میں تبدیلی آ جاتی تھی۔

آپ سماع و مزامیر سے شدید متنفر تھے، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پابند تھے، خدمت خلق آپ کی زندگی کا شیوہ بن چکی تھی، بڑے بردبار، نیک صورت و سیرت اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، آپ نے اپنی بستی میں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے، آپ کا مزار اب بھی زیارت گہ خاص و عام ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی نرینہ کوئی اولاد نہ تھی، صرف دو صاحب زادیاں تھیں، ان میں سے ایک کا نام لطیفہ خاتون جب کہ دوسری کا نام خیر النساء تھا۔

حضرت کی صاحب زادی لطیفہ خاتون بانی تحریک آزادی حضرت جعفر حسین قوال کی نانی تھی، جن کی اولاد یہ ہیں:

☆ مولوی فروخ احمد صاحب مرحوم، ان کا تذکرہ اگلی سطور میں آئے گا۔

☆ مولوی دبیر احمد صاحب مرحوم، ان کا تذکرہ بھی اگلی سطور میں آئے گا۔

☆ مولوی محمد صاحب مرحوم، ان کا تذکرہ بھی اگلی سطور میں آئے گا۔

☆بنوشاہ خاتون مرحومہ: یہ بانی تحریک آزادی حضرت جعفر حسین قوال کی والدہ ہے۔

☆ دل نواز خاتون: یہ منشی نظام الدین اور انجینئر محمد رفیع القدر منشی فاروی بوسیدنگی کی والدہ ہے۔

حضرت مولانا عبدلباری کی دوسری صاحب زادی خیر النساء کی اولاد یہ ہیں:

☆ فیروز احمد صاحب مرحوم۔

☆ اظہار میاں صا مرحوم۔

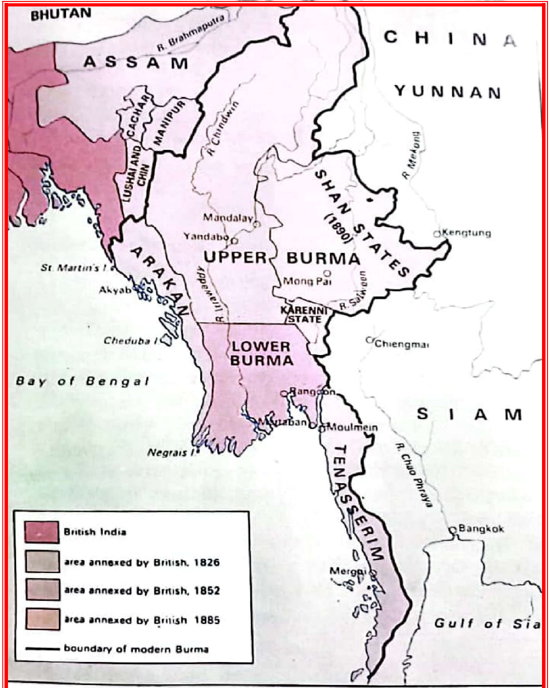
☆ قدوس احمد صاحب مرحوم۔

☆ میر احمد صاحب مرحوم۔

☆دل آویز خاتون مرحومہ۔

☆ثقیلہ خاتون مرحومہ: یہ حضرت مولانا قاضی عبدالہادی صاحب لمبابیلی بوسیدنگی کی والدہ ہے، قاضی صاحب کا تذکرہ بھی ان معروضات کی زینت بنے گا، انشاءاللہ۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالباری صاحبؒ جس طرح بانی تحریک آزادی حضرت مولانا جعفر حسین قوال کے پرنانا تھے تو اسی طرح پچھلی سطور میں جیسی عرض کی جا چکی ہے کہ حضرت قائد محمد جعفر حبیب کے دادا بھی تھے۔ ویسے یہ دونوں قائدین آپس میں قریبی رشتے دار ہیں۔



A map showing boundaries of Arakan under Britis occupation.

حضرت شاہ حافظ مخلص الرحمٰن بیولا فاروی ؒ :

حضرت مولانا حافظ مخلص الرحمٰن صاحب قصبۂ علی چنگ بوسیدنگ کی معروف اور مردم خیز بستی کجافہ (بیولا فارہ) میں پیدا ہوئے، آپ کی ابتدائی تعلیم خاندان کے بزرگوں کے ہاتھوں میں ہوئی تھی اور آپ نے خاندان ہی کے ایک جیّد حافظ قرآن کے سامنے زانوئے تلمیذ خم کرکے قرآن کریم کا مکمل حفظ کیا تھا۔
اس کے بعد اعلی دینی تعلیم کے حصول کے لئے بنگال کا سفر کیا اور خاندانی بزرگوں کی روایت کے مطابق ڈھاکے کے آس پاس کی کسی دینی درس گاہ سے سند فراغت حاصل کرکے سیدھے وطن واپس گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ بنگال میں دوران تعلیم آپ کا ذہن تصوف کی طرف مائل ہوگیا تھا، مگر ایک طرف پڑھائی تو دوسری طرف کسی مرشد پر دل جمعی نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے ہاتھوں پر بیعت نہ ہوسکی تھی، یوں آپ سیدھے وطن لوٹ آئے تھے۔

وطن میں چند مہینے گزار کر پھر آپ ایک مرشد کامل کی تلاش کو نکلے، چاٹگام اور بنگال کے دوسرے علاقوں میں اس وقت پائے جانے والے چند بزرگوں کی خانقاہوں میں گئے، اس سلسلے میں خانقاہ مہیش بھنڈار بھی گئے تھے، لیکن یہاں اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے یہاں سے راہ فرار اختیار کی، اس کے بعد آپ ڈھاکے گئے اور وہاں اللہ تعالی کے ایک برگزیدہ بزرگ ہستی کے مبارک ہاتھ میں بیعت کی اور سالوں کی ریاضت ومجاہدہ کے بعد آپ کو خلافت ملی تھی

مجاز بیعت ہونے کے بعد آپ سیدھے وطن واپس آئے، اور شادی کی سنت بجالائی، حضرت کی اہلیہ محترمہ میمونہ خاتون بنت انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ لطیف حجازی کے حوالے سے کچھ ضروری باتیں یہاں تحریر کی جارہی ہیں۔

محترمہ مرحومہ اوران کے خاندان اور خاندانی بزرگوں کے متعلق بہت ساری باتیں ہیں، مگر یہاں طوالت کے خوف سے ساری باتیں نہیں لائی جائیں گی۔

میمونہ خاتون بنت انور علی خود ایک صاحب علم خاتون تھیں، انور علی کی پانچ اولاد تھیں:

☆ ابوالحسین۔

☆ ابوالبشر۔

☆ ابوالفضل۔

☆ ابوالخیر۔

☆ میمونہ خاتون۔

مرحوم ابوالخیر (معروف بہ ابوالخیر بلی) نامی شخص یہ حضرت محمد جعفر حبیب ؒ صدر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا دادا مرحوم تھے، یوں میمونہ خاتون حضرت قائد محمد جعفر حبیب کی حقیقی پھوپی تھیں، جن کا نکاح حضرت حافظ مولانا مخلص الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا، یوں حضرت حافظ صاحب قائد حبیب کے حقیقی پھوپا تھے۔

مرحومہ میمونہ خاتون کے چچازاد بھائیوں میں وقت کے ایک عظیم المرتبت عالم دین، درویش اور پیر کامل گزرے ہیں، جن کا نام گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالباری (معروف بہ بڑے مولوی صاحب) بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ لطیف حجازی ؒ تھا، حضرت بڑے مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ایک الگ عنوان کے تحت اس حقیر کاوش کی زینت بنا ہے۔

مولانا عبدالباری بن علیم الدین رحمۃ اللہ علیہ بانی تحریک آزادیٔ ارکان حضرت جعفر حسین قوّال رحمۃ اللہ علیہ کے پرنانا تھے، سلسلے اس طرح ہے کہ: جعفر حسین بن بنوشاہ خاتون بنت لطیفہ خاتون بنت مولانا شاہ عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ۔ لطیفہ خاتون جعفر حسین قوال کی حقیقی نانی تھیں، جن کی پانچ اولاد تھیں :

☆ مولوی فروخ احمد

☆ مولوی ذبیر احمد۔

☆ مولوی محمد۔

☆ بنوشاہ خاتون (والدۂ مرحومہ حضرت جعفر حسین قوال ؒ)

☆ دل نواز خاتون۔

مولانا شاہ عبدالباری کے حقیقی بھتیجوں میں اور ایک بڑے جلیل القدر عالم دین گزرے، وہ تھے حضرت مولانا قاضی عبدالہادی بن خیر النساء بنت حضرت مولانا شاہ عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اپنے وقت میں اس علاقے کے بڑے علماء میں شمار تھے، قاضی تھے، تفسیر، حدیث، کلام اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کی زندگی پر راقم کا ایک مقالہ ہے۔ انشاء اللہ اگلی سطور میں آئے گا۔

میمونہ خاتون کی چچازاد بہنوں میں ایک بزرگ خاتون تھیں، جن کا نام بھی میمونہ خاتون تھا، سلسلہ اس

طرح ہے کہ: میمونہ خاتون بنت علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ لطیف حجازی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ میمونہ خاتون حضرت مولانا شاہ عبدالباریؒ کی حقیقی چھوٹی بہن تھیں، جن کی شادی سندی فرانگ بوسیدنگ کے معروف بزرگ حضرت مولانا شاہ عبیداللہ سندھی فرانگی سے ہوئی، شاہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ کے جنوبی بغل میں مرجع خاص وعام ہے۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ حضرت مولانا عبدالباری اور مولانا عبیداللہ صاحب رحمہم اللہ حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کے اجل خلفاء میں سے تھے، اسی طرح حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی گودام فاروی بھی، اسی علاقے میں حضرت حافظ اعظم گڑھی کے اور بھی خلفاء تھے، جن کا تفصیلی تذکرہ ایک علیحدہ موضوع کا حامل ہے۔

میمونہ خاتون بنت انور علی (اہلیہ حضرت مولانا حافظ مخلص الرحمٰنؒ کے بھتیجوں میں اور ایک بلند پایہ کے عالم دین گزرے ہیں، جن کا نام حضرت مولانا مفضل احمد بن عبدالعزیز بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ لطیف حجازی ہے، مولانا مفضل احمد صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے فارغ التحصیل تھے، بہت بڑے فاضل، مفسر، محدث اور فقیہ تھے، ان کا شمار علاقے میں اپنے وقت کے سب سے بڑے فقہاء میں تھا، مولانا نے علاقے کے بڑے زمیندار ابوالباصر چوہدری تمنگ چنگی کی بیٹی سے شادی کی اور اپنے سسر اور علاقے کے عام مسلمانوں اور علماء کے تعاون سے مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ بوسیدنگ کی بنیاد رکھی، اور وہیں پڑھاتے رہے تھے۔

یہاں اتنی لمبی چوڑی داستان سرائی سے میرا ایک مدّعا یہ ہے کہ حضرت مولانا حافظ مخلص الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ کا رشتہ جس برگزیدہ خاندان سے تھا، اس میں جیسا کہ عرض کی گئی ہے کہ بڑے بڑے مفکرین، قائدین، دانشوران اور زعماء کے علی الرغم بہت بڑے بڑے علماء اور طریقت کے حوالے سے عظیم سے عظیم ترین بزرگان دین موجود تھے اور راقم سطور نے اس خاندان کے چنداں بزرگوں کو دیکھا، جن کے سامنے حضرت حافظ صاحب کی زندگی تھی، جن میں حضرت قائد محمد جعفر حبیب کے والد مرحوم حبیب الزمان چوہدری ناقابل فراموش ہیں۔

یاد رہے کہ میرے نانا مرحوم مفضل احمد صاحب اور محمد جعفر حبیب صدر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے والد مرحوم چوہدری حبیب الزمان آپس میں حقیقی خالہ زاد بھائی تھے، یوں قائد مرحوم راقم السطور کی

والدہ کا چچازاد بھائی تھے، ویسے ہی اس خاندان کی خاندانی روایات راقم کے پاس زیادہ سے زیادہ میسّر ہوئیں۔ مگر کسی بھی بزرگ کے بیان سے اس بات کا پتہ نہ چلا کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی تعلق ''خانقاہ مہیش بھنڈار'' سے تھا، بلکہ اس کے برعکس سارے کے سارے بزرگون کا بیان ہے کہ حافظ صاحب کی زندگی میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت کا تعلق فرقۂ مہیش بھنڈار سے رہا ہو، اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ خاندان میں وقت کے جلیل القدر علماء، صلحاء، درویش اور فقہاء تھے، لیکن کسی کی زبان سے یہ شکایت نہیں سنی تھی کہ حضرت حافظ صاحب کے عقائد واعمال میں مشتبہ چیزیں بھی تھیں، اور جہاں تک دیکھا گیا کہ حضرت کے اعمال وافعال سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھے، بس آپ اہل السنّت والجماعت اور سلف صالحین کے نمونہ تھے۔

بہرحال بات اتنی ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ ایک مرشد کامل کی تلاش میں ''مہیش بھنڈار'' گئے ضرور تھے، باجویکہ اس وقت پیر مہیش بھنڈار کا بڑا دھوم تھا، مگر حضرت حافظ صاحب کو یہاں قلبی سکون واطمینان بالکل نہیں ہو پایا تھا، ویسے جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ حضرت یہاں سے نکلے اور ڈھاکے کے آس پاس کسی اہل اللہ کے ہاتھ میں بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہو کر وطن واپس آئے تھے۔

اس سلسلے میں چلتے چلتے اور ایک بات بتا دیتا ہوں کہ راقم سطور کے حقیقی نانا جان مرحوم مفضل احمد صاحب باغگونوی ابتداء میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے تھے، جنہوں نے حضرت کے انتقال کے بعد اس وقت کے نامور عالم دین شیخ طریقت حضرت العلامہ مولانا شاہ عبدالسلام ارکانی گودام فاردی (خلیفہ اجل ومجازِ بیعت حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ) کی طرف رجوع کیا تھا۔ راقم سطور نے حضرت مولانا حافظ مخلص الرحمٰن کے متعلق اپنے نانا جان سے بہت ساری باتیں سنیں، کہتے تھے کہ: حضرت حافظ مخلص الرحمٰن صاحبؒ حافظ قرآن، عالم دین، صاحب کشف وکرامات مرشد کامل تھے، حضرت کی کرامات تو نانا جان سے بہت ساری سنیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ نانا جان نے بتایا کہ:

> ''ایک دن کا واقعہ تھا کہ میں کھیت میں کام کر رہا تھا، دوپہر کا وقت تھا، چلچلاتی دھوپ تھی، کھیت ندی کے پار تھی، اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت حافظ صاحب ندی کے اس پار سے ہماری طرف آرہے ہیں، ندی پانی سے لبالب تھی، جب کہ ندی میں کوئی پل

اور کشتی بھی نہ تھی، میں سوچ میں تھا کہ حضرت ندی کیسے پار کریں گے؟ ادھر میں اپنی سوچ میں تھا ادھر حافظ صاحب کو دیکھا کہ ندی کے اس پار نکل کے میرے قریب آبیٹھے، حضرت کے لباس میں پانی کا ایک بوند بھی نہ تھا، میں حیران اور میری زبان گنگ تھی، وہ اس لئے کہ حضرت ندی کے اس پار تو آ نکلے مگر لباس بالکل سوکھا تھا، گویا انہوں نے ندی پار ہی نہیں کیا ہو، حضرت میرے سامنے پاؤں پھیلائے بیٹھے اور فرمایا: مفضل احمد میرے پاؤں میں کچھ درد ہے، تھوڑے دبا تو دو! میں نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی، حضرت نے بڑی ہی دعائیں دیں "۔

جس وقت نانا جان مجھے یہ قصہ سنا رہے تھے، میں نے دیکھا کہ ان کے جسم میں وجد کا سماں تھا اور آنکھیں پرنم تھیں، نانا جان کی طرح میں نے یہاں کے بزرگوں سے حضرت کی کرامات اور کشف کے حوالے سے بہت ساری باتیں سنیں، ان بزرگوں کی روایات سے جہاں تک اندازہ ہوا کہ حضرت پر کبھی کبھار جذب و مستی کی حالت بھی طاری ہو جاتی تھی، مگر ایسی حالت بہت کم ہوتی تھی، عام حالت میں سلف وصالحین اور بزرگان دین کی روایات سے ہٹ کر کوئی بھی کام آپ سے صادر نہیں ہوا تھا۔

حضرت حافظ صاحب کی جاذب نظر شخصیت اور شریعت وطریقت کے حوالے سے آپ کی کی جانے والی کوششوں سے علم وعرفان کا ایک سیلاب سا امنڈ آیا تھا، علاقے بھر میں آپ کے انگنت مریدان تھے، البتہ آپ نے کسی کو مجاز بیعت کیا تھا یا نہیں اس بات کا پتہ نہ چل سکا۔

اب میں اس عنوان کے آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سرزمین ارکان میں جو مہیش بھنڈاری فرقے کے کچھ لوگ پائے جاتے ہیں ان کا یہ دعوی صحت پر مبنی نہیں ہے کہ حضرت کا تعلق پیر مہیش بھنڈار سے تھا، جب کہ اس دعوی کے خلاف بہت سارے ثبوت موجود نہیں ہیں کہ حضرت کا روحانی تعلق مہیش بھنڈار سے نہیں کسی اور سے تھا۔

ہمارے عنفوان شباب میں شاید اب بھی ہو کہ اس فرقے کے لوگ حضرت حافظ کے مزار کے گرد سال میں کم سے کم ایک دو مرتبہ جمع ہوتے تھے، بدنام زمانہ جنرل نیوں کے دور حکومت میں ان لوگوں کو قسمًا کھلی چھٹی مل گئی تھی کہ سال میں ایک دو مرتبہ جمع ہو کر عرس یا برسی کا دھوم مچایا کرتے تھے، یہ لوگ اس مزار کے پاس بڑے بڑے بکرے ذبح کرتے اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دیتے تھے

، یہاں نماز دعا کی پابندی تو نہیں ہوتی البتہ رات گئی تک طبلے کی ٹنک، ڈھولک کی دھمک بشمول دیگر مزامیر اور گانوں سے رقص وسرود کا بازار گرم ہو جاتا تھا، پھر بھی حکومت وقت کی پشت پناہی کے باوجود علماء اور عام مسلمان ان بدبختوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور چند مرتبہ ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ ان کی خوب خوب پٹائی بھی ہو رہی تھی۔



حضرت مولانا شاہ عبیداللہ سندی فرانگیؒ:

حضرت مولانا شاہ عبیداللہ سندی فرانگیؒ کی پیدائش جنوبی بوسیدنگ کی مردم خیز بستی سندی فرانگ میں ہوئی، کہتے ہیں کہ حضرت کا خاندان اس بستی کے قدیمی خاندانوں میں سے ایک ہے، آپ کے والد ایک کاشتکار مگر طرز زندگی ان کے علماء جیسے تھے، آپ علماء اور طالبین علوم دین سے نہایت محبت وشفقت کرنے والے بزرگ تھے۔

بستی سندی فرانگ علماء، صلحاء اور دانشوران کی بستی ہے، اس بستی کے آخری جنوبی سرا میں ایک بازار صدیوں سے آباد ہے، جو ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے واقع ہے، کہا جاتا ہے کہ اس بستی کا یہ بازار سندی فرانگ کے قدیم نامور زمیندار خاندان ''مصری بارو خاندان'' اور گودام فارا والے پانچکری سوداگر کے خاندان نے مل کر بسایا تھا، اس بازار کے شمال میں بس تھوڑے فاصلے پر آج بھی حضرت مولانا عبیداللہ صاحب کا مزار زیارت گہِ خاص وعام ہے۔ یاد رہے کہ حضرت کے مزارِ پاک کے شمال میں سندی فرانگ والی معروف دینی درس گاہ ''مدرسہ اشاعت العلوم'' آباد ہے۔

سندی فرانگ کی یہ بستی شرفاء، نجباء اور خادمانِ ملت وقوم کی بستی ہے، ویسے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب کے خاندان میں بھی علماء، صلحاء اور خادمانِ ملت وقوم کی کوئی کمی نہیں تھی۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم اسی بستی میں ہوئی، بعد میں اعلی تعلیم کے حصول کے لئے بنگال کا سفر کیا اور ایک روایت کے مطابق مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سند فراغت حاصل کی، اور تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھیؒ کے مبارک ہاتھ میں بیعت ہو کے تصوف وسلوک کے مقامات طے کئے اور خلافت حاصل کر کے اپنے وطن آ گئے تھے۔

وطن آتے ہی آپ نے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتلقین اور رشد وہدایت کے ذریعے اس علاقے کو علم دین سے روشن اور نورِ عرفان سے منور کر دیا، اور حضرت کے اس علاقے میں ہزاروں مریدان اور انگنت متعلقین پائے جاتے تھے، اور دور دراز کے علاقوں سے بھی سینکڑوں بندگانِ خدا آپ کے دربار میں آتے اور اپنے اپنے دلوں کو نورِ عرفان سے منور کر کے چلے جاتے تھے، جنھوں نے بھی اپنے مرشد وشیخ کی طرح اپنے اپنے علاقوں کو نورِ عرفان سے منور کر دیا تھا۔

پڑھائی کی تکمیل کے بعد حضرت نے وطن آتے ہی میمونہ خاتون بنت علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی سے شادی کی، کہتے ہیں کہ اس شادی مبارک میں حضرت مولانا عبدالباری بن علیم الدین معروف بہ بڑے مولوی صاحب کجافوی کا ہاتھ تھا، ظاہر ہے کہ میمونہ خاتون حضرت بڑے مولوی صاحب کی حقیقی بہن ہیں، چنانچہ حضرت نے دیکھا کہ مولانا عبیداللہ صاحب ایک بلند پایہ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پہنچا ہوا عارف باللہ بھی ہیں، تصوف وسلوک کے حوالے سے ان کا مقام بہت ہی بلند ہے، ویسے بڑے مولوی صاحب نے اپنی بہن کی شادی حضرت سے دے کر یہ ثابت کر دیا کہ ''ولی را ولی می شناسد''۔

میمونہ خاتون بنت علیم الدین ایک پڑھی لکھی اور شائستہ خاتون تھیں، زندگی بھر آپ نے اپنے لائق خاوند کی خدمت کی، کہتے ہیں کہ تصوف وسلوک میں آپ نے خاصے مقامات طے کئے تھے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا یہ خاتون اسلام اپنے خاوند حضرت مولانا عبیداللہ صاحب کی مریدہ تھیں یا اپنے بھائی حضرت مولانا عبدالباری کی۔

بہر حال یہاں میرا مدعا یہی ہے کہ اس خانوادۂ شاہ عبداللطیف حجازی کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ایک عظیم مرشدِ کامل بھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔

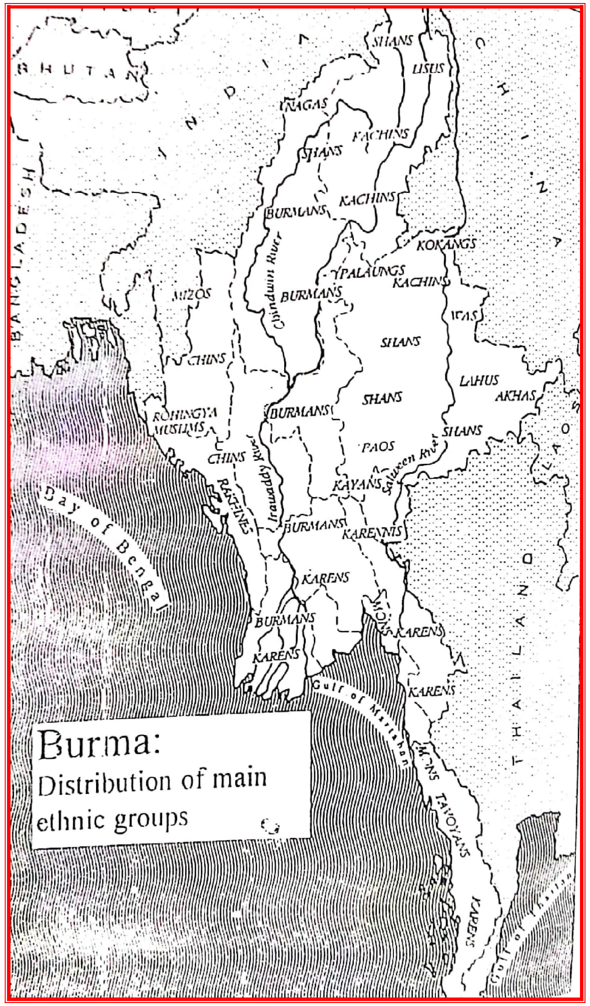
یہاں ایک بات قابلِ تذکرہ ہے کہ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندی فرانگیؒ حضرت مولانا حافظ حامد حسین علوی اعظم گڑھی کا خلیفہ ومجاز بیعت تھے، جن کے بہت سارے پیر بھائی اندرون ارکان اور بنگال کے علاوہ ہندو پاک میں بھی تھے، ادھر حضرت اعظم گڑھی کے خلفائے کرام کے حوالے سے جناب محترم احمد الاسلام چوہدری چاٹگامی صاحب نے اپنی گرانقدر تصنیف ''حضرت مولانا عبد المجید صاحب'' میں ایک گوشوارہ دیا ہے، اس کتاب کے صفحہ نوے میں پیش کردہ اس گوشوارہ کے ستائسویں نمبر پر ایک ارکانی بزرگ کا نام گرامی بھی درج ہے، جس میں دو فروگزاشتیں نظر آئیں:

۱۔ پہلی فروگزاشت یہ ہے کہ چوہدری صاحب نے اس ارکانی بزرگ کا نام عبداللہ لکھا ہے، جب کہ اس کا نام عبیداللہ ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ اس بزرگ کی جائے پیدائش رنگون (برما) لکھا گیا ہے، جب کہ صحیح یہی ہے کہ اس کی

جائے پیدائش اور جائے وفات دونوں ہی بستی سندی فرانگ، علاقہ بوسیدنگ، ارکان ہے۔

تاہم محترم چوہدری صاحب نے اگرچہ رنگون میانمار لکھا ہے، لیکن سندی فرانگ کو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے، جس سے پتہ چل گیا ہے کہ مصنف کی جس بزرگ کی نشان دہی مقصد ہے وہ اور کوئی نہیں یہی حضرت مولانا عبیداللہ سندی فرانگی ہیں۔



Burma:
Distribution of main
ethnic groups

بانیٔ تحریک آزادی محمد جعفر حسین قوال بیولا فارویؒ:

محمد جعفر حسین قوال کی ولادت ۱۹۱۵ء میں بیولا فارہ (کجافہ) علی چنگ بوسیدنگ میں ہوئی، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ایک جلیل القدر عالم دین، متقی، درویش صفت اور ہر دل عزیز بزرگ تھے، اور ایک روایت کے مطابق حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ کے خاندان ہی سے تھے (۱) اور آپ کی والدہ بانو شاہ خاتون حضرت مولانا شاہ عبدالباری بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی نواسی ہیں، جو ایک دین دار اور پرہیزگار خاتون اسلام تھی، یوں ماں کی جانب سے جعفر حسین صاحب اس شاہ لطیف خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

اگرچہ محمد جعفر حسین کے والد حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کے متعلق حتمی طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کا تعلق والد کی طرف سے حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ سے تھا ہے کہ نہیں، لیکن آپ کی والدہ کا تعلق جس طرح شاہ صاحب کے خاندان سے ہے اسی طرح آپ کی دادی آمنہ خاتون (بنت صمد علی بن شاہ عبداللطیف حجازیؒ) کا تعلق بھی ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے خاندان سے ہے، تو یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ دادھیال کے حوالے اگر کچھ شبہ بھی ہے تو نانیہال اور دادیہال دونوں کا تعلق اس برگزیدہ ترین خانوادے سے ہے۔

ابھی عمر چار سال ہوئی تو محمد جعفر حسین کی مکتب نشینی ہوئی، اردو، فارسی اور عربی زبانوں کی ابتدائی تعلیم کے علاوہ ایک روایت کے مطابق دینیات کی تیسری جماعت تک کی تعلیم بھی اپنے والد گرامی کے

---

(۱) کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبداللطیف حجازیؒ کے خاندان کے کچھ افراد جنوبی چاٹگام والی بستی بیولہ فارہ میں رہ گئے تھے، تو محمد جعفر حسین قوال کے والد حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ان کی اولاد سے تھے، چوں کہ برطانوی دور تھا، ارکان اور چاٹگام تو کیا پورے برصغیر میں آمد و رفت کے حوالے سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ لیکن باوثوق ذرائع کے مطابق مولانا سلطان احمد صاحب حضرت شاہ لطیف حجازی ہی کی نسل سے تھے، پچھلی سطور میں اگرچہ شاہ لطیف حجازیؒ کی اولاد میں مرحوم محسن علی کی کچھ ابتدائی فہرست درج کی جا چکی ہے لیکن اس میں مرحوم صمد علی کی اولاد کی تفصیلات نہیں ہے، تو ذرائع کا کہنا ہے کہ مولانا سلطان احمد صاحب شاہ لطیف حجازی کے دو صاحب زادے مرحوم محسن علی کی نہ بھی ہو تو مرحوم صمد علی کی اولاد میں سے تھے، واللہ اعلم۔

ہاتھ میں ہوئی تھی، اس کے بعد دینیات کے حوالے سے مزید کچھ تعلیم علاقے کے مدارس میں ہوئی، اس کے بعد آپ کے والد نے فیصلہ کیا کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو ہندوستان بھیج دیا جائے، یوں آپ نے اپنے والد کے شوق وتمنا کو دیکھ کر اتنی کم عمری میں سہی ہندوستان کی راہ لی اور ۱۹۲۴ء میں مغربی بنگال کے ایک دینی مدرسہ (ایک روایت کے مطابق ہوگلی کے کسی مدرسہ میں) داخلہ لیا اور یہاں کے دینی وعلمی ماحول سے محظوظ ہوتے رہے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے باشندے برطانیہ سے آزادی کے لئے زور شور سے راگنی گا رہے تھے، ہر کجا آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں، ایک طرف کانگریسیوں اور مسلم لیگیوں کا سیاسی ہنگامہ تو دوسری طرف ڈاکٹر سبھاش چندر گوش کی زیر قیادت والی تنظیم بھارتیہ انڈی پنڈنٹ آرمی (BIA) کا انقلابی ترانہ، تو ان ساری چیزوں نے محمد جعفر حسین تو کیا بلکہ تمام برصغیر کے اہل نظر وفکر کو پر جوش کر دیا تھا، بعد ازاں محمد جعفر حسین کے حساس دماغ نے اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دیر نہیں کی کہ اب ہندوستان بشمول برما آزادی سے ہم کنار ہونے والے ہیں۔

ان تمام چیزوں کے تہ بتہ محمد جعفر حسین کے دل ودماغ کو ارکانی مسلمانوں کے مستقبل ستا رہا تھا، ایسے حالات میں ان یہاں کے مسلمانوں کے لئے کچھ نہ کیا جائے تو آنے والے دنوں سالوں میں یہاں ان کا جینا دوبھر ہو جائے گا، بہرحال مادر وطن پر ہونے والے پے در پے سوالات نے آپ کو چھین سے سونے نہیں دیا، یوں آپ نے مدرسہ کی مزید پڑھائی کو خیر باد کہہ کر وطن کی راہ لی، جب کہ تب تک آپ کی پڑھائی نویں جماعت سے آگے نہیں بڑھی تھی۔

یہاں اور ایک بات یاد رہے کہ ایک طرف ہندوستان سے پڑھائی نا تمام کر کے واپسی تو دوسری طرف لطف کی بات یہ تھی کہ ہندوستان میں دوران تعلیم شعر وشاعری، نغمہ سرائی اور موسیقی بلکہ قوالی کی مہارت حاصل کر کے واپسی یہ دونوں چیزیں ہمارے سماج اور ماحول کے پیش نظر اجتماع ضدین تھیں، جسے عام طور پر روہنگیا سماج میں قدر تو کیا بلکہ اچھی نگاہ سے بھی دیکھا نہیں جاتا، جب کہ آپ نے شعر وشاعری اور قوالی سیکھی بھی تو عام قوالوں اور گانے والوں کی طرح کسی موج مستی کے لئے نہیں بلکہ اس کے ذریعے قوم کو جگانے اور جاگے ہوؤں کو راہِ عمل وتطبیق پر اتارنے کے لئے تھی۔

بہرحال وطن پہنچتے ہی آپ کو جلد اندازہ ہو چکا تھا کہ وطن کی سرزمین ابھی انقلاب کے لئے ہموار نہیں ہے، اور ساز گار نہیں ہے کہ یہاں فی الفور انقلاب کی راگنی الاپی جائے۔

یوں آپ نے ۱۹۳۹ء میں ارکان سے رنگون کی راہ لی اور رنگون کی فضاء آپ کو کسی قدر راس آئی، ویسے آپ نے یہاں عرصۂ دراز تک قوالی اور شعر وشاعری کا دھوم مچایا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ اس دوران رنگون کے کچھ مسلم لیڈروں سے ارکان اور برما کے مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے متعدد ملاقاتیں کیں، اور بارہا ان سے مشورے کرتے رہے تھے۔

۱۹۴۲ء میں ارکان میں مسلمانوں کے قتل عام کے دوران ظاہر ہے کہ آپ رنگون ہی میں تھے، ایک طرف اس دوران رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ ہوا تو دوسری طرف نیتا جی ڈاکٹر سبھاش چندر گوش کی پارٹی رنگون کی اطراف میں پہنچ چکی تھی، تو آپ نے نیتا جی کی پارٹی سے رابطہ کیا، اور عسکری تربیت حاصل کر لی تھی، جس کے بعد آپ کی شاعری اور نغمہ سرائی میں سیاسی اور انقلابی رنگ مزید بھرا تھا، پھر باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ آپ نے اسی زمانے میں فیصلہ کیا کہ نیتا جی کی پارٹی میں شامل ہو کر ارکان میں انقلابی ہوائیں چالو کر دینا چاہئے۔

اور جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے کہ ۱۹۴۲ء میں کئے جانے والے ارکانی مسلمانوں کے قتل عام نے آپ کے دل ودماغ کو بے حد متأثر کر دیا تھا، اس سے پہلے آپ اپنی شاعری اور قوالی کے ذریعے رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے نغمے چھیڑتے تھے، لیکن اس ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا کے بعد آپ کی شاعری اور نغمہ سرائی نے دوسرا رخ اختیار کر لیا تھا اور مگھ برمیوں کے خلاف کہنا شروع کر دیا کہ:

نوجوانو! خون بہانے کے لئے تیار ہو+عصمتِ ماں بہن بچانے کے لئے تیار ہو
یہ ہماری سرزمین تو ہو چکی لہولہان+گردنِ دشمن اڑانے کے لئے تیار ہو

دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت برما کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لیا تو محمد جعفر حسین ایک سارنگی ہاتھ لئے رنگون سے ارکان تشریف لائے، اکیاب ہوتے ہوئے زادی فرانگ (راسیدنگ) کے مقام پر محمد جرنیل اور مولانا عبدالقادر کے یہاں آٹھہرے، چند دن گزرتے نہ گزرتے

یہاں سے آپ نے اسی سے زائد افراد کو راہِ خدا پر مر مٹنے کئے تیار کر لیا، بات مشہور ہوگئی تو آپ اپنے چند ساتھی سمیت دابری چنگ (بوسیدنگ) چلے آئے، یہاں قیام کرتے ہوئے ارکانی مسلمانوں کے بڑے بڑوں سے رابطہ کیا، اور خاصے مشورے کے بعد ایک تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔

کہتے ہیں کہ لڑکپن سے آپ کا طبعی میلان شعر وشاعری اور نغمہ سرائی کی طرف تھا، پہلے پہلے تو آپ کو ہندوستان کے دوسرے شعرائے کرام کے کلام سے دلچسپی تھی، لیکن بعد میں بطورِ خاص جوانی کے عالم میں آپ نے شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال کے کلام سے ناطے جوڑ لئے تھے۔

قدرت نے آپ کو سریلی آواز سے نوازا، آپ کی آواز میں بلا کی تاثیر تھی، یوں آپ نے اپنے انقلابی دور میں اپنی مدبھری اور مدھور آواز سے لوگوں کو مخمور کر دیا تھا، اپنی موسیقی سے ایسی راگنی الاپی کہ لوگ سنتے ہی پروانے جیسے تڑپ جاتے تھے، آپ نے اپنی شاعری اور موسیقی کے ذریعے لوگوں کو ملت و قوم کے مفاد کی طرف دعوت عمل دی تو پر کہیں سے لبیک و سعدیک کے نعرے اور صدائیں بلند ہوئیں۔ دراصل بات یہی ہے کہ آپ نے اپنی نغمہ سنجی اور موسیقی کو تحریک کے لئے بطورِ وسیلہ ہی استعمال کیا تھا جس میں آپ خاصے کامیاب ہوئے تھے۔

۲۰؍ اگست ؍ ۱۹۴۷ء میں آپ نے بعض علماء اور دانشوروں کے علاوہ ارکان کے بعض مسلم رہنماؤں کو دابری چنگ کے مقام پر جمع کیا اور خاصے غور وخوض اور کافی شافی مشورے کے بعد ایک منظم تنظیم ''جہاد کونسل'' کے نام سے تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے، اس کے بعد آپ نے مگھ برمی درندوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا تھا۔

۴؍ جنوری ؍ ۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کا اعلان ہوا تو اس کے بعد ۱۵؍ مئی ؍ ۱۹۴۸ء میں برمی حکومت نے مجاہدین اسلام پر فوج کشی کی اور موضع پندوفرا نگ (بوسیدنگ) میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، جس میں مگھ برمیوں کو ایک حیثیت سے ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا تھا، تاہم اس لڑائی میں ملت و قوم کی راہ پر مر مٹنے والے مجاہدین میں سے چندوں کو شہادت بھی نصیب ہوئی تھی۔

اس کے بعد محمد جعفر حسین نے بیس صفحات پر مشتمل ایک میمورنڈم (یادداشت) تیار کیا، جس کا ایک نسخہ اس وقت کے برمی وزیر اعظم مسٹر اونو اور دوسرا نسخہ قائد اعظم محمد علی جناح جب کہ تیسرا نسخہ پنڈت

جواہر لال نہرو کے پاس پہنچایا گیا تھا۔

۱۹؍ جولائی ؍ ۱۹۴۸ء میں فقیرہ بازار کے مقام پر جہاد کونسل کی از سرنو تیر ترتیب ہوئی، جس میں درج ذیل حضرات کونسل کے اعلی عہدوں پر مقرر ہوئے تھے:

۱۔ ماسٹر عمرہ میاں صاحب شقدار فاروی: سرپرستِ اعلی۔
۲۔ محمد جعفر حسین قوال علی چنگی: صدر جہاد کونسل۔
۳۔ ماسٹر سلطان احمد صاحب خائندہ فاروی: نائبِ صدر۔
۴۔ عبدالشکور صاحب دابوی: کمانڈر انچیف۔
۵۔ کرنل رشید احمد صاحب فوئما لوی: رکن مجلس عاملہ۔
۶۔ خلیل الرحمٰن شقدار صاحب دھاریوی: رکن مجلس عاملہ۔
۷۔ مولانا سلطان احمد صاحب پندوفرانگی: رکن مجلس عاملہ۔

بعد ازاں مجاہدین نے سخت سے سخت ترین حملوں کے ذریعے شمالی مغربی ارکان کے بالائی علاقہ جات پر قبضہ کر لیا اور برمی حکومت کو ان علاقہ جات سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

۲۲؍ جولائی ؍ ۱۹۴۸ء میں برمی حکومت کی طرف سے مجاہدین اسلام سے مذاکرات کرنے کے لئے ایک وفد آیا، جس میں برمی حکومت کی جانب سے درج ذیل حضرات شامل تھے:

۱۔ جناب ابوالبشر صاحب ایم پی فوئما لوی۔
۲۔ جناب سلطان احمد صاحب ایم پی بالوخالوی۔
۳۔ جناب مولانا عبدالغفار صاحب ایم پی رنگیادنگی۔
۴۔ جناب مولانا محمد ہاشم صاحب ڈپٹی انسپکٹر اور لیڈر آف جمعیت علماء۔
۵۔ جناب اڈووکیٹ فروخ احمد صاحب۔

اس وفد نے محمد جعفر حسین قوال اور آپ کے چند رفقائے کار سے طویل مذاکرات کئے، آپ نے روہنگیا مسلمانوں کے جائز مطالبات پر مشتمل آٹھ دفعات پر ایک میمورنڈم پیش کیا (جس کی تفصیلات راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی میں دیکھی جاسکتی ہیں) اس کے بعد یہ

وفد واپس چلا گیا تھا۔

لیکن حکومت برما نے مجاہدین کے جائز اور اصولی مطالبات پر ٹھنڈے دماغ سے غور کرنے کے بجائے مجاہدین کے خلاف طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیئے، یوں مجاہدین کو دوبارہ جہادی سلسلہ شروع کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں بلی بازار تک کے سارے بالائی علاقہ جات سے برمیوں کو ہاتھ دھونا پڑا تھا۔

نومبر/۱۹۴۸ء میں برمی غاصب حکومت نے مجاہدین اسلام کے خلاف میجر اپریشن شروع کیا، جس میں مجاہدین کے چیف آف اسٹاف جنرل عبدالشکور صاحب دابوی شہید ہوگئے، ساتھ ہی ساتھ مجاہدین کی محدود گولہ بارود بھی کم ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے مجاہدین کو وقتی طور پر پسپائی اختیار کرنا پڑا اور فروری/۱۹۴۹ء سے اپریل/۱۹۴۹ء تک تقریبا دو مہینے آزمائش کے دن دیکھنے پڑے تھے۔

آزمائش کے دو مہینے گزر جاتے ہی مجاہدین کی از سر نو ترتیب دی گئی، ساتھ ہی ساتھ مجلس عاملہ میں بھی ترمیم واضافہ کیا گیا، جو درج ذیل ہے:

۱۔ ماسٹر عمرہ میاں صاحب شقدار فاروی: سرپرستِ اعلی۔
۲۔ محمد جعفر حسین قوال صاحب علی چنگی: صدر جہاد کونسل۔
۳۔ ماسٹر سلطان احمد صاحب خائندہ فاروی: نائبِ صدر۔
۴۔ محمد عباس صاحب سیندنگی : جنرل سکریٹری۔
۵۔ کرنل رشید احمد صاحب فوئمالوی: سکریٹری برائے امور دفاع۔
۶۔ ماسٹر صلاح الدین دودو میاں صاحب : رکن مجلس عاملہ۔
۷۔ میجر جنرل رشید احمد بوری چنگی صاحب: رکن مجلس عاملہ۔
۸۔ کرنل مستفیض الرحمٰن صاحب سندی فرانگی: رکن مجلس عاملہ۔
۹۔ ماسٹر نذیر حسین صاحب: رکن مجلس عاملہ۔

اس دوران محمد جعفر حسین شدید علالت میں مبتلا ہوگئے اور ستمبر/۱۹۴۹ء تک آپ کی حالت ابتر سے ابتر ہو چکی تو کونسل نے ماسٹر عمرہ میاں صاحب کو قائم مقام صدر بنا کر آپ کو تشخیص وعلاج کرانے کے

لئے کوکس بازار بھیج دیا گیا تھا۔

ابھی محمد جعفر حسین کوکس بازار میں زیر علاج تھے اور محمد عباس اور کرنل رشید احمد کو بھی تنظیمی کام کے حوالے سے چاٹگام جانا پڑا تھا، ایسے حالات میں ادھر قائم مقا صدر ماسٹر عمرہ میاں صاحب کو کسی ضروری کام کی بنیاد پر مشرقی پاکستان جانا پڑ رہا تو ماسٹر صاحب نے قائم مقام عہدۂ صدارت حضرت مولانا محمد لقمان کو سپرد کر دیا، یہ خبر محمد جعفر حسین تک پہنچی تو آپ کو اپنی ایسی بیماری کی حالت میں بھی تنظیم کے حوالے سے ضروری ہدایات دینی پڑی تھیں۔

نومبر/۱۹۴۹ء کے اواخر میں محمد جعفر حسین کی علالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برمی جاسوسوں نے مجاہدین اسلام کے خلاف گماشتوں کا ایک جال پھیلا دیا اور مجاہدین کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش تیز سے تیز تر کر دی گئی تھی۔

محمد جعفر حسین کی طبیعت قدرے ٹھیک ہوئی تو آپ نے کوکس بازار کے مقام پر ایک جلسہ منعقد کرایا، جس میں ارکان کے تقریبا سترہ بڑے بڑے مجاہد لیڈروں نے شرکت کی، اس جلسے میں آپ نے مجاہدین کے مابین پھیلائی گئی پریشانیوں کو دور کرنے اور نا امیدیوں کو امید میں بدلنے کی ہر چند کوشش کی، لیکن حکومت برما کے گماشتے بھی بے خبر نہ تھے، جن کی وجہ سے محمد جعفر حسین کامیاب نہیں ہو سکے تھے، چنانچہ چند گماشتوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ مولانا محمد لقمان صاحب کو جہاد کونسل کے عہدۂ صدارت سونپ کر آپ فوری طور پر مستعفی ہو جائیں، آخر کار رہوا یہ کہ بس سکریٹری برائے امور دفاع کا منصب ہی اپنے پاس رکھ کر آپ عہدۂ صدارت سے مستعفی ہوگئے، لیکن بعض سرکردہ لیڈروں کے علاوہ عام مجاہدین نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

لیکن افسوس ہے کہ جوں جوں دن گزرتا گیا محمد جعفر حسین کی طبیعت خراب ہوتی چلی گئی، ایسے حالات میں جہاد کونسل نے پھر فیصلہ کیا کہ آپ کو دوبارہ علاج وتشخیص کے لئے مشرقی پاکستان بھیج دیا جائے، ویسے ۱۹/جولائی/۱۹۵۰ء میں آپ علاج کے لئے مشرقی پاکستان گئے، اب کی بار بھی ماسٹر عمرہ میاں صاحب کو قائم مقام صدر بنا دیا گیا تھا۔

اب برمی جاسوسوں نے افواہیں پھیلا دیں کہ جہاد کونسل کے بعض متعصب لوگوں نے محمد جعفر حسین

کومعزول کر کے ماسٹر عمرہ میاں صاحب کو صدار بنا دیا ہے، تو گماشتوں کی ان افواہوں پر مجاہدین میں بڑی بے چینی پھیل گئی تھی، حتی کہ ماسٹر عمرہ صاحب کے لئے زمین تنگ ہو چکی تھی، یوں ماسٹر صاحب عقل مندی سے کام لیتے ہوئے محمد عباس سیندنگی کو عہدۂ صدارت سونپ کر مستعفی ہو گئے۔اب محمد عباس نے جہاد کونسل کی از سرنو ترتیب کی اور اس پریشانی کے حالات سے وقتی طور پر سہی جہاد کونسل کو بچا لیا تھا۔

ادھر ڈاکٹروں نے ہر چند کوشش کی کہ محمد جعفر حسین کی طبیعت میں سدھار لایا جائے، مگر کوشش ناکام ہو گئی، ایسے حالات میں بھی وقت کی نزاکت کو جان کر آپ معسکر کو واپس آ رہے تھے، ادھر برمی گماشتے بھی بے خبر نہیں تھے، اور اس تلاش میں تھے کہ کسی بھی طرح مجاہد اعظم حضرت محمد جعفر حسین کو راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا جائے، بالآخران گماشتوں کو موقع ہاتھ آ گیا کہ ۱۱/اکتوبر/۱۹۵۰ء کی رات بارہ بج کر بارہ منٹ میں جام سری (کوکس بازار) کے مقام پر آپ کو گولیوں سے شہید کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالی آپ کی مغفرت کے ساتھ آپ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

محمد جعفر حسین دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں پر آنے والے خطرات کو بڑی دوراندیشی سے بھانپ لیا تھا، آپ ایک بلند ہمت، بلند نگاہ، جواں مرد اور بلند حوصلگی کے مالک بڑی غیرت مند انسان تھے، آپ نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریزوں کے انخلاء کے ساتھ ارکان کو برمی غاصب پوری طرح نگل لے گا، اگر بروقت کوئی منظّم مسلم طاقت اس کا مقابلہ کرنے نہیں اٹھی تو ارکان برمی غاصبوں کا لقمہ بن جائے گا، اسی لئے اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق آپ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس وقت آپ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند، بالغ نظر، بلند حوصلے کا مالک، مذہب و وطن کے شیدائی ارکانی مسلمانوں کے اندر کوئی نہیں تھے، دوسری طرف برمی غاصبین اور مگھ شرپسندوں کی نظر میں آپ سے بڑھ کر کوئی مہیب اور خطرناک دشمن کوئی نہیں تھا، اس لئے آپ کو راستے سے ہٹانا ان اوباشوں کے لئے بہت ضروری ہو گیا تھا، جس میں یہ دشمن کامیاب ہوئے تھے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ محمد جعفر حسین کا یہ بروقت فیصلہ کہ ''ارکانی مسلمانوں کے لئے اس وقت جہاد کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے اور جس کے بغیر ملت اسلامیہ ارکانیہ کی تقدیر بدلی نہیں جا

سکتی'' ایک نباضانہ اور دوراندیشانہ فیصلہ تھا، ساتھ ہی ساتھ آپ کا یہی فیصلہ آپ کی حمیت دینی اور غیرت قومی کا عکاس بھی تھا، جب کہ اس وقت بھی سرزمین ارکان بزم سیاست کے روشن چراغوں سے خالی نہیں تھی، مگر کسی نے بھی آپ سے پہلے (۱۹۴۲ء کے بعد) اس قسم کے فیصلے کی ہمت نہیں کی، آپ ہی نے ہمارے اہالیانِ سیاست کو جہاد کی طرف توجہ دلائی تھی، اگرچہ اس زمانے میں ہمارے بہتوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا، لیکن بہتوں بلکہ قوم کی اکثریت نے اس بے سروسامانی کے عالم میں سہی آپ کی دعوت کو لبیک کہا تھا، اس طرح آپ اللہ کے دین کی خدمات کے بطور وطن عزیز کی عزت و ناموس کی خاطر جہاد کا نعرہ بلند کیا، ایسا بلند کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی آواز چاروں طرف پھیل گئی تھی، شک نہیں ہے کہ آپ کے اس دوراندیشی پر مبنی فیصلہ کو سرزمین ارکان کی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔

دراصل آپ شمع آزادی کے دل جلے پروانہ تھے، جس کے اندر سوز بھی تھی اور ساز بھی، آپ کی ہمت ہمیشہ جوان تھی، عزم و حوصلے بلند تھے، صرف یہی نہیں بلکہ آپ کی ذات سے آئے دن نت نئے عزائم لے کر دوسرے حضرات سامنے آ رہے تھے، یوں تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے دنیا سے جانے کے بعد مجاہدین اسلام نے از سرنو سر پر کفن باندھ لیا تھا، اور برمی غاصبوں پر ایسے ٹوٹ پڑے کہ جن کے پے در پے حملوں کی وجہ سے ان دشمنان دین کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں، ان مردان غازی اور شہیدان ملت کے کارناموں نے ظالموں کو محو حیرت میں ڈال دیا تھا، ادھر ایک بڑا دنیا سے گیا تو کیا ہوا؟ ادھر اس کی طرح ہزاروں لوگ ظالموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے، جن کی سرگرمیاں جنگل کی آگ کی طرح ہر کجا پھیل گئی تھیں، جن کے دمکتے چہروں اور تڑپتی روحوں کے سامنے طاغوت کی ہر کوشش، ہر سازش اور ہر چال ناکام ہو رہی تھی، بات یہی ہے کہ اس شہید اعظم کی شہادت نے مجاہدین اسلام میں از سرنو زندگی کی لہر دوڑا دی، ان کی حمیت دینی اور غیرتِ قومی شعلے کی طرح بھڑکی، ارکان میں ہر کجا جہادِ اسلامی کا غلغلہ اور ولولہ بڑھ گیا تھا، ارکان کی پوری سرزمین جہادِ اسلامی کے نعروں سے گونجنے لگی تھی، درحقیقت اب کی بار ہمارے ان مجاہدین اسلام کے جذبات اور ولولوں کے پیچھے فکر و نظر سے زیادہ دل دردمند اور قلبِ دلنواز کام کرنے لگے تھے، جسے دین کی اعلی سے اعلی

قدروں نے مزید دل کش اور جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔

لیکن افسوس ہے کہ پھر ہمارے مابین داخلی افراتفری نے ان مجاہدین کی کوششوں میں پانی پھر دیا تھا ،اگر ان کی داخلی حالت اچھی ہوتی تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آج ارکان کی حالت دوسری ہوئی ہوتی ،لیکن افسوس ہے کہ تقدیر کے حال کو قال کے ذریعے کون بدل سکتا ہے؟



حضرت مولانا مفضل احمد بیولہ فاروئیؒ

حضرت مولانا مفضل احمد بن عبدالعزیز بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی پیدائش بستی بیولہ فار (کجافہ) قصبۂ علی چنگ میں ہوئی، ظاہر ہے کہ آپ حضرت مولانا شاہ عبد الباری بن علیم الدینؒ کے بھتیجے تھے۔

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے پائی، بعد میں آپ نے اپنے تایا حضرت مولانا شاہ عبد الباریؒ سے دینیات کے درس لئے، اور بڑے ہوئے تو اعلیٰ تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں چند سال مسلسل تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی ،اس کے معا بعد وطن واپس آئے۔

وطن واپس آتے ہی آپ کا نکاح تمنگ چنگ والے زمیندار چوہدری ابوالباصر صاحب کی بیٹی سے ہوا،مولانا کی تعلیم اور شادی خانہ آبادی وغیرہ کے متعلق راقم سطور نے اپنی تصنیف ’’تذکرۂ علامہ سید الامینؒ ‘‘میں جو لکھا ہے،اس کا ایک اقتباس ایک ضرورت کی بنیاد پر یہاں لایا جارہا ہے:

> ’’میمونہ خاتون بنت علیم الدین اہلیہ حضرت مولانا شاہ عبیداللہ صاحب سندی فرانگیؒ کے بھتیجوں میں ایک بلند پایہ کے عالم دین گزرے ہیں،جن کا نام حضرت مولانا مفضل احمد تھا،آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے کہ :مفضل احمد بن عبدالعزیز بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی۔مولانا مفضل احمد صاحب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے فارغ التحصیل تھے، بڑے فاضل،مفسر، محدث اور فقیہ تھے، علاقے میں آپ کا شمار اپنے وقت کے سب سے بڑے فقہاء میں سے تھا، زمیندار مولانا نے علاقے کے بڑے زمیندار ابوالباصر چوہدری تمنگ چنگی کی بیٹی سے شادی کی، اور اپنے خسر اور علاقے کے عام مسلمانوں کے تعاون سے مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ کی بنیاد رکھی،اور وہیں پڑھاتے رہے‘‘۔

اب ضرورت یہ ہے کہ میں نے تذکرۂ علامہ سید الامینؒ میں حضرت مولانا مفضل احمد صاحب کی حقیقی پھوپی میمونہ خاتون کے والد کا نام انور علی لکھا ہے، جب کہ اس کا نام میمونہ خاتون اور والد کا نام علیم الدین بن غلام علی تھا، جو حضرت مولانا شاہ عبیداللہ سندی فرانگی کی اہلیہ تھی ،البتہ اس میمونہ خاتون کے نام نامی اور ایک میمونہ بنت انور علی تھی ضرور (ہمشیرۂ ابوالخیر بلی) جو حضرت مولانا شاہ حافظ مخلص الرحمٰن

بیولہ فاروی (کجافوی) کی اہلیہ تھی، دونوں میمونہ خاتون ظاہر ہیں کہ ہر ایک اپنے وقت کے دو شیوخ کی بیویاں تھیں۔

حضرت مولانا مفضل احمد صاحب کے حوالے سے میں نے آج سے تقریباً بارہ سال پہلے سن ۲۰۰۸ء میں آپ کے ایک شاگرد رشید استاد محترم مولانا حمید اللہ کوثر صدیقی کوائندنگی (مرحوم) سے چاٹگام میں ملاقات کی، دراں حالیکہ کوثر صاحب ترک وطن کرکے جامعہ دار المعارف الاسلامیہ چاٹگام کے قریبی رہائشی علاقے میں مقیم تھے، آپ نے بتایا کہ حضرت مولانا مفضل احمد صاحب ہمارے علاقے میں اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین تھے، آپ محدث، مفسر اور اعلیٰ درجہ کے فقیہ انسان تھے، اور ساتھ ہی ساتھ معلم اور منتظم بھی۔

حضرت مولانا قاضی عبدالہادی لمبابیلیؒ:

حضرت مولانا عبدالہادی معروف بہ قاضی مولوی صاحب کی پیدائش قصبۂ علی چنگ، بوسید نگ کی بستی لمبا بیل میں ہوئی، آپ کا خاندان ایک کاشتکار خاندان ہے، ماضی قریب میں اس خاندان میں بڑے بڑے علماء اور خدامانِ قوم وملت پیدا ہوئے، جن میں حضرت مولانا مفتی ابوالفضل کے علاوہ حضرت مولانا سعید اللہ صاحب لمبابیلی، حضرت مولانا حسین احمد ابوالفضل اور مولانا محمد جلیل نا قابل فراموش علمائے دین ہیں۔

روایت کے مطابق حضرت قاضی صاحب کی مکتب نشینی بستی کے مکتب میں ہوئی، کچھ بڑے ہوئے تو ایک روایت کے مطابق مدرسہ اشرف المدارس راجار بیل راسید نگ میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے متوسطہ تک کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ کلکتہ گئے، اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں چند سال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ اور تعلیم سے فراغت کے بعد آپ وطن واپس آئے، اور اپنی بستی کے مسلم بچوں کو پڑھاتے رہے، برطانوی حکومت نے آپ کو قضاء کا عہدہ دیا تو آپ اپنے علاقے میں ''قاضی مولوی صاحب'' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

بعض اہل علم کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ آپ بڑے جید عالم اور صاحب ورع وتقوی بزرگ تھے، فقہ وفتاوی میں ید طولی رکھتے تھے، ویسے بھی معروف ہے کہ آپ بڑے مدبر و معاملہ فہم تھے، برطانوی دور حکومت میں اس خطے میں منصب قضاء کا رواج تھا، یوں برطانوی حکومت نے بڑی جانچ پڑتال کے بعد آپ کو منصبِ قضاء پر فائز کیا تھا، ورنہ اسی زمانے میں اس علاقے میں اتنے بڑے بڑے علماء اور صلحاء کے ہوتے ہوئے آپ کو اس منصبِ جلیلہ پر کیوں فائز کیا گیا تھا؟

قاضی صاحب کی والدہ ثقیلہ خاتون بنتِ خیر النساء بنت حضرت مولانا شاہ عبدالباری معروف بہ بڑے مولوی صاحب کجافویؒ ایک عالی صفات والی خاتون اسلام تھیں، حضرت شاہ صاحب اور سر زمین ارکان کے دور آخر کے قائد تحریک حضرت جعفر حبیب مرحوم کا دادا جناب ابوالخیر صاحب مرحوم آپس میں چچازاد بھائی تھے، یوں ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان اور قاضی صاحب کے خاندان کے مابین رشتہ داری تھی، راقم سطور نے حضرت قاضی صاحب کے متعلق اپنی تصنیف ''تذکرۂ علامہ سید الامینؒ'' میں یوں لکھا کہ:

"حضرت قاضی مولوی عبدالہادی صاحبؒ بن ثقیلہ خاتون بنت خیر النساء بنت حضرت مولانا شاہ عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں اس علاقے کے بڑے علماء میں شمار تھے، آپ تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام میں یدطولی رکھتے تھے"۔

اس ضمن میں یہاں اور ایک بات قابل تذکرہ ہے کہ دورآخر میں سرزمین ارکان کے بانی تحریک حضرت مولانا جعفرحسین قوال شہید اور قاضی صاحب کے درمیان بھی رشتہ ہے، اس کا اجمال کچھ یوں ہے کہ بانی تحریک کی نانی لطیفہ خاتون اور قاضی صاحب کی نانی خیر النساء دونوں حضرت مولانا شاہ عبدلباری صاحب کی صاحب زادیاں تھیں۔

حضرت مولانا قاضی عبدالباری صاحب حضرت مفتی ابوالفضل صاحب کا چچا تھے، لوگوں سے سنا کہ حضرت مفتی صاحب قاضی صاحب کو بہت ہی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، اس حوالے سے مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب لمبابیلی کا بھی بیان ہے کہ:

"میرے والدگرامی حضرت مولانا مفتی ابوالفضل صاحبؒ دادا حضرت مولانا قاضی عبدالہادی صاحبؒ کو بڑی عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، والد صاحب جس زمانے میں تنگ بازار کے مدرسہ میں درس دیتے تھے، گھر آتے ہی حضرت قاضی صاحب کی زیارت کوکوجایا کرتے تھے اورانہی اپنے حقیقی والد کی طرح جانتے اور ان کی خدمت کرتے تھے، قاضی صاحب ایک جیداور معاملہ فہم عالم دین ہونے کے علاوہ نہایت متقی اور درویش صفت بزرگ تھے، ہمارے علاقے میں حضرت کو بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے"۔

میں نے حضرت قاضی صاحب کونہیں دیکھا، شاید میری پیدائش سے بہت پہلے آپ انتقال کر گئے ہوں، یوں کوشش کے باوجود حضرت کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا پتہ نہیں چل سکا، البتہ جہاں تک پتہ چلا کہ آپ ایک جید عالم دین، فقیہ اور مفتی ہونے کے علاوہ شب زندہ دار بزرگ تھے، اللہ تعالی حضرت کے درجات بلند کرے، اور ماضی قریب و بعید میں جس طرح حضرت کی اولاد واحفاد اور خاندان کے دیگر بزرگوں کوملت وملک کی خدمات توفیق دی تھی، اسی طرح مستقبل میں بھی مزید توفیق سے نوازے۔آمین۔

مولوی فروخ احمد مرحوم:

مولوی فروخ احمد بن لطیفہ خاتون بنت حضرت مولانا عبدالباری بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی پیدائش بیولہ فارہ (کجافہ) علی چنگ میں ہوئی، اس بات میں کسی قسم کی شک نہیں ہے کہ آپ کے والد صاحب بھی اس خاندان میں سے تھے، لیکن افسوس ہے کہ ان کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔

مولوی صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے نانا بزرگوار حضرت مولانا شاہ عبدالباریؒ سے پائی، اور اس کے بعد علاقے کے مختلف مدارس میں پڑھتے رہے، آپ نے جن کئے مدارس میں تعلیم پائی تھی ان میں مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ بھی ہے۔

مولوی صاحب نے حضرت مولانا مفضل احمد صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرتے ہوئے دینیات کی متوسطہ تک کی تعلیم مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ میں پائی، اس کے بعد علاقے کے کسی مدرسہ سے سند فراغت کی۔

کہتے ہیں کہ آپ جید عالم دین اور عبادت گزار انسان تھے، بہت کم سخن اور مدبر بھی، ظاہر ہے کہ آپ بانی تحریک آزادی حضرت محمد جعفر حسین قوال کے حقیقی ماموں ہیں، چنانچہ لوگوں سے سن رکھا تھا کہ آپ کا بانی تحریک کے نشو ونما اور تعلیم میں کافی حصہ رہا تھا، اور کاز کے حوالے سے بھی آپ نے قوم وملت کی کافی خدمات کی تھیں، حتی کہ بعض لوگوں کو یہاں تک کہتے ہوئے سنا تھا کہ آپ کا اپنے پیارے بھانجے کو میدان عمل وتطبیق میں اتارمیں بھی آپ کا حصہ رہا تھا۔

علاوہ ازیں مولوی صاحب حضرت محمد جعفر حبیب کے خاندن کے فرد ہونے کے علاوہ بھی ان کے قریبی راشتے داروں میں سے ہیں، ان دونوں کے آپس میں کافی محبت اور خاصا لگاؤ تھا، جس زمانے میں قائدِ حبیب قومی وملی کام کوآگے بڑھا رہے تھے، اسی دوران مولوی صاحب نے ان کا دامے درمے، قدمے اور سخنے غرض ہر اعتبار سے بھر پور تعاون کیا تھا، آپ نے اپنی بستی میں وفات پائی اور خاکِ علی چنگ میں مدفون ہیں۔

مولوی دبیر احمد مرحوم:

مولوی فروخ احمد کا بھائی مولوی دبیر احمد بن لطیفہ خاتون بنت حضرت مولانا عبدالباری بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی پیدائش بیولہ فارہ (کجافہ) علی چنگ بوسیدنگ میں ہوئی، ظاہر ہے کہ آپ محمد جعفر حسین قوال کے حقیقی ماموں اور حضرت مولانا عبدالباریؒ کے حقیقی نواسے ہیں۔

مولوی صاحب نے ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب کے علاوہ اپنے بزرگ نانا حضرت مولانا شاہ عبد الباریؒ سے پائی، اس کے بعد مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے دیگر اساتذہ کے علاوہ حضرت مولانا مفضل احمد صاحب سے کافی استفادہ کیا، اس کے بعد علاقے کے ایک دینی درس گاہ سے سند فراغت حاصل کی۔

ظاہر ہے کہ مولوی صاحب حضرت محمد جعفر حسین قوال کے حقیقی ماموں تھے، آپ نے بھی اپنے بڑے بھائی مولوی فروخ احمد کی طرح تحریک آزادی کے کاموں میں کافی حصہ لیا تھا، کہتے ہیں کہ جس زمانے میں محمد جعفر حسین قوال اندرون وطن میں قومی وملی فریضہ انجام دے رہے تھے، اسی زمانے میں مولوی صاحب کا کام دعوت الی الجہاد کے علاوہ تحریک کے مفاد میں پروپیگنڈہ کرنا تھا، اور آپ نے یہ خدمت بڑی ہشیاری اور رازداری سے نبھائی تھی۔

مولوی صاحب حضرت محمد جعفر حبیب کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، روہنگیا فدائین محاذ کے زمانے میں انہوں نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کو قوم کی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جانا چاہئے، جن میں سے ایک خدمت یہ بھی تھی کہ آپ کا ذمہ اندرون وطن سے عام مسلم جوانوں اور نوجوانوں کے علاوہ اسکول ومدارس کے طلبہ کو محاذ میں عسکری تربیت کے لئے پہنچانا تھا، کہتے ہیں کہ اس میں آپ کافی کامیاب رہے تھے، علاوہ اس کے آپ نے قائد تحریک محمد جعفر حبیب کا دامے درمے، قدمے سخنے ہر اعتبار سے تعاون کیا تھا، بہرحال آپ نے اپنی زندگی میں ملت وقوم کی کافی خدمات انجام دے کر اپنی بستی میں انتقال کیا اور یہیں مدفون ہیں۔

مولوی محمد صاحب مرحوم:

مولوی فروخ احمد اور مولوی دبیر احمد کا چھوٹا بھائی مولوی محمد بن لطیفہ خاتون بنت حضرت مولانا عبد الباری بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی پیدائش بیولہ فارہ (کجافہ) علی چنگ بوسیدنگ میں ہوئی، آپ حضرت بانی تحریک آزادی حضرت محمد جعفر حسین قوال کے ماموں اور حضرت مولانا شاہ عبدالباری معرف بہ بڑے مولوی صاحب کے حقیقی نواسے ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب کے ساتھ ساتھ اپنے لائق وفائق بزرگ نانا حضرت مولانا عبدالباریؒ سے پائی، اس کے بعد علاقے کے دیگر مدارس میں چندسال پڑھ کر مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ میں داخلہ لیا، اور اپنے بڑے بھائیوں کی طرح حضرت مولانا مفضل احمد صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ خم کر کے آپ نے مشکوۃ المصابیح تک تعلیم پائی، اس کے بعد علاقے کے ایک دینی درس گاہ سے سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ نے اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پڑھانا شروع کیا، اور عرصۂ دراز تک بلکہ ایک روایت کے مطابق زندگی کے آخری ایام تک مسلمانوں کے بچوں کی دینی تعلیم دی تھی۔

کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی والدہ کی بڑی اور قابل رشک خدمات کی تھیں، والدہ ہر وقت ان کو دعائیں دیتی رہیں، ویسے اللہ تعالی نے آپ کی زندگی کو ہمیشہ خوش حال رکھا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ آپ ملک وملت کی خدمات میں بھی پیچھے نہیں رہے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے روہنگیا فدائیں محاذ کے زمانے میں تحریک آزادی کی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، اندرون وطن میں رہ کر تحریک کے لئے بڑی رازداری کے ساتھ چندہ وصول کرتے اور بڑی امانت داری سے کام لیتے ہوئے محاذ کو پہنچایا کرتے تھے، غرض اس حوالے سے آپ نے اپنے دونوں بڑے بھائیوں مولوی فروخ احمد اور مولوی دبیر احمد کی طرح ملک ووطن اور قوم وملت کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، اللہ تعالی آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائے۔

آپ نے بھرپور زندگی گزار کر اپنی بستی میں وفات پائی اور وہیں کی خاک میں دفن ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب کرنل رشید احمد صاحب شہید فوئمالی:

محمد جعفر حبیب بیولہ فاروی کی بہنوی سرزمین ارکان کے عظیم مرد مجاہد کرنل رشید احمد بن حضرت مولانا ابوالخیر صاحب فوئمالوی کی ولادت ۱۹۱۸ء میں قصبۂ فوئمالی بوسیدنگ میں ہوئی، آپ کے والد مولانا ابوالخیر صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور درویش صفت بزرگ ہونے کے علاوہ بڑے صاحب ثروت انسان تھے، آپ کی والدہ بعض اطلاع کے مطابق علماء، صلحاء اور طالبین علم دین سے نہایت شفقت رکھنے والی خاتون تھی۔

کرنل رشید احمد صاحب کی ابتدائی سے لے کر ثانویہ تک کی تعلیم اپنے آبائی علاقے کے مکتب اور سرکاری اسکولوں میں ہوئی، اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا، جہاں آپ نے اعلی عصری تعلیم کے ساتھ فوجی تربیت بھی حاصل کی تھی۔ دوران تعلیم وتربیت آپ قومی سیاست سے وابستہ ہوگئے اور ملکی سیاسیات سے دل چسپی لینے لگے تھے۔

آپ ۱۹۴۸ء میں رنگون سے ارکان آئے، اور اسی سال گلہار وز بنت چوہدری حبیب الزمان بن ابوالخیر بلی بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی سے شادی کی، جو ظاہر ہے کہ حضرت محمد جعفر حبیب کی بڑی بہن تھی۔

شادی خانہ آبادی کے بعد آپ جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، اور چند دن گزرتے نہ گزرتے بانئ تحریک حضرت محمد جعفر حسین قوال کے قریبی رفقاء میں شمار ہونے لگے تھے، بانئ تحریک کو آپ سے بہت محبت تھی اور آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور آپ کو ایک حقیقی بھائی سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔

کرنل صاحب جہاد کونسل میں مختلف بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے تھے، علاوہ ازیں عسکری تربیت کے استاد بھی، ویسے کونسل کے ہر ایک افراد آپ کو بڑی عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۱۹۴۹ء میں آپ کو بشمول دو مربی ساتھی کونسل کے مرکز کی طرف سے مجاہدین کی جنوبی شاخ (جو اس وقت محمد قاسم راجا کی سرکردگی میں تھی) کی تربیت کے لئے بھیجا گیا تھا، جہاں آپ نے مسلسل تین مہینوں تک مجاہدین کی تربیت دی، اس کے بعد واپس فقیرہ بازار جہاں مجاہدین کا مرکز تھا پہنچے تو آپ کا بھرپور استقبال کیا گیا تھا۔

آگست/۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین کی علالت کے دوران آپ جہاد کونسل کے مرکزی جنرل سکریٹری مقرر ہوئے اور شہادت حسرت آیات تک اس عہدے پر بحال رہے تھے، آپ بڑے ذہین، فعال، تیز وتند، نہایت چست اور ہشیار انسان تھے، کہتے ہیں کہ برمی حکومت کے جاسوس اور گماشتے تک ان سے بچنے کی کوشش کیا کرتے تھے، آپ کے نام گرامی کان پڑتے ہی گماشتے چونک جاتے تھے، اس حوالے سے بہت ساری کہانیاں مشہور ہیں۔ یوں جہاد کونسل میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، ہر کجا آپ کی قابلیت اور استعداد کا داغ بیٹھا ہوا تھا۔

مارچ/۱۹۵۳ء میں آپ مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اپنے آبائی علاقے پوئمالی تشریف لے گئے، اور پوئمالی کی سمت مشرق میں دوڑتا ہوا پہاڑی سلسلہ "موری چنگ" میں ایک مضبوط فوجی معسکر کی بنیاد رکھی، جس میں آپ موچہ بند ہوگئے تھے، کہتے ہیں کہ موری چنگ کا یہ پہاڑی سلسلہ فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔

۷/نومبر/۱۹۵۳ء میں برمی اوباش حکومت کی طرف سے آپ کے خلاف سخت فوجی اپریشن ہوا، لڑائی شروع ہوئی تو آپ اور آپ کی اہلیہ گلہار وز بنت چوہدری حبیب الزمان صاحبہ موچہ بند ہوگئے، آپ اور آپ کے ساتھیوں نے تین دن تک ڈھٹ کر مقابلہ کیا اور بہادری کا لوہا مناتے ہوئے سینکڑوں برمی اوباشوں کو جہنم رسید کردیا تھا، لیکن برمی حکومت کے عمدہ ترین ہتھیاروں اور گولہ بارود کے سامنے مجاہدین نہ ٹک سکے، ایسی حالت میں آپ اور آپ کی اہلیہ سمیت بہتوں مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔

کرنل رشید احمد صاحب مرد خدا شناس اور اسلام پر فدا انسان تھے، آپ کی ذات میں قدرت نے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی فکر کوٹ کوٹ کر بھردی، آپ نے ملت حنیف کو کفار کے ظلم وتعدی سے نکالنے کی بڑی کوشش کی، بالآخر اس راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا، اپریشن کے دوران اوباش برمی افواج نے آپ سے ہتھیار ڈالنے کی فرمائش کی، لیکن آپ نے ان کی عرض کو یہ کہہ کر ٹھکرادیا کہ ہم اللہ کی راہ میں ہتھیار ڈالنے نہیں آئے، ہتھیار ڈالنا تو بزدلوں کا کام ہے، یا ہمارا مقصد برآئے گا یا موت ہمارا کام تمام کردے گی- ان تمام باتوں کے حوالے سے آپ کے ایک ساتھی مجاہد کا بیان ہے کہ:

''مارچ ۱۹۵۳ء میں جہاد کونسل کی ایک بڑی جماعت کرنل رشید احمد کی قیادت میں پوئمالی گئی تھی، اس نے پوئمالی کی سمت مشرق میں دوڑتا ہوا پہاڑی سلسلہ ''موری چنگ'' میں ایک مضبوط مورچہ تیار کرلیا تھا، باوجودیکہ صدر محمد عباس اور کرنل رشید احمد کے درمیان کچھ خلش پیدا ہوگئی تھی، لیکن اہداف ومقاصد، منصوبہ اور نصب العین، پلان اور پروگرام میں کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا-

۷/نومبر ۱۹۵۳ء میں کرنل رشید احمد کے خلاف میجر آپریشن ہوا، آپ اور آپ کے جان نثاروں نے ڈھٹ کر مقابلہ کیا، اور اپنی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سینکڑوں کفار کو جہنم رسید کردیا، مگر حکومت کے عمدہ ترین اسلحہ کے سامنے ان کا قدم مضبوط نہ رہ سکا، بالآخر برمی افواج غالب آگئیں اور کرنل رشید سمیت بہتوں جانثاروں نے جام شہادت نوش فرمایا''۔

آپ کی شہادت کے بعد رہے سہے جان نثاروں میں اختلافات شروع ہوگئے، ابوصدیق صاحب اپنے سارے ہم نواؤں سمیت قاسم صاحب راجا کی قیادت میں چلنے والی جماعت مجاہد پارٹی میں ضم ہوگئے لیکن عبدالصمد صاحب اپنے ساتھیوں سمیت میدان کارزار میں رہ رہ کر مقابلہ کرتے رہے، اور اپنے ساتھیوں سے کہتے رہے تھے کہ کرنل رشید احمد صاحب بشمول آپ کی اہلیہ شہید ہوچکے ہیں، اب ہمارے زندہ رہنے کا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چونکہ عبد الصمد شہید صاحب بڑے بہادر انسان تھے، انہوں نے ۲۴/ جنوری ۱۹۵۴ء میں بوسیدنگ ٹاون پر زوردار حملہ کردیا تھا، برمی افواج سے دل کھول کر مقابلہ کیا، سینکڑوں کفار کو دوزخ میں پہنچا کر اللہ کے اس بندہ نے آخر کار جامع مسجد بوسیدنگ کے قریب جام شہادت نوش فرمایا، ان کی شہادت کے بعد ان کے دونوں بھائی کمال حسین اور عبدالخالق صاحبان اپنے رہے سہے ساتھیوں سمیت ۲۶/جنوری ۱۹۵۴ء میں جہاد کونسل کے مرکز واپس آگئے تھے-کمال حسین کے بقیہ حالات معلوم نہیں ہوسکے، لیکن عبدالخالق صاحب کا ز سے زندگی بھر جڑے ہوئے تھے۔

جنرل میر احمد باغگونوی مرحوم:

جنرل میر احمد بن فضل الرحمٰن بن علی حسین ۱۹۰۵ء میں بستی باغگونہ، قصبۂ علی چنگ علاقۂ بوسیدنگ میں پیدا ہوئے، آں جناب جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مظہر الحق ؒ (فارغ التحصیل مدرسہ عالیہ کلکتہ) کے چھوٹے بھائی ہیں، اور حضرت قائد محمد جعفر حبیب کے رشتے میں ماموں ہیں، وہ اس طرح ہے کہ حضرت قائد کے حقیقی ماموں جناب مرحوم فیض احمد صاحب اور جنرل میر احمد صاحب آپس میں حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

جنرل صاحب کا خاندان اس علاقے میں بڑا زمیندار اور بڑا اثر ورسوخ والا خاندان تھا اور اب بھی ہے، یوں ان کا لڑکپن اور بچپن بڑے آن بان اور شان وشوکت سے گزرا، ان کے والد جناب فضل الرحمٰن بن علی حسین ایک بڑے زمیندار تھے اور عدل ومساوات پسند بزرگ بھی، گاؤں کے ہر کس وناکس کو آپ مساوی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

جنرل صاحب نے اپنی بستی کے مکتب میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، والدین کی ہزار کوشش کے باوجود مزید پڑھائی میں انہوں نے کوئی دل چسپی نہیں لی، زمیندار گھرانے کا جوان تھا، سیر وشکار میں ان کی جوانی گزرتی جارہی تھی، ان کے گرد دوستوں اور ہم نشینوں کی ایک بھاری جماعت ہمیشہ رہا کرتی تھی، وہ اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، خود بھی کھاتے پیتے اور ان کو بھی کھلاتے پلاتے تھے۔

قدرت نے ان کو نشانہ بازی کی قدرت وصلاحیت سے نوازا، کہتے ہیں کہ پرندوں کو ان کے بیٹھے ہوئے حالات میں شکار نہیں کرتے تھے، پہلے ان کو تالیوں کے ذریعے ہشیار کرتے پھر بھی اڑ نہ جاتے تو مٹی کی گولیوں سے اڑا دیتے، یوں اڑنے کی حالت میں کارتوس کے ذریعے شکار کیا کرتے تھے، ان کی زندگی میں بہت کم موقع ایسا ہوا ہوگا کہ انہوں نے شکار کیا اور شکار صحیح وسلامت سے بھاگنے میں کامیاب بھی ہوا ہو، اس حوالے سے برطانوی حکومت کے ایک فوجی افسر نے ان کا امتحان لیا تھا، اور انہوں نے سوفی صد نمبرات سے کامیابی حاصل کی تھی۔

جنرل صاحب بڑے غیور، نڈر، بہادر اور ہشیار انسان تھے، ۱۹۴۲ء میں جنوبی مشرقی ارکان میں

ہزاروں مسلمانوں کو برمی اور مگھ عصبیت پرست شر پسندوں نے تہ تیغ کر دیا تھا تو انہوں نے بوسیدنگ میں مجاہدین کی ایک جماعت تشکیل دے کر برمی اور مگھ انتہا پسندوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔

جنرل صاحب مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے پہلے راسیدنگ کے علاقے میں پہنچے، اور برمی اور مگھ دہشت گردوں کو شمالی مغربی ارکان کی طرف بڑھنے سے روکا، جس میں ان کی بڑی کامیابی ہوئی تھی، اس کے بعد اپنے علاقے میں واپس آئے، اور موضع علی چنگ میں مجاہدین کی از سر نو ترتیب کی، اور جہادی دباؤ کے ذریعے یہاں کے مگھ برمیوں کو اپنے اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک دن ایسا آیا کہ آپ کا بندوق خراب ہوگیا اور گولیاں بھی ختم ہوگئیں، تو جنرل صاحب اپنے چند ساتھیوں سمیت راتوں رات منگڈو پہنچے اور جنرل نور احمد صاحب علی تانجوی سے چند بندوق اور گولیاں حاصل کر کے پو پھٹے دوبارہ علی چنگ پہنچ کر جہاد کا سلسلہ جاری رکھا تھا، کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے مگھ برمیوں کی بے خبری میں راتوں رات یہ کام انجام نہ دیتے تو بڑا ممکن تھا کہ کم سے کم بوسیدنگ ٹاؤن شپ کے سارے مسلمان جنوبی مشرقی ارکان کے مسلمانوں کی طرح مگھ برمی درندوں کے شکار ہو جاتے، اللہ تعالی نے جنرل صاحب کی صورت میں یہاں کے مسلمانوں کی مدد کی، کہ ان کی قربانیوں اور جانفشانیوں کے ذریعے ان مسلمانوں کی حفاظت کی تھی۔

۶/جون/۱۹۴۲ء میں ہونے والی بوسیدنگ کی فتح میں جنرل صاحب اور ان کے رفقائے کار کے کارنامے سب سے بڑھ کر تھے، اس روز شہر بوسیدنگ میں گھسے ہوئے تھکین درندوں پر جنوبی مغربی طرف سے جنرل صاحب کی قیادت میں مجاہدین نے زوردار حملہ کیا، اللہ تعالی کا کرم تھا کہ عین معرکہ کی حالت میں آپ کی مدد کے لئے تین طرف سے مسلمانوں کی کمک پہنچ گئی تھیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ کرنل نور احمد صاحب علی تانجوی اور مسٹر عمرہ میاں صاحب کی قیادت میں منگڈو کے مجاہدین کی ایک بھاری جماعت جانب مغرب سے جنرل صاحب کے ساتھ آ شامل ہوگئی تھی۔

۲۔ اے ایس ڈی اسماعیل داؤد شاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب کی قیادت میں بوسیدنگ کی سمت جنوب سے مجاہدین کی دوسری بڑی جماعت جنرل کے سے آملی تھی۔

۳۔ عبدالمجید رواسوگری معروف بہ لنگڑا راجا کی قیادت میں شمال بوسیدنگ سے مجاہدین کی بھاری تعداد جنرل صاحب کی مدد کو آنکلی تھی۔

اب مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہوگیا ور جنرل صاحب کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے شہر بوسیدنگ پر ایسا حملہ کیا کہ مگھ اور تھکین درندوں نے مجاہدین کے مسلسل حملوں کی تاب نہ لاکر بھاگنے کو عافیت سمجھا اور دو بحری جہاز پر سوار ہوکر دریائے مایو کے راستے اکیاب کی طرف بھاگ نکلا تھا، لیکن جنرل صاحب اور ان کے ساتھی مجاہدین نے ان دونوں جہازوں پر تاک لگا کر حملہ کر دیا تو رنگیادنگ کے مقام پر دونوں جہاز ڈوب گئے تھے۔

بوسیدنگ کی یہ فتح دراصل ۱۹۴۲ء میں تمام ارکانی مسلمانوں کی فتح تھی، جس کے بعد یہاں کے مسلمانوں نے ''پیس کمیٹی'' نامی ایک انجمن کی تشکیل دی، جس میں جنرل میر احمد صاحب ایک طرف بوسیدنگ ٹاؤن شپ کے صدر مقرر ہوئے تو دوسری طرف مرکزی چیف آف کمانڈر۔

۱۹۴۵ء میں دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر برطانوی حکومت دوبارہ ارکان آئی تو جنرل صاحب اور ان کی جماعت کے سرکردہ لیڈروں کو خراج تحسین پیش کرنے کے بجائے حراست میں لے لیا گیا، اور ہندوستان لے جا کر کہیں قید کر دیا گیا تھا، اور اس ظلم و عدوان کے خلاف ارکانی مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا تو ان کو رہا کر دیا گیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں ارکانی مجاہدین نے علم جہاد بلند کیا تو جنرل صاحب نے ان کا بھرپور ساتھ دیا، ۱۹۵۰ء میں محمد جعفر قوال کی شہادت کے بعد اگر چہ جنرل صاحب حد درجہ پریشان تھے لیکن مجاہدین کے دونوں دھڑوں:

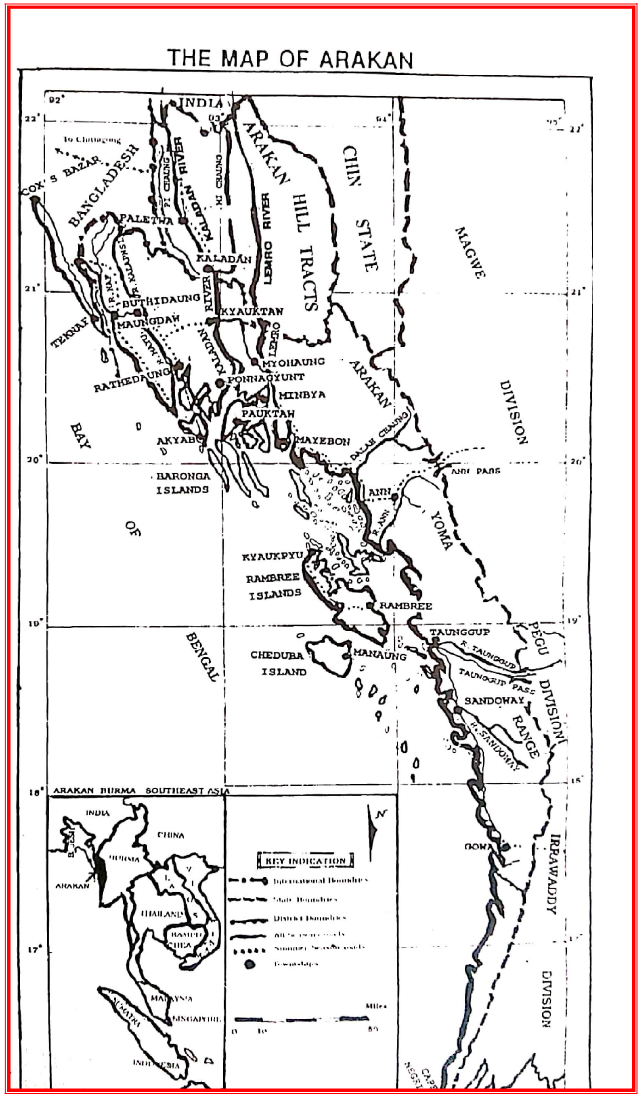
۱۔ محمد عباس سیندنگی کی زیر قیادت مجاہدین کا شمالی دھڑا۔

۲۔ محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی زیر قیادت مجاہدین کا جنوبی دھڑا۔

کے درمیان مفاہمت کرانے کی مقدور بھر کوشش کی تھی، گو کہ ان دونوں میں مفاہمت نہ ہوسکی، لیکن جنرل صاحب نے دونوں دھڑوں کا یکساں طور پر تعاون کیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں بدنام زمانہ برمی جنرل نیون کی سربراہی میں ملک میں مارشل لاء کا نفاذ ہوا تو جنرل

صاحب کے لئے اپنے وطن میں جینا دوبھر ہوگیا تھا،تو انہوں نے مع اہل وعیال ہجرت کی اور ارکان بنگلادیش کے سرحدی علاقہ شاہی فریر دیپ میں مقیم ہوگئے، جہاں لک بھگ ۱۹۷۲ء میں ان کا انتقال ہوگیا،اناللہ وانا الیہ راجعون۔



تیسرا باب

ولادتِ باسعادت:

سرزمین ارکان کے عظیم قائد انقلاب، مخلص مردِ مجاہد ورہنمائے قوم وملت حضرت محمد جعفر بن حبیب الزمان چوہدری بن ابوالخیر (بلی) بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی ولادتِ باسعادت ۱۹۳۹ء میں قصبہ علی چنگ کی معروف ومردم خیز بستی بیولہ فارہ (کجافہ) میں ہوئی، پچھلی سطور میں حضرت کے خاندان کا تعارف اجمالی طور پر سہی درج کردیا گیا ہے،اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ علی چنگ جسے حضرت قائد کے علاوہ بڑے بڑے بزرگان دین متین، بہتوں دعاۃ ومرشدین، علمائے کرام ودانشوران عظام اور خدامان ملت وقوم کی جنم استھان اور آماجگاہ ہونے کی سعادت حاصل ہے،اس کا مختصر تعارف دیا جائے۔

قصبہ علی چنگ:

ارکان کے حوالے سے کہنے والے مورخین اور بعض قلم کاروں کے مطابق قصبۂ علی چنگ ارکان کا بہت ہی پرانا قصبہ ہے،جس کی تاریخ بڑی لمبی اور جس کی داستان بڑی طولانی ہے،اس قصبہ کی پرانی اور بہت پرانی بستی بیولہ فارہ (کجافہ) جسے حضرت قائد جیسے دیگر بزرگان دین اور خدامانِ ملت وقوم پیدا کرنے کی سعادت حاصل ہے میں ایک پرانا بازار جوصدیوں سے بڑی شان وشوکت سے چلا آرہا تھا، دراں حالیکہ ارکان کا حالیہ شہر بوسیدنگ کی اتنی حیثیت نہیں تھی جتنی آج کل ہے،گئی صدی کی ابتدائی دہائیوں میں بوسیدنگ شہر پوری شان وشوکت کے ساتھ بس جانے کے بعد وہ بازار بالکل بند ہوگیا تھا،

تاہم شنید ہے کہ آج کل یہاں یہ بازار دوبارہ بس گیا اور کسی قدر بارونق اور چالو بھی ہو گیا ہے۔

قصبہ علی چنگ کو ارکان کے ان پرانے قصبوں میں شمار کیا جاتا ہے جن پر دوسری صدی میں نہ ہو تو کم سے کم تیسری صدی ہجری میں اسلام کی روشنی پڑی اور داعیانِ اسلام نے ان پر قدم رنجہ فرمایا تھا، جس طرح عرض کی جاچکی ہے کہ اس قصبہ کی تاریخ بڑی پرانی اور اس کی داستان کافی طولانی ہونے کی وجہ سے مورخین اس قصبہ کو روہنگیا قومی تاریخ کے حوالے سے گویا گہوارہ مانتے ہیں۔

زمانۂ قدیم سے اس قصبہ کے مذکورہ بازار کے مقام پر ہر سال اپریل میں ایک میلہ لگتا تھا، جو بارہ اپریل سے شروع ہو کر اگلے پانچ چھ دن تک چلتا تھا، جہاں موج مستیوں اور خوشیوں کے حوالے سے دیگر سرگرمیوں کے ساتھ کشتی بازیوں کا مقابلہ ہوتا تھا، نہ صرف اطراف واکناف اور ملک کے دیگر حصوں سے بلکہ مشرقی بنگال کے مختلف مقامات سے بھی بڑے بڑے پہلوانان اور نامور کشتی بازان یہاں آتے اور اپنے اپنے جواہر اور قوت بازو کے مظاہرے کرتے ہوئے تمغات حاصل کرتے تھے، اس میلہ کو ارکان اور بنگال کے لوگ ''فقیر ربلی کھیلا'' کہتے تھے، تاہم اس بات کا ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ آیا اس میلہ کا رواج کس فقیر نے ڈالا تھا۔

غالباً ۱۹۷۶ء یا اس کے ایک سال بعد ارکان کے علمائے کرام اور داعیانِ عظام نے اس قومی اور تاریخی میلہ کو کالعدم کر کے ٹھیک اسی مقام پر اور اسی تاریخ میں ایک دینی، دعوتی اور تبلیغی اجتماع کا رواج ڈالا تھا، لیکن چند سال جاتے نہ جاتے برمی غاصب اور متعصب شر پسند حکومت نے اسے بند کر دیا۔

عرصۂ قدیم سے جس طرح اس مذکورہ بلی کھیلا کی وجہ سے اس قصبہ کی شہرت عام تھی، ٹھیک اسی طرح اس دینی اجتماع کی وجہ سے اس سے کہیں بڑھ کر اس قصبہ کی شہرت ہو چکی تھی، اس دعوتی اجتماع کو اس زمانے میں ملک بھر کا سب سے بڑا اجتماع مانا جاتا تھا، جس میں نہ صرف سرزمین ارکان کے علماء ودعاۃ، دانشوران اور عام مسلمان جمع ہوتے بلکہ برما کے دیگر علاقہ جات سے عموماً اور دار الحکومت رنگون سے خصوصاً بڑے بڑے داعیانِ اسلام شریک ہوا کرتے تھے، جن کی تشریف آوری سے یہ قصبہ دعوت دین کی روشنی اور علم وعمل کی ضیا پاشی سے منور ہو جاتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ اس علاقے میں نور الٰہی کا پو پھٹا ہو، جو نہ صرف اس خطے کو بلکہ اطرافِ عالم کو بھی تاباں کر رہا ہو۔

علی چنگ کا قصبہ صدیوں سے بڑے بڑے علمائے کرام، مشاہیر عظام، داعیوں، مبلغوں درویشوں اور اولیائے کرام کی آماجگاہ رہا ہے، ہمارے زمانے میں بھی یہاں چند ایسے علمائے کرام تھے، جن کی ذات وشخصیت اور خدماتِ قومیہ وملیہ نے نہ صرف اس قصبہ کو جلا بخشا بلکہ ان کے علم وعمل کی روشنی اور ضیا پاشی نے پورے خطے کو تاباں اور منور کیا تھا، جن میں سے درج ذیل حضرات ناقابل فراموش ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مظہر الحق صاحب باغگونویؒ۔
۲۔ حضرت مولانا مفتی ابوالفضل صاحب لمبابیلیؒ۔
۳۔ حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب باغگونویؒ۔
۴۔ حضرت مولانا قاضی عبدالہادی صاحب لمبابیلیؒ۔
۵۔ حضرت مولانا فیض الرحمٰن صاحب باغگونویؒ۔
۶۔ حضرت مولانا شاہ ابوسعید صاحب ہولی مرنگیؒ۔
۷۔ حضرت مولانا مستفیض الرحمٰن صاحب باغگونویؒ۔
۸۔ حضرت مولانا علی جوہر صاحب باغگونویؒ۔
۹۔ حضرت مولانا حافظ محمد میاں صاحب علی چنگیؒ۔

ان مذکورہ علمائے کرام کے علاوہ بھی اور بہت سارے علمائے کرام پائے جاتے تھے، جنہیں طوالت کے خوف سے یہاں نہیں لایا گیا ہے۔

بوسیدنگ شہر کے جنوب میں واقع اس قصبہ میں چند معروف بستیاں صدیوں سے آباد ہیں، جن میں سے بڑے بڑے نام یہ ہیں:

۱۔ باغگونہ۔
۲۔ بیولہ فارہ (کجافہ)۔
۳۔ مرونگنا۔
۴۔ لمبابیل۔
۵۔ منی بیل۔

۶۔ ازولی فارہ۔

۷۔ علی چنگ۔

ظاہر ہے کہ ان مذکرہ بستیوں میں سے ایک بستی کا نام علی چنگ بھی ہے، لیکن صدیوں سے ان تمام مذکورہ بستیوں کے مجموعہ کو علی چنگ کہا جاتا ہے، اور علی چنگ کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور کیوں ہے، اس کی تفصیلات بڑی طولانی ہیں، یہاں طوالت کے خوف سے نہیں لائی جارہی ہیں۔

مذکورہ ان تمام بستیوں میں ہر کہیں مساجد ومکاتب دینیہ کا جال بچھایا ہوا ہے، علاوہ ازیں قدیم زمانے میں مذکورہ بازار کے تقریباً متصل جنوب میں ایک دینی درسگاہ تھی، جو بعد میں ختم ہوگئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت مولانا حافظ محمد میاں صاحبؒ کو، ان کی کوشش سے غالباً ۱۹۸۹ء میں یہ درسگاہ دوبارہ زندہ ہوگئی، جس میں پہلے پہلے ابتدائی اور متوسطہ تک کی تعلیم ہوتی تھی، جس سے ملحق ایک حفظ خانہ بھی ہے، مگر اگلے چند سال گزرتے نہ گزرتے دورہ حدیث تک کی تعلیم شروع ہوگئی تھی، لیکن ابھی نہایت افسوس کا مقام ہے کہ برمی ظالم حکومت نے ارکان بھر کے دیگر مدارس اسلامیہ کی طرح اس پر بھی تالا لگا رکھا ہے، اللہ معلوم اسے دوبارہ کھولنے کی نوبت کب آئے گی؟ یہاں قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زمزمہ کب بلند ہوگا؟؟۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ علی چنگ کا یہ قصبہ اولیاء اللہ اور درویشوں کی آماجگاہ رہا ہے، کتنے اولیاء اور درویشان اس مقدس خاک میں مدفون ہیں ان کی نہ حد ہے اور نہ حساب، جن میں آج بھی چار بزرگوں کے مزارات زیارت گہِ خاص وعام ہیں، ان میں سے دو جن کے تذکرے پچھلی سطور میں گزر چکے، وہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالباری معروف بہ بڑے مولوی صاحب بیولہ فاروقیؒ۔

۲۔ حضرت مولانا حافظ مخلص الرحمٰن صاحب بیولہ فاروقیؒ۔

باقی جن دو تاریخی بزرگان دین کے اجمالی تذکرے یہاں کر دیئے جارہے ہیں وہ ہیں:

۱۔ حضرت اقدس خیر اللہ شاہ صاحب مرنگناویؒ۔

۲۔ حضرت اقدس کرم علی شاہ صاحب باغگونویؒ۔

حضرت خیر اللہ شاہ صاحب مرنگناویؒ:

یہاں کے بزرگوں کی روایت کے مطابق حضرت خیر اللہ شاہ صاحب مرنگناویؒ کا اصلی تعلق شہر بلخ سے ہے، کہتے ہیں کہ آپ بلخ کے شہزادے تھے، دینی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے کسی ایک بزرگ کے ہاتھ میں بیعت کی اور طویل ریاضت ومجاہدہ کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا گیا، اور خلافت عطا ہونے کے بعد آپ کو اپنے شیخ نے ارکان کی سرزمین سپرد کی یوں آپ دعوت دین اور اشاعتِ اسلام کی خاطر ہندوستان ہوتے ہوئے ارکان پہنچے اور علی چنگ کو اپنی دعوت کے لئے مستقر بنایا تھا۔

یہاں والوں کی عام رویت کے مطابق آپ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، یہاں پہنچنے کے بعد آپ نے مسلسل چند سالوں تک دشت پیمائی کی، کبھی دیہاتوں اور جنگلوں میں پھرتے رہے، لیکن جہاں بھی گئے علم وعرفان کی شمعیں جلائیں، بالآخر مرنگنا (علی چنگ) میں بیٹھ گئے، اور عرصۂ دراز تک دعوتی سرگرمیاں کرنے کے بعد آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

بستی مرنگنا بستی باغگونہ کے جنوب میں مغرب سے مشرق کی طرف رینگتا ہوا ایک چھوٹے سے نہر کے دونوں کناروں پر صدیوں سے آباد ایک قدیمی مسلم بستی ہے، جس کے بالکل آخری مغربی سرا میں کوہِ مایو کے پر رونق اور سدا بہار ڈھلوان پر ایک ٹیلہ ہے، جس پر حضرت کا مزار پاک اب بھی مرجع خاص و عام ہے، یاد رہے کہ حضرت کا مزار اب بھی بستی سے دور واقع ہے، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کبھی آپ نے یہاں پہنچنے کے بعد دشت پیمائی کی ہوں۔

مقامی لوگوں کی روایت کے مطابق حضرت خیر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ کے عالم دین حافظ قرآن کریم، داعی الی اللہ، مرشدِ کامل اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ نے اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل پر صرف اور صرف دعوتِ دینِ متین اور خلقِ خدا کی ہدایت ورشد کی خاطر ترک وطن کیا اور ارکان میں جلوہ افروز ہوئے، کہتے ہیں کہ آپ یہاں پہنچنے کے بعد پہلے پہلے بیعت وتلقین سے گریز کیا کرتے تھے، لیکن بعد میں بیعت وتلقین کا سلسلہ بڑی شان سے شروع کیا تھا۔

روایت ہے کہ لوگوں کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کرنے سے تھوڑے عرصہ پہلے تک آپ دعوت و

ارشاد اور پند ونصیحت پر اکتفاء کیا کرتے تھے، لیکن اس دوران اللہ تعالی کی قدرت وکرشمہ سے حضرت شاہ صاحب سے یکے بعدے دیگرے چند کرامات اور خرقِ عادتیں صادر ہوئیں تو لوگ آپ کے پیچھے ہو گئے اور آپ کے مرتبے اور شان کو جان کر آپ سے بیعت کے لئے اصرار پر اصرار کرنے لگے تھے، بالآخر آپ نے بیعت وارادت کا سلسلہ شروع کیا اور لوگ پے در پے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے تھے، روایت یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کے حلقۂ ارادت میں انسانوں کے علاوہ جنات کی بھی ایک بڑی جماعت تھی، ویسے کہتے ہیں جنات اور ان کی اولادیں اب بھی آپ کی زیارت کو آیا کرتی ہیں، اس حوالے سے بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی عینی مشاہدات کے احوال بیان کئے ہیں، حتی کہ یہاں تک بتایا ہے کہ بطور خاص رات کو ڈھور ڈنگروں کی شکل میں جنات یہاں زیارت کو آتے ہیں، اس لئے رات یہاں اب بھی خاص مجاور کے سوا کسی انسان کا ٹھہرنا آسان نہیں ہے۔

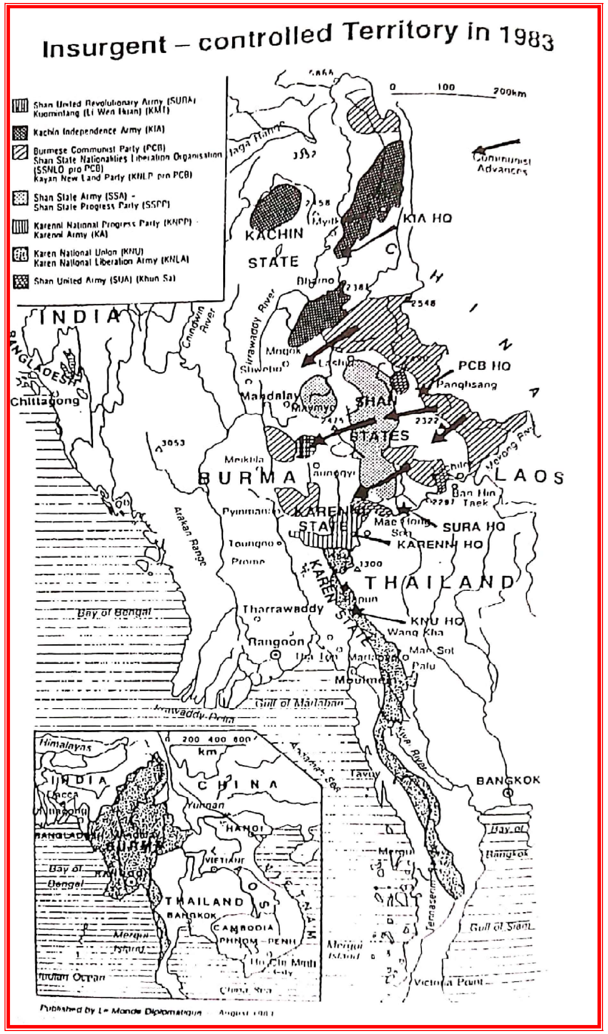
دوسری ایک روایت یہ بھی ملی ہے کہ آپ جب ہندوستان سے ہو کر چاٹگام پہنچے تو وہاں کے چند دن کے قیام کے دوران آپ سے چند کرامات ظاہر ہو گئیں، جس کے بعد ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد آپ اپنے بہت سارے مریدین ومتعلقین سمیت ارکان آئے اور قصبۂ علی چنگ کو اپنی دعوت وارشاد کا مرکز بنایا، پھر آپ کے بہت سے خلفاء یہاں سے آپ کے حکم پر ارشاد و تلقین کے لئے ارکان کے دیگر علاقہ جات میں پھیل گئے تھے۔

آپ نے بستی مرنگنا والے اس مذکورہ ٹیلے کو اپنے خانقاہ کا درجہ دیا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک اسی خانقاہ میں بیٹھ کر دین ودعوت اور تبلیغ وارشاد کا کام کیا تھا، یہیں آپ کی وفات ہوئی اور اسی ٹیلے میں مدفون ہوئے۔

پتہ چلا کہ آپ ایک بلند مرتبہ کے صاحب نسبت اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے، مقامی روایت کے مطابق آپ بڑے متواضع، منکسر المزاج، حکیم اور دانا بھی تھے، آپ ہر حال میں لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوا کرتے تھے، بڑے حق شناس، رحم دل، اور سخی بھی تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے دربار سے کوئی بھی انسان خالی ہاتھ نہیں جاتے تھے، کسی بھی قیمت پر آپ لوگوں کو سہارا دیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ کسی بھی مصیبت اور آزمائش کے حالات میں

آپ کے مزارِ پاک میں حاضری دیتے، آپ کے توسل سے خود بھی دعائیں کرتے اور دوسروں سے دعائیں کراتے تھے، تاہم یہاں اس بات کا برملا اظہار کر دیتا ہوں کہ میں سر دست اس مسئلہ پر الجھنا نہیں چاہتا کہ آیا توسل کا مطلب کیا ہے، توسل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ یہاں اس مقام پر میں ایک راوی ہوں، لوگوں کے حالات من وعن بیان کرنے والا ہوں بس۔



حضرت کرم علی شاہ صاحبؒ:

مقامی لوگوں کی روایت کے مطابق سولہویں صدی عیسوی کے نامور علی چنگی بزرگ حضرت کرم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب نسبت وصاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، جن کی جائے پیدائش کے حوالے سے یہاں تین روایات پائی جاتی ہیں:

۱۔ یہاں کے مقامی بعض لوگوں کے مطابق آپ کا خاندان اور آپ کی جائے پیدائش کیوکتو یا کیوکپر و تھی، آپ کا خاندان وہیں رہ گیا اور صرف خلقِ خدا کی رشد وہدایت کی خاطر آپ علی چنگ آئے اور آخر کار یہاں کی خاک کو اپنے مبارک سینے سے لگالیا۔

۲۔ بعض مقامی لوگوں کے مطابق آپ کے خاندان کا اصلی تعلق علی چنگ سے ہے، کسی زمانے میں آپ کے خاندان کے کچھ بزرگ نقل مکانی کر کے کیوکتو یا کیوکپر و گئے اور آپ وہیں پیدا ہوئے، اور بعد میں آپ نے اپنے اصلی آبائی علاقے کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا۔

۳۔ لیکن مذکورہ دونوں روایات سے ہٹ کر بعض مقامی محققین کا کہنا ہے کہ آپ کے خاندان کا تعلق کیوکتو یا کیوکپر و سے تھا اور نہ آپ کی پیدائس وہیں ہوئی، بلکہ کبھی بھی آپ ان علاقہ جات کی طرف نہیں گئے تھے، غرض آپ اور آپ کے خاندان کا تعلق علی چنگ سے ہے، اور آپ کی پیدائش بھی یہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ آپ کا مدفن بھی یہیں ہے۔

مقامی محققین کے مطابق آپ کی تعلیم وتربیت علی چنگ میں ہوئی، شاید یہاں کی مقامی کسی بزرگ یا اپنے استاد کی تعلیم، تربیت اور توجہ کا اثر ہو کہ طالب علمی کے دوران پر تصوف کا غلبہ ہوا اور آپ پر جذب و مستی کا حال طاری ہو گیا تھا، بعد میں اس میں کافی کمی آئی اور آپ نے دعوت وارشاد کی طرف توجہ دی تھی۔

بعض محققین کا کہنا یہ بھی ہے کہ آپ نے کچھ دینی تعلیم کے حصول کے بعد علاقے میں اس زمانے میں پائے جانے والے بہتوں بزرگان دین کے دربار میں حاضریاں دیں، بالآخر ایک بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت کے بعد آپ دعوت وارشاد کے کاموں میں مگن ہو گئے تھے۔

کچھ مقامی لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ علاقے سے کچھ دینی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے مشرقی بنگال کا سفر کیا اور چاٹگام کی کسی خانقاہ سے مستفید ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کر کے وطن واپس آئے اور

اپنے آبائی علاقے کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا۔

جہاں تک پتہ چلا کہ آپ پر زندگی کے آخری ایام تک کبھی کبھار جذب ومستی کا حال طاری ہوتا رہا تھا، ایسی حالت میں آپ اکیلے جنگل کو نکل جاتے تھے، پھر جبھی افاقہ ہوتا تو آپ دوبارہ اپنے مستقر میں لوٹ آتے اور رشد وہدایت کے ماموں میں مگن ہو جاتے تھے۔

جو کچھ بھی ہو کہ یہ حقیقت ظاہر ہے کہ آپ نے خلق خدا کی رشد وہدایت کے لئے محلّہ مورا فارہ با غگو نہ کو مرکز بنایا تھا اور اسی بستی کے تھوڑے فاصلے پر جانبِ مغرب نہر ''کیتا کیا'' کے قریب کسی قدر ایک ویران جگہ میں آپ نے اپنی خانقاہ تعمیر کی، اور زندگی کے آخری ایام تک اسی خانقاہ میں بیٹھے خلق خدا کی ہدایت ورشد کا سلسلہ جاری رکھا اور آخر کار یہیں وفات پائی اور یہیں کی خاک کو اپنے مبارک سینے سے لگالیا۔

جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگوں کو بیعت کے ذریعے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کرتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے بہت سارے خلفائے کرام ارکان کے دیگر علاقہ جات میں پھیل گئے اور ان ساروں نے رشد وہدایت کے ذریعے دینی وروحانی فریضے انجام دیئے تھے۔

روایت جہاں تک سنی گئی اس کے مطابق حضرت کرم علی شاہ صاحب ایک قابل قدر شیخ طریقت اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، اس حوالے سے میں نے بہت ساری کہانیاں سن رکھی تھیں، لیکن طوالت کے خوف سے یہاں درج کرنے سے قاصر ہوں۔

بہر حال آپ کے مزار پاک یہاں اب بھی جوں کا توں موجود ہے، نہ صرف علاقے کے لوگ بلکہ دور دراز کے علاقہ جات سے بھی لوگ آپ کی زیارت کو آتے رہتے ہیں۔

حضرت کرم علی شاہ صاحب کے خاندان اب بھی اس بستی میں موجود ہے، جس میں سے چند نامور علمائے دین متین ہمارے زمانے میں بھی موجود تھے، یہاں جتنی باتیں درج کی گئی ہیں سب کے سب ان علمائے کرام کی زبانی ملی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت اور حضرت کے خاندان کے تمام علمائے کرام کو مزید دین کی خدمات کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

بچپن اور نشو ونما:

محمد جعفر حبیب کا بچپن اپنی آبائی بستی بیولہ فارہ میں گزرا، یہاں آپ کا نشو ونما ہوا اور یہاں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی تھی۔ چوں کہ آپ ایک صاحب ثروت، زمیندار چوہدری خاندان کے چشم و چراغ تھے، تو آپ کا نشو ونما بڑی شان وشوکت سے ہوا، گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی، یوں بڑے ناز ونعمت میں آپ کی پرورش ہوئی تھی۔

ہمارے یہاں کی ایک کہاوت ہے کہ ''اڑنے والے پرندے گھونسلے ہی میں پڑ پڑاتے ہیں'' ویسے بچپن ہی سے آپ کی طبیعت گاؤں کے عام بچوں سے مختلف تھی، اچھلنا کودنا، چیخنا چلانا شاید ہی آپ کی طبیعت میں تھی، ظاہر ہے کہ بچے عام طور پر کھیلنے کودنے سے دل چسپی لیا کرتے ہیں، لیکن آپ کو کھیلنے کودنے سے زیادہ لکھنے پڑھنے اور سوچنے اور فکر کرنے سے دل چسپی رہی تھی، تاہم ہم جھولیوں کے اصرار پر کبھی کبھار ان کے ساتھ کھیل کود میں شریک بھی ہوتے تھے، لیکن بہت ہی کم، کہتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں چڑ چڑاہت بالکل نہیں تھی، جو بھی کرتے اور بتاتے بڑے ٹھنڈے دل سے کرتے اور بتایا کرتے تھے، آپ کے اس افتادِ طبع کی وجہ سے بچپن ہی سے آپ کا اپنے دوستوں اور ہم جھولیوں کے درمیان بڑا ہی وزن رہا تھا۔

سب سے بڑی بات یہی ہے کہ موصوف بچپن ہی سے صلح پسند تھے، آپ کو کسی سے لڑنا جھگڑنا آتا ہی نہیں تھا، دوستوں اور ہم جھولیوں سے لڑنا جھگڑنا تو دور کی بات بلکہ دوستوں اور ہم جھولیوں یا دیگر دوگروپوں کے درمیان کوئی فتنہ فساد یا جھگڑا ہو جاتا تو آپ بیچ میں آجاتے اور ان کے درمیان مزید جھگڑا تو روک دیتے اور حتی الامکان کوشش کرتے کہ فریقین کے مابین صلح ہو جائے۔

آپ عام بچوں اور جوانوں نوجوانوں کی طرح دکانوں کے سامنے طول طویل وقت تک کبھی نہیں بیٹھا کرتے تھے، صرف کسی بڑی ضرورت کی بنیاد پر ہی بیٹھتے تھے اور نہ عام لوگوں کی طرح کبھی بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے، آپ کو بچپن میں پڑھائی کے علاوہ گھر اور مسجد سے دل چسپی تھی، بچپن میں آپ اکثر آذان سے پہلے ہی مسجد حاضر ہو جاتے تھے، مسجد کی خدمت آپ کا دلی مشغلہ تھا۔

اساتذہ کی خدمت کرنا، دوستوں اور ہم جھولیوں کے دکھ درد میں شریک ہونا، ضعیفوں اور

ناداروں کی مدد کرنا، مصیبت کے مارے ہوؤں کو تعاون کرنا آپ کا بہت ہی پسندیدہ کام تھا، بعض جاننے والوں کا کہنا ہے کہ آپ اپنی پڑھائی کے زمانے میں کچھ خرچے بچاتے اور ان سے غریب طالب علموں کی مدد کیا کرتے تھے۔

مکتب نشینی:

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت محمد جعفر حبیب کا خاندان علماء، دعاۃ اور خدامانِ قوم کا خاندان ہے، اس خاندان میں اور تو اور قوم کے مسلم بچوں کی دینی اور قرآنی تعلیم دینے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی، اور الحمد للہ آج بھی حال اس سے مختلف نہیں ہے، یہ خاندان مجموعی طور پر جس علاقے پر بسا ہوا ہے وہاں چند مکاتب (فرقانیہ) تھے اور آج بھی ہیں، ان میں سے مسجد سے ملحق ایک مکتب آپ کی جائے ولادت کے قریب ہے، جس میں آپ کی مکتب نشینی ہوئی تھی، یہاں آپ نے دینیات کی مبادیات اور ناظرۂ قرآن کریم کے علاوہ اردو زبان کی ابتدائی چند کتابیں پڑھیں، چوں کہ آپ ذہین تھے، ویسے چند سالوں میں دینیات کی مبادیات کے ساتھ اردو میں کچھ مہارت حاصل کر لی تھی۔

ابتدائیہ اور ثانویہ کی تعلیم:

ابتدائی بنیادی دینی تعلیم تو بستی کے مکتب میں ہوئی تھی، پھر جہاں تک عصری علوم کی ابتدائی تعلیم کا سوال ہے کہ آپ نے ابتدائی عصری علوم کی تعلیم بھی بستی بیولہ فارہ کے سرکاری اسکول میں پائی، جہاں ایک روایت کے مطابق آپ نے تیسری جماعت تک پڑھی تھی۔

اس کے بعد آپ شقدار فارہ منگڈو کے اسکول میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے چوتھی اور پانچویں جماعت پڑھی، کہتے ہیں کہ اسی زمانے سے آپ کے ذہن کو قوم وملت پر آئے دن ہونے والے مظالم نے ستانا شروع کیا تھا، یعنی آپ کے اندر قومی وملی سوچ اسی زمانے سے شروع ہو چکی تھی، جس کا نتیجہ آنے والے دنوں سالوں میں سامنے آیا تھا۔

بہر حال شقد ارفارہ اسکول سے چوتھی اور پانچویں جماعت کی تعلیم پانے کے بعد آپ نے مسلم ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۶ء میں مٹرک کا امتحان یہیں سے پاس کیا تھا۔

نٹرڈیم کالج ڈھاکہ میں:

۱۹۵۶ء میں آپ نے مسلم ہائی اسکول سے مٹرک پاس کرنے کے بعد ڈھاکہ (بنگلا دیش) کی مشہور و معروف دانش گاہ ''نٹرڈیم کالج'' (NATREDAME COLLEGE) میں داخلہ لیا، یہ کالج اسی زمانے میں پورے برصغیر نہ کہوں تو پورے بنگال میں تعلیمی معیار کے اعتبار سے بہت ہی نامور تھا۔

اس کالج کی تاسیس ڈھاکہ میں ۱۹۴۹ء میں ہوئی، بعض ذرائع کے مطابق اس زمانے میں اور آج بھی عصری علوم کے حوالے سے یہ ایک اعلی درجہ کا تعلیمی ادارہ ہے، جسے ہولی کراس کے دھرم پرچارکوں نے قائم کیا تھا، ۲۰۱۹ء میں اس کالج کی عمر ستر سال ہو چکی تھی، یہ کملا پور اسٹیشن کے قریب آرام باغ موتی جیل میں واقع ہے، اس کالج کا پرانا نام سینٹ گریگوری کالج تھا، جس کا سلوگن ''علم کی روشنی سے محبت کرنا'' تھا، ۲۰۱۹ء میں اس کالج کے طلباء کی تعداد ساڑھے چھ ہزار تھی، جس کا مذہبی تعارف کرسچین کیتھولک گرجا سے دیا جاتا ہے، اور اپنی تاسیس سے لے کر اب تک اس کالج کی پڑھائی کا میڈیم انگریزی اور بنگلہ ہے، ان دونوں زبانوں میں اب بھی اس کالج کی تعلیمی معیار بہت اعلی بتائی جاتی ہے۔

بہر حال محمد جعفر حبیب کو اس کالج کی تعلیمی معیار کو جان کر داخل کرایا گیا تھا، ویسے آپ نے ۱۹۵۹ء میں یہاں سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ چوں کہ یہ کالج اس خطے کا ایک نامور کالج ہے، جس میں ملک کے بڑے بڑوں کے بچے پڑھتے ہیں، ویسے پڑھائی کے دوران محمد جعفر حبیب سے ملک کے بڑے بڑے گھرانوں کے بعض بچوں سے خاصا تعارف ہو گیا تھا جس کا فائدہ آپ کو اپنے تعلیمی زمانے میں اگر چہ کم ہوا لیکن آپ کی سیاسی اور انقلابی زندگی میں اس کا بہت بڑا فائدہ ہوا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی:

۱۹۵۹ء میں نٹرڈیم کالج ڈھاکہ سے انٹرمیڈیٹ کے امتحان پاس کرنے کے بعد آپ مزید حصول تعلیم کے لئے رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے ایک اچھے طالب علم کی حیثیت سے کافی نام پایا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی کی تاسیس ۱۸۷۸ء میں کمایوٹ رنگون (KAMAYUT RANGON) کے مقام پر ہوئی، یہ برما کی سب سے پرانی یونیورسیٹی ہے، جس کا سابقہ نام رنگون کالج ہے، یاد رہے کہ ماضی میں اس کے نام کی چند مرتبہ تبدیلی عمل میں آئی تھی، جو درج ذیل ہے:

۱۔ ۱۸۷۸ء میں اس کا نام رنگون کالج تھا۔
۲۔ ۱۹۰۶ء میں اس کا نام گورنمنٹ کالج تھا۔
۳۔ ۱۹۲۰ء میں اس کا نام رنگون کالج اینڈ یونیورسیٹی دیا گیا تھا۔
۴۔ ۱۹۶۴ء میں اس کا نام رنگون آرٹ اینڈ سائنس یونیورسیٹی دیا گیا۔

رنگون یونیورسیٹی میں جدید تعلیمی سسٹم جاری ہے، اس سے فن، قانون اور سائنس سے پوسٹ گریجویشن، بچلر، اور مختلف علوم وفنون میں ڈپلوما کے علاوہ ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کی گریاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

بہر حال محمد جعفر حبیب نے ۱۹۶۲ء میں رنگون یونیورسیٹی سے بچلر آف آرٹ (BA) کی ڈگری لی، اس کے بعد اسی یونیورسیٹی میں قانون کے لئے داخلہ لیا اور ۱۹۶۴ء میں قانون میں بچلر آف لاء (BL) کی ڈگری حاصل کر لی تھی۔

رنگون یونیورسیٹی میں پڑھائی کے دوران آپ نے کیا کیا قومی خدمات کیں اس کی تفصیلات آگلی سطور میں آرہی ہیں، البتہ یہاں صرف ایک بات کہنے کی ہے کہ آپ کا تعلیمی تعلق منگڈو بوسیدنگ ڈھاکہ اور رنگون جہاں بھی میں ہو، آپ شروع ہی سے قوم کے حالات سے پریشان تھے، قومی ہمدردی تو خاندن سے ورثہ میں ملی، یوں بعض لوگوں کے مطابق آپ اپنی تعلیم کے دوران قومی خیالات سے الگ نہیں رہ سکے تھے، جن کی وجہ سے امتحانات میں کم نمبرات حاصل کر سکتے تھے، یہ بات یہاں کہنے کا

مقصد یہ ہے کہ بعض لوگ آپ پر یہ طعنہ بھی دیتے نہیں تھکتے تھے کہ آپ ایک کند ذہن والے انسان تھے، لیکن یہ بات صحت پر مبنی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ آپ کے بعد کے حالات سے یہ بات سورج کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ آپ بڑے اعلی درجہ کے ذہین ترین انسان تھے، پڑھائی کے دوران بھی جس طرح عرض کی جا چکی ہے کہ آپ کو قومی فکر و سوچ نے نڈھال بنا رکھا تھا اس لئے امتحانات میں کم نمبرات حاصل کر سکتے تھے۔ بہرحال میں نے آپ کی تعلیم کے متعلق ایک جگہ یوں لکھا ہے کہ:

''سرزمین ارکان کے عظیم مرد مجاہد حضرت محمد جعفر بن حبیب الزمان چوہدری کی ولادت ۱۹۳۹ء میں بیولہ فارہ (کجافہ) علی چنگ، بوسیدنگ میں ہوئی، آبائی بستی کے مکتب میں دینیات کی ابتدائی تعلیم پائی، ساتھ ہی ساتھ بستی کی پرائمری سرکاری اسکول سے تیسری جماعت کی تعلیم پا کر شقدار فارہ، منگڈو کے ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۵۲ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کے لئے بنگال کا سفر کیا، اور ڈھاکہ نٹرڈیم کالج سے ۱۹۵۹ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر کے برما کا دارالحکومت رنگون پہنچے، اور رنگون یونیورسیٹی سے ۱۹۶۲ء میں بی اے پھر ۱۹۶۴ء میں بی ایل کی ڈگریاں حاصل کیں، اس کے بعد:

۱۔ ۱۹۶۰ء۔۱۹۶۴ء تک طالب علمی کے دوران یوتھ تحریک سے وابستہ رہے۔
۲۔ ۱۹۶۴ء۔۱۹۶۶ء تک ریف (RIF) کی روح رواں رہے۔
۳۔ ۱۹۶۶ء۔۱۹۷۳ء تک ارکان آزاد فوج (RNLP) میں نائب صدارت کے عہدے پر فائز رہے۔
۴۔ ۱۹۷۳ء۔۱۹۶۷ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا صدر رہے۔
۵۔ ۱۹۸۷ء میں میڈیکل کالج ہسپتال چاٹگام، بنگلادیش میں آپ کا غیر متوقع طور پر انتقال ہو گیا اور سرحدی علاقہ نائکان سری میں آپ کی تدفین ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

دوران تعلیم روہنگیا یوتھ فیڈریشن کی تاسیس:

محمد جعفر حبیب نے ۱۹۵۹ء میں ڈھاکہ نٹرڈیم کالج سے انٹر پاس کیا اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے رنگون گئے، اس کے بعد آپ کی تحریکی زندگی کو مجموعی طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک رنگون میں طالب علم اور یوتھ فیڈریشن سے وابستگی۔
۲۔ ۱۹۶۴ سے ۱۹۶۶ء تک روہنگیا انڈی پنڈنٹ فوس (RIF) سے وابستگی۔
۳۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۳ء تک ارکان آزاد فوج (RNLP) سے وابستگی۔
۴۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۷ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے وابستگی۔

محمد جعفر حبیب نے رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم وہاں پائی جانے والی روہنگیا اور غیر روہنگیا طلبہ تنظیموں کو قریب سے دیکھا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ ان کا نصب العین کیا ہے اور وہ تنظیمیں کس انداز سے ملک کے اندر کام کرنا چاہتی ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہاں کے روہنگیا اور غیر روہنگیا بہت سارے دانشوروں اور قائدین سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان کے ساتھ سیاسی تبادلۂ خیالات بھی کیا تھا، بالآخر آپ نے بعض روہنگیا دانشوروں اور سیاسی سوچ رکھنے والوں کے مشورے سے ایک روہنگیا طلبہ تنظیم کی تاسیس کا فیصلہ کیا، جس کا نام روہنگیا یوتھ فیڈریشن (RYF) دیا گیا، اور جس کا آپ تاسیسی صدر مقرر ہوئے تھے۔

روہنگیا یوتھ فیڈریشن کی تاسیس ہوئی تو اس میں رنگون میں اس وقت پائے جانے والے روہنگیا طلبہ اور نوجوانوں کے علاوہ منگڈو بوسیدنگ اور راکیاب وغیرہ علاقہ جات کے طلبہ اور نوجوانوں نے بھرپور شمولیت کی، یوں اگلے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے اس تنظیم نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی، یوں آپ کی قیادت میں ایک باضابطہ تحریک وجود میں آ چکی تھی، تاہم یہ الگ بات ہے کہ اس یوتھ فیڈریشن نے آگے جا کر روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا روپ دھارا تھا، جس کی قدرے تفصیلات ایک الگ باب میں آئیں گی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک برما میں جمہوری دور کے خاتمے کے ساتھ اگلے سالوں کے لئے فوجی حکومت، مارشل لاء اور کمیونزم یا سوشل ازم کی آمد آمد تھی، جو محمد جعفر حبیب کے سامنے تھی، جس سے آپ

کا ذہن رسا متأثر ہورہا تھا، ویسے ظاہر بھی ہے کہ ۱۹۵۸ء میں بدنام زمانہ ڈکٹیٹر جنرل نیون نے وزیر اعظم اونو کو برطرف کردیا اور بالآخر ۲/ مارچ ۱۹۶۲ء میں جمہوری آئین کو معطل کر کے ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا، یوں اگلے ربع صدی کے لئے نیون ملک وعوام پر مسلط ہوگیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محمد جعفر حبیب رنگون یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بی ایل کی ڈگری کے لئے تعلیمی مراحل طے کررہے تھے، آپ ملک بھر کے طلبہ، دانشوران اور عوام کی طرح بڑے پریشان اور نہایت غم زدہ تھے، فوجی انقلاب آیا تو ہر کہیں لوگ پریشان اور ششدر تھے، کسی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس وقت فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی، جب کہ کل کی بات تھی کہ ملک میں عام انتخابات ہوئے تھے، جس کے نتیجے میں اونو کی جمہوری حکومت پھر سے بحال ہوگئی تھی، اب انقلاب کی خبر یقین میں تبدیل ہوئی تو یونیورسیٹیوں اور کالجوں کے طلبہ سڑکو پر نکل آئے، جس میں محمد جعفر کی قیادت والی ''روہنگیا یوتھ فیڈ ریشن'' کے طلبہ اور نوجوانوں نے بھی بھرپور شرکت کی تھی، لیکن طلبہ اور نوجوانوں کا احتجاجی ریلا بہت آگے بڑھ نہ سکا کہ فوج اس ریلا کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑی ہوگئی تھی۔

چوں کہ اس ریلا میں شریک اکثر طلبہ تھے اور ان کے دل ودماغ سے بھی یہ بات باہر تھی کی فوج ان پر مظالم ڈھائے گی، ویسے ان کی توقعات کے برخلاف فوج نے ان پر گولیوں کی بارش کردی اور قتل عام کا خوفناک سلسلہ شروع کردیا گیا تھا، اور تو اور اس سلسلے میں فوج نے ''طلبہ یونین'' کی بلند و بالا عمارت تک کو ڈائنامائٹ کے ذریعے اڑادیا، جس کے بعد پورے ملک پر خاموشی چھا گئی اور خوف و ہراس کے بھوت نے ملک کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔

ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب کی دور اندیش نگاہ اور ذہن رسا نے اس بات کی گہرائی تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی کہ اب ملک میں جمہوری قانون کے دائرے میں رہتے ہوئی قومی مفاد میں کسی کام کا کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہوچکا ہے، کیوں کہ ملک بھر کی تمام تنظیموں کو معطل کیا جاچکا ہے، اور تمام سیاسی اور نیم سیاسی تنظیموں کی قانونی اور آئینی زبانوں پر تالے لگائے جاچکے ہیں۔

یہاں ایک بات یاد رہے کہ برما کے اس وقت کے آمر مطلق جنرل نیون اس بات سے بخوبی واقف

تھا کہ بودھ مت کوئی سچا مذہب نہیں ہے، اسی لئے اس کے ماننے والوں کی طرف سے برمی سوشلسٹ نظام کے خلاف کسی قسم کی بڑی مزاحمت کی کوئی توقع نہیں، جب کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس کے اندر باطل سے ٹکرانے کی صلاحیات موجود ہیں، اس لئے اس کو خدشہ تھا کہ مسلمان اس نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور برمی سوشلسٹ نظام کے خلاف شدید مزاحمت کریں گے، اس لئے نیون نے اب کی بار بزور طاقت مسلمانوں کو دبانے کی کوششیں تیز سے تیز تر کردیں، اور بطور خاص مسلمانوں کو دبانے کے لئے ہر حربے اور ہر وسائل کا استعمال کیا تھا۔

اب ملک کے ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب کے لئے اپنی تنظیم ''روہنگیا یوتھ فیڈ ریشن'' کی کسی بھی سرگرمی کو آگے بڑھانے کی گنجائش نہیں تھی، اب آپ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو ان کی دو آرا سامنے آئیں:

۱۔ بعض مشیروں کے خیال میں ملک کی یہی حالت چند مہینوں سے آگے نہیں جائے گی، اور ملک دوبارہ جمہوریت کی طرف لوٹ آئے گا، تو ضروری ہے کہ ''روہنگیا یوتھ فیڈ ریشن'' کے پروگراموں کو خفیہ طریقے سے چالو رکھتے ہوئے اور تھوڑا انتظار کیا جائے۔

۲۔ بعض دور اندیش مشیروں کا کہنا تھا کہ ملک میں بزور طاقت یہ چالو شدہ نظام قریبی مدت میں ختم ہونے والا نہیں ہے، اور اس کے سر پر جو آمر مطلق سوار ہوچکا ہے وہ ایک بڑی عفریت ہے، جسے آسانی سے ہٹانا ناممکنات میں سے ہے، نیون کے لالے پالے غنڈے ہر کجا دندناتے پھر رہے ہیں، اس پر مستزاد خفیہ ایجنسی کے کارندے ہر کہیں پھیلے ہوئے ہیں، تو ایسے حالات میں ''روہنگیا فیڈ ریشن کے پروگراموں کو اگرچہ خفیہ طریقوں پر کیوں نہ ہوں، چالو رکھنا ممکن نہیں ہے، اگر ہم اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے تو خدا نہ کرے کہ ہم ضرور پکڑے جائیں گے۔

محمد جعفر حبیب کو مؤخر الذکر رائے پسند آئی، یوں آپ نے فیصلہ کیا کہ پڑھائی کے اختتام تک انتظار کیا جائے، تاہم آپ نے یہ بتایا کہ ہمارے لئے اس درمیانی مدت میں افرادی قوت کو خفیہ طریقے سے منظّم کرنا ناگزیر ہے، تاکہ اگلے عرصے میں ہماری تحریک ایک مضبوط قوت بن کر ابھر سکے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ محمد جعفر حبیب کے کچھ ساتھیوں کا یہ بھی مشورہ تھا کہ سردست ہم

برمی سوشلسٹ پارٹی (BSPP) میں شامل ہو جائیں، جس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اس سے کام کرنے کے طریقے سیکھ جائیں گے، اور دوسرا فائدہ یہ بھی ہونے کا امکان ہے کہ برمی خفیہ ایجنسی اور آمر مطلق نیون کے کارندوں کو ہم پر کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہوگا کہ ہم اس کے مخالف ہیں، لیکن محمد جعفر حبیب نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا کہ:

''یہ نظام اور اس نظام کے تحت چلنے والے پروگراموں سے کسی بھی مثبت تعلیم و تربیت کی توقع نہیں کی جا سکتی، بلکہ منفی تعلیم و تربیت کا خدشہ یقینی ہے، اس نظام کے اندر رہ کر کام کرنے والوں کا ذہن بگڑ کر انسانیت، اخلاق اور فطرت انسانی کے خلاف ہو جاتا ہے، اور تو اور دنیا میں جہاں کہیں بھی یہ غیر فطری، غیر انسانی اور غیر اخلاقی نظام چالو ہو گیا ہے وہاں یہ حقیقت سورج کی طرح عیاں نظر آ رہی ہے کہ بطور خاص اس میں شامل ہونے والے اسلام کے دشمن بن جاتے ہیں، تو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اسلام اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ملت وقوم کے مفاد میں ہر ممکنہ کوششیں کیا کریں، ہم اپنے دین اور اخلاق کو داؤ پر لگا کر ملت وقوم کی کونسی خدمت انجام سکتے ہیں؟ اور یاد رہے کہ قومی وملی خدمات کے نام پر اس پروگرام میں شامل ہونے سے اچھا ہے کہ ہم خاموش ہو کر بیٹھ جائیں''۔

۱۹۶۲ء اور اس کے بعد برمی آمر مطلق جنرل نیون نے ملک میں کیا کچھ کیا، اس کے متعلق محترم محمد الیاس انصاری صاحب نے اپنی تصنیف ''ارکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی'' میں بہت تفصیل سے لکھا ہے، ان کے علاوہ ہماری بہت ہی قابل احترام صحافی اور قلم کار شخصیت حضرت مولانا سیف اللہ خالد صاحب (اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت کرے اور ان کی قبر پر باران رحمت برسائے) نے اپنے ماہِ نامہ یا سہ ماہی اور دیگر تصانیف میں اتنا کچھ لکھا ہے کہ میرے ناقص خیال میں ان کے بعد کسی دیگر کو اس متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بایں ہمہ اس حوالے سے راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' کے کچھ اقتباسات بھی ملاحظہ کیجئے:

''برما میں سوشلسٹ پروگرام کے تحت ساری بڑی صنعتیں، بنک، ملکی اور غیر ملکی تجارت، ذرائع آمد ورفت اور ذرائع ابلاغ ریاست کے نوکر شاہی کے حوالے کر دئے گئے اور ہر قسم کی تقریر و تحریر اور اظہار خیالات وآراء پر پابندی لگا دی گئی، اور تدریجاً دنیا کے دیگر سوشلسٹ ممالک کی طرح یہاں بھی عوام میں مایوسی، غفلت اور اداسی چھا گئی تھی، معیار زندگی گرتی جا رہی تھی، ملک کو دنیا سے کاٹ کر الگ کر دیا گیا تھا، اس نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فوج کے ہاتھ میں ذمے داریاں سونپی گئیں، یوں فوج ملک کے سارے کارخانوں اور زمینوں کی منتظم بن گئی تھی، فوج کے حکم پر کارخانوں اور زمینوں میں کام چل رہا تھا، فوج جیسی منصوبہ سازی کرتی پورا شعبہ اس پر عمل کرنے کا پابند تھا، زراعت کا انتظام، نصابِ تعلیم کی ذمہ داری، پیداوار کی تقسیم وخرید وفروخت غرض ہر شئی پر فوج کا آمرانہ کنٹرول ہو چکا تھا، یوں ناتجربہ کار فوجیوں نے ملک کا بیڑا غرق کر دیا، نہ صنعت باقی رہی اور نہ زراعت چاول پیدا کرتی رہی، اس نظام حکومت کے قیام کے بعد چند سال کے اندر ہی عوام چاول کے ایک ایک دانے کو ترس گئے، ایسا ایک ملک جو دنیا کو چاول برآمد کرتا تھا اب وہاں چاول درآمد کیا جانے لگا تھا، سول انتظامیہ میں ستر فی صد فوجی بھرتی کر دئے گئے، جن کو سول زندگی کا کوئی بھی تجربہ نہ تھا، کیوں کہ وہ افراد جن کو صرف جنگی مہارت سیکھنے کے لئے بھرتی کئے جاتے ہوں، ان کو اپنی جنگی اور فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ سول زندگی چلانے کی تربیت کہاں دی جاتی ہے؟ تو اب نتیجہ یہی نکلا کہ ملک میں بدامنی، افراتفری اور غارت گردی عام ہو گئی، چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں، یوں ملک اندر ہی اندر کھوکھلا ہو کر بس تھوڑے عرصے میں چار عرب ڈالر کا مقروض ہو گیا تھا، لیکن باہر کی دنیا کو برما کے ان حالات کی کوئی خبر تک نہیں ہو پائی تھی، کیوں کہ پریس اور ذرائع ابلاغ پر حکومت کا پورا قبضہ اور کنٹرول تھا''۔

اور آگے لکھا گیا ہے کہ:

''اس آمر مطلق جنرل نیون نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے کر لوگوں کی زبانوں پر پابندی لگادی، حکومت آئین میں اپنی اغراض کے لئے ترمیم کر کے برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کو قانونی حیثیت دی اور زندگی کے ہر شعبے میں اس نظام ونظریات کے فروغ کی غرض سے بہت ساری ذیلی تنظیمیں بنائی گئیں، تاکہ ان سے مرکزی کنٹرول کو اور بھی مضبوط بنایا جاسکے''۔

وطن واپسی:

رنگون یونیورسیٹی سے ۱۹۵۴ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرتے ہی محمد جعفر حبیب نے وطن کی راہ لی، تاہم یہاں ایک بات قابل تذکرہ ہے کہ آپ نے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء کی اس درمیانی مدت میں خفیہ طریقے سے اپنی تنظیمی پروگرام کو آگے بڑھایا تھا اور ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کے زیر سائے بطور خاص رنگون یونیورسیٹی اور کالجوں کے روہنگیا طلبہ کی ایک خاص جماعت ایسی تیار کر لی جو اگلے عرصے میں آپ کے ساتھ انقلابی کام کرے گی، جس میں آپ بڑے کامیاب رہے، اور آپ کے ساتھ روہنگیا طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے یہ وعدہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ روہنگیا مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر کام کرنے میں جان تک کے نذرانے پیش کرے گی، جس کے بعد آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ وطن واپس جا کر قومی کاز کو آگے بڑھائیں گے۔

رنگون سے ارکان واپس آتے وقت آپ کے ساتھیوں میں چند افراد آپ کے ساتھ آ گئے، اور چند نمایاں ساتھی جن میں مولانا محمد کبیر خواندگی صاحب ناقابل فراموش ہیں وہیں رہ گئے تھے، تاہم یہ الگ بات ہے کہ مولانا اوران کی طرح چند ساتھی اگلے چند سالوں میں آگئے اور محمد جعفر حبیب کے قافلہ میں شامل ہوگئے تھے، جن میں سے چند حضرات گرامی کے تذکرے انشاءاللہ اگلی سطور میں آئیں گے۔

یہاں ارکان پہنچتے ہی آپ نے یہاں کے مسلم اعیان، علمائے کرام، دانشوران عظام اور قوم کے بعض سربرآوردہ حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ سروع کیا اور اگلے دنوں میں قومی کام کو آگے بڑھانے

کے حوالے سے مشورے کئے، اس سلسلے میں بیشتر حضرات کا یہی مشورہ سامنے آیا کہ ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کو ایک باقاعدہ اور باضابطہ جماعت میں تبدیل کیا جائے، یوں ان مشوروں اور ملاقاتوں کا منطقی نتیجہ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' کی شکل میں سامنے آیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ برمی سوشلسٹ پارٹی نے اپنے نظام اور نظریات کے فروغ کے لئے ملک میں چند ذیلی تنظیمیں بنائی تھی، تاکہ ملک بھر میں مرکزی کنٹرول کو اور بھی مضبوط بنایا جاسکے، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بچوں کے لئے ایک لیگ بنائی گئی تھی، جب اس کے کارکن اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ جاتا تو قانون کی رو سے برمی سوشلسٹ پروگرام (BSPP) کا ممبر بن جاتا۔

۲۔ کسانوں کو اشتراکی نظام میں نظریات کی حد تک بہت اہم اور لازمی فرد تصور کیا جاتا ہے، سو اسی غرض سے ان کے لئے ایک علیحدہ تنظیم بنائی گئی تھی۔

۳۔ مزدوروں کی بھی ایک علیحدہ تنظیم بنائی گئی تھی، لیکن ان تنظیموں کو یونین سازی کا کوئی بھی حق حاصل نہیں تھا۔

۴۔ برما کے بودھ معاشرے کو کنٹرول کرنے کے لئے بھکشوؤں کو استعمال کیا گیا، بھکشو لوگ اس سے پہلے جنگ آزادی میں بھی نمایاں کردار ادا کر چکے تھے، لہذا یہاں بھکشوؤں کی تنظیم کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔

۵۔ مارشل لاء کے بعد سے عملاً فوج کے ہاتھوں میں ملک کا کنٹرول تھا اور سول انتظامیہ کی ستر فی صد تعداد فوج پر مشتمل تھی، لہذا فوج میں بھی اشتراکی نظام کی ترویج کے لئے تنظیم قائم کی گئی اور فوج میں تنظیم کی رکنیت ساٹھ فی صد تک پہنچادی گئی تھی۔(۱)

ابھی محمد جعفر حبیب ارکان میں خفیہ طور پر زیر زمین کام کی تیاری میں مصروف عمل تھے کہ ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۵ء میں جنرل نیون کی زیر قیادت ایک انقلابی کونسل کی تشکیل عمل میں آئی، جس کے ذریعے نیون ملک بھر میں اپنے انقلابی نظریہ کو جاری کرنا چاہتا تھا، اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کونسل کے اراکین اوران کے عہدوں کو لکھا جائے:

---

(۱) محمد الیاس انصاری، ارکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص:۵۸۔۵۹۔

(۱) دفاع اور وزراء کی کونسل کا چیر مین:	جنرل نیون
(۲) مالیات ومحصولات:	بریگیڈیر سان یو
(۳) تعاون وتجارت:	بریگیڈیر ٹن پی
(۴) تعلیم وصحت:	کرنل ہلا ہان
(۵) خارجہ امور وقومی منصوبہ بندی:	تھائی ہان
(۶) امور داخلہ، امیگریشن، قومی رجسٹریشن وغیرہ:	کرنل کا یا سوے
(۷) ثقافت واطلاعات:	بریگیڈیر تھونگ ڈان
(۸) امداد، بحالی، قومی یک جہتی اور سماجی بہبود:	کرنل مانگ مون
(۹) کان کنی:	تھانگ ٹن
(۱۰) پبلک ورکس ہاؤزنگ:	بریگیڈیر سین ون
(۱۱) ایگریکلچر اینڈ نیشنلائزیشن:	کرنل تھانگ کائے
(۱۲) صنعت وحرفت:	کرنل مانگ سوی

علاوہ ازیں مختلف برمی ریاستوں کے لئے ایک اسٹیٹ سپریم کونسل بنائی گئی تھی، جس کے اراکین درج ذیل ہیں:

(۱) چیر مین آف اسٹیٹ سپریم کونسل:	ٹن اے
(۲) اسٹیٹ کاچن:	ڈاکٹر سوا ہلا تن
(۳) اسٹیٹ کایا:	اے مایا لے
(۴) اسٹیٹ چن:	سان خولیان۔

شادی وخانہ آبادی:

رنگون سے واپسی کے بعد محمد جعفر حبیب اپنے وطن میں اور زیادہ متحرک ہو گئے تھے، آپ نے خفیہ طریقے سے وہ سب کام کئے جو برما کے ایسے حالات میں کسی کی ہمت سے باہر تھے، اس حوالے سے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ آپ نے اپنے تمام رفقائے کار کو ایک ہی فکری سانچے میں ڈال لیا تھا، ہر

کوئی آپ کی اس بات سے متفق ہو گئے تھے کہ اب وطن کی خاطر ایک بڑے سے بڑے انقلاب ناگزیر ہے، اس موقع پر جن حضرات نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تھا، ان کی فہرست بڑی لمبی ہے، طوالت کے خوف سے یہاں نہیں لائی جا رہی ہے۔

۱۹۶۵ء کے دوران پاکستان میں جنرل ایوب خان کی حکومت تھی، محمد جعفر حبیب نے اپنے رفقائے کار سے مشورہ کیا کہ کسی طریقے سے ارکانی مسلم انقلابیوں کا ایک وفد جنرل صاحب سے ملاقات کرے، یوں مشورہ طے پایا کہ محمد جعفر حبیب اس مقصد کو یقینی بنانے کے لئے بذاتِ پاکستان کا سفر کریں اور اپنے طریقے سے ملاقات کو یقینی بنانے کے لئے کام کریں، اس حوالے سے راقم سطور نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں یوں لکھا ہے کہ:

> ''۱۹۶۵ء میں جناب محمد جفر حبیب کو پاکستان بھیجا گیا، آپ نے جناب فضل الکریم چوہدری سے ملاقات کی، چوہدری صاحب صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کے دوست تھے، چوں کہ مولانا محمد سعید صاحب تمبر ووی سے جناب فضل الکریم چوہدری صاحب کی قریبی دوستی تھی، یوں محمد جعفر حبیب مولانا صاحب کے واسطے سے چوہدری صاحب سے ملاقات کرنے میں کامیابی حاصل کی، جناب فضل الکریم صاحب نے محمد جعفر حبیب کو صدر محمد ایوب خان سے ملاقات کرانے کی امید کے ساتھ کام کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں ہمت افزائی بھی کی تھی''۔

اس سفر سے واپسی کے بعد آپ کی شادی اپنی تایا زاد بہن محترمہ خوشیدہ بیگم بنت چوہدری اشرف الزمان بن ابوالخیر (بلی) بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبد اللطیف حجازی سے ہوئی، یہ شادی ۱۹۶۶ء کے ابتدائی مہینے میں ہوئی، جس کی مختصر سی تقریب بوسیدنگ شہر میں کی گئی، جو بڑی سادگی سے عمل میں آئی، کہتے ہیں کہ یہ شادی خانہ آبادی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہوئی تھی، جس میں کسی قسم کی واہیات اور شور وغل نہیں ہوا تھا، چوں کہ یہ جوڑا ایک ہی گھرانے کا تھا، تو اس مبارک شادی خانہ آبادی میں چند احباب، رفقائے کار اور قریبی رشتے داروں کی حاضری پر اس کی تقریب انجام کو پہنچی تھی۔

قائد کی اہلیہ خورشیدہ بیگم:

قائد حبیب کی اہلیہ خوشیدہ بیگم کی پیدائش ان کی آبائی بستی بیولہ فارہ علی چنگ، بوسیدنگ میں ہوئی، قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ دینیات کی کچھ تعلیم بستی کے مکتب میں ہوئی، اس کے ساتھ بستی کے ایک اردو دان عالم سے اردو زبان کی کچھ لٹریچر بھی پڑھی تھی، جس کی وجہ سے اردو میں کچھ مہارت حاصل ہوئی تھی، ساتھ ساتھ سرکاری پرائمری اسکول میں بھی پڑھتی رہی تھی۔

بستی کے سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد انہوں نے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ایک روایت کے مطابق آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد ہی ان کی شادی ہوگئی۔

ظاہر ہے کہ خوشیدہ بیگم حضرت قائد کی تایازاد بہن ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان دونوں کی شادی کی بات ان کے بچپن میں طے ہوچکی تھی، یوں محمد جعفر حبیب کی رنگون سے واپسی کی تھوڑی مدت بعد یہ شادی خانہ آبادی ہوگئی تھی۔

غالبا شادی کے ایک سال بعد ۱۹۶۷ء میں خورشیدہ بیگم وطن سے ہجرت کر کے بنگلا دیش آئی، اور اپنے میکے ٹیکناف علاقہ کوکس بازار میں ٹھہری، اس کے عرصہ بعد نائکان سری آئی جہاں انہوں نے بقیہ زندگی گزاری تھی۔

خورشیدہ بیگم ایک نہایت سنجیدہ اور مدبرہ خاتون اسلام تھی، انہوں نے قائد کا ایسا ساتھ نبھایا جسے سن کر رشک آتا ہے، انہوں نے غالبا ۲۰۱۴ء میں ڈھاکہ میں انتقال کیا، اور نائکان سری کوکس بازار میں دفن ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی بطن سے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، ماشاء اللہ سب کے سب حیات سے ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے:

۱۔ شمیم حبیب۔
۲۔ تسلیم حبیب۔
۳۔ خیرو حبیب۔
۴۔ عارفہ بیگم۔

چوہدری اشرف الزمان مرحوم:

خوشیدہ بیگم کے والد اور قائد حبیب کے تایا اور سسر چوہدری اشرف الزمان کی پیدائش ۱۹۰۲ء میں بیولہ فارہ (کجافہ) علی چنگ بوسیدنگ میں ہوئی، آپ کا خاندان ایک علمی اور زمیندار خاندان ہے، آپ کے خاندان سے بڑے بڑے علمائے کرام اور خادمان ملک وملت پیدا ہوئے، بعض حضرات کے تذکرے میری اس کاوش کے حصے بنیں گے، رشتے میں ظاہر ہے کہ آپ بانی تحریک آزادی حضرت محمد جعفر حسین وقوال کا نانا تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی بیولہ فارہ میں پائی، اور متوسطہ تک کی تعلیم ظاہر ہے کہ برطانوی دور حکومت میں ٹیکناف میں پائی تھی، ۱۹۴۲ء میں آپ نے مجاہدین اسلام کے ساتھ شریک ہوکر مگھ برمی ظالموں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جنرل میر احمد صاحب کا خوب خوب ساتھ دیا تھا، اور مسلمانوں کی فتح کے بعد "شانتی کمیٹی" کے رکن بنے، ۱۹۴۲ء کے جہاد کے دوران آپ جنرل میر احمد صاحب باغگونوی کے دست راست رہے تھے۔

۱۹۴۷ء میں حضرت محمد جعفر حسین قوال کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ جہاد کونسل میں شامل ہوئے اور اس جہادی قافلے کے تعاون اور مدد کے بطور اپنے اموال راہِ خدا میں صرف کرتے رہے، آپ جہاد کونسل میں بھی شامل ہو گئے تھے، ۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین قوال کی شہادت کے بعد اگر چہ آپ پریشان ہوئے لیکن پھر بھی جہاد کونسل کے ایوان زیرین کے ممبر رہے، ۱۹۵۱ء ل جہاد کونسل میں افراتفری ہوئی تو اس میں اعتدال لانے کے لئے آپ نے حد درجہ کوشش کی تھی، لیکن اس کوشش میں بری طرح ناکام رہے تھے۔

آپ بڑے زمیندار بھی تھے اور اعلی درجہ کے سخی بھی، علمائے کرام اور درویشوں کے ساتھ قریبی تعلقات کو بہت پسند کرتے تھے، بطور خاص علم دین کے طالب کو آپ کبھی بھی مایوس نہیں کرتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر طالب علموں کی مدد کیا کرتے تھے، آخر کار قوم کے اس خادم نے ٹیکناف میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہیں۔

چوتھا باب

روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورسس (RIF) اور قائد کا کردار:

۱۹۶۴ء کا سال تھا، برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی یا نیون کی استبدادی حکومت بڑے دھوم دھام سے اپنا قدم آگے بڑھا رہی تھی، ہر طرف لوگ محوِ حیرت میں تھے، ہر کوئی اب کیا ہوگا کا سوال دوسروں سے دہرا رہا تھا، مگر جواب کسی کے پاس نہیں تھا، برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی، عام لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ پروگرام آگے چل کر ملک میں کیسی تباہی مچانے والا ہے، ٹھیک اس وقت ارکان کے چند دانشور اپنی ملت وقوم کے مسائل پر تشویش کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوے، جنہوں نے اپنے دل ہی دل میں عزم کرلیا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں ملت وقوم کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش اور جدوجہد شروع کردینی چاہیے، یہ منگڈو اور بوسیدنگ کے چند دانشوران تھے، جو یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئمالوی۔

(۲) محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی۔

(۳) محمد اکرام اللہ صاحب، صاحب بازاری۔

سن ۱۹۶۵ء کا دن تھا کہ ان تینوں نے ایک خط لکھ کر ماسٹر شونا علی دابری چونگی کو بلایا، جس میں آپ کو سردست بوسیدنگ پہنچنے کے لئے کہا گیا تھا، ابھی شونا علی صاحب بوسیدنگ پہنچے تو بلانے والے تینوں افراد کو ریلوے اسٹیشن آف بوسیدنگ میں ماسٹر حبیب اللہ کے گھر میں تشریف فرما پائے، ابھی تینوں سے ملاقات ہوئی تو جعفر حبیب نے کہا کہ علی چنگ کو بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کرنے چلیں!!

راستے پر باتیں شروع ہوگئیں تو محمد جعفر حبیب نے نیون حکومت اور ملک بھر میں تباہی مچانے والی سوشلسٹ حکومت کے ممکنہ خطرات پر روشنی ڈالی اور آئے دن قوم وملت کے سر پر منڈلانے والی بھیانک مشکلات ومعضلات سے ملک وقوم کو بچانے کی راہ ڈھونڈنے کی اپیل کی، آگے چل کر انہوں نے قوم وملت کے سر پر بجلی بن کر آنے والے حالات کا حل صرف موثر تنظیم کے روپ میں دیکھا اور پیش کیا اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم اور ملک کے مسلم دانشوران ایک ہی جماعت یا ایک ہی تنظیم کے پرچم تلے جمع ہوکر کام کریں۔ تو شونا علی صاحب نے منہ کھولا اور محمد جعفر حبیب سے اتفاق کیا تو علی چنگ سے واپسی پر محمد جعفر حبیب نے کہا کہ ہم ابھی چاروں منگڈو کو چلیں گے، مگر باقی تینوں میں سے اکرام اللہ صاحب نے سردست جانے سے معذرت کی، البتہ تھوڑی دیر بعد اس نے بھی منگڈو پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔

ابھی تینوں شقد ارفارہ منگڈو پہنچے اور ماسٹر سلطان کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ ماسٹر صاحب ابھی گھر میں نہیں ہیں، مگر آپ کا چھوٹا بھائی (بہادر میاں جو اس وقت پولیس میں کام کرتے تھے) نے بتایا کہ بھائی صاحب ابھی آئیں گے، آپ حضرات گھر بیٹھ سکتے ہیں، بہادر میاں نے ان کی بڑی مدارت کی اور تھوڑی دیر بعد جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب چند افراد کی معیت میں گھر آپہنچے، ابھی دو چار کلمات ختم ہوئے تو ماسٹر صاحب نے بتایا کہ بیٹھنے کی جگہ تنگ ہے، میدان کو چلئے، یہ کہہ کر مایونگ خالی منگڈو کے پل کے اس پار گئے، کھلے میدان میں ایک آم کے درخت کے جھنڈ میں یہ سارے لوگ جمع ہوگئے تھے۔

اس تاریخی اجلاس میں دس حضرات نے شرکت کی، جسے ہم قوم کے سرکردہ لوگ کہہ سکتے ہیں، آج بھی قوم کے دانشور طبقہ ان لوگوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیوں کہ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اس پیچیدہ اور پریشان کن حالات میں قوم وملت کا نام لیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جس میں انسان اپنا نام بھی بھول جارہا تھا، تو ایسی مصیبت کے حالات میں اجتماعی فکر وعمل کے لئے نکلنا درحقیقت کوئی چھوٹا کام نہ تھا، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو آج ارکان میں چلتے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی احساسات کا نشان تک شاید ملتا، ان لوگوں نے کم سے کم ذہنی طور پر اس قوم کو تباہی اور بربادی کے دھارے سے بچالیا، کیوں کہ قومیں دنیا میں اتفاقی حادثات سے تباہ نہیں ہوتیں، یہ اس وقت ہلاک ہوجاتی ہیں جب اس کے

اندر سے اجتماعی احساسات کا خاتمہ ہو جائے، آج بھی اس قوم کے دانشور اور علمائے کرام جو قومی مسائل پر فکر کر رہے ہیں، درحقیقت یہ ان لوگوں کے سلسلۂ فکر کی ایک روشن کڑی ہے، جنہوں نے ایسی مصیبت کے حالات میں اپنی قوم و ملت کو نہیں بھولا تھا، تو لیجئے ہم ان کے نام درج کر دیتے ہیں:

(۱) ماسٹر سلطان احمد صاحب شقدار فاروی منگڈو۔

(۲) ماسٹر شونا علی صاحب دابری چونگی، بوسیدنگی۔

(۳) محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگی۔

(۴) ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئما لوی بوسیدنگی۔

(۵) ماسٹر اکرام اللہ صاحب، صاحب بازاری۔

(۶) محمد خان بی، ایس، سی خایونگ خالوی۔

(۷) ماسٹر ابوالفیض صاحب بن ابوالخیر منگڈوی۔

(۸) ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب، نوراللہ فاروی۔

(۹) بیلو میاں صاحب خائندہ فاروی۔

(۱۰) ماسٹر محمد امین بن ماسٹر محمد ہاشم شقدار فاروی۔

افسوس ہے آج ان حضرات میں سے ایک بھی اس دنیا میں نہیں ہے، اللہ تعالی ان کی مغفرت کے ساتھ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

دس دفعات پر اتفاق رائے:

یہ اجلاس بڑی راز داری سے ہوا، جس میں ملک و ملت کے حالات حاضرہ پر کافی گفت وشنید ہوئی، اور طویل مشورے کے بعد فیصلہ ہوا کہ ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کی جگہ تنظیم کا کوئی دوسرا نام اختیار کیا جائے، یوں اگلی ہونے والی تنظیم کے لئے چند نام سامنے آئے، جن میں سے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) جیسا خوب صورت نام اتفاق رائے سے اختیار کیا گیا، کہتے ہیں کہ اس نام کی تجویز محمد جعفر حبیب نے دی تو شرکائے اجلاس نے اتفاق سے قبول کیا تھا۔ پھر اس اجلاس میں شریک ہونے والے تمام شرکاء نے جن دس دفعات پر اتفاق کیا وہ یہ ہیں:

(۱) ہم کسی بھی حالت میں اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی تعلیمات کو نہ بھولیں گے۔

(۲) ہم اللہ کی زمین میں اللہ کی حکومت کے قیام کے لئے جان، مال، زندگی قربان کریں گے۔

(۳) سرزمین ارکان میں ایک مقدس اسلامی تنظیم کا قیام ناگزیر ہے اسے ہم بنائیں گے۔

(۴) ملت وقوم کی خاطر ارباب بست وکشاد کا متحدہ پلیٹ فارم ناگزیر ہے یہ ہم تیار کریں گے۔

(۵) کمیونزم اسلام کا حقیقی دشمن ہے اسے ملک سے ختم کرنے کے لئے ہر امکانی جدوجہد کریں گے۔

(۶) ہم درپردہ اتحاد واتفاق کی تحریک چلائیں گے اور وقت آتے ہی زیر زمین چلے جائیں گے۔

(۷) ملت وقوم پر مر مٹنے والا کوئی بھی آدمی ہمارا دوست ہے ہم اس کا ہاتھ ضرور بٹائیں گے۔

(۸) رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے خفیہ سریقے سے دعوتی عمل کو جاری کر کے سیاسی کام کو فروغ دیں گے۔

(۹) ہم تنظیم کے صدر (GR) جناب سلطان احمد کو بناتے ہیں اور تحریک کو منزل کی طرف لے جانے کے لئے ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

(۱۰) ہم میں سے اگر ایک بھی باقی رہے گا تو وہ اس کام کو موت تک کرتا رہے گا اس پر ہم عہد و پیمان کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا یہ اجلاس آیا محمد جعفر حبیب کی پڑھائی کے اختتام پر ہوا تھا یا رنگون میں آپ کی پڑھائی کے دوران؟ اس حوالے سے دو آراء سامنے آئیں جو یہ ہیں:

ا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ محمد جعفر حبیب ۱۹۶۴ء میں اپنی پڑھائی کے بالکل آخری مراحل میں تھے، اور رنگون والوں کے مشورے سے ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کی طرف سے ارکان اس لئے تشریف لائے کہ یہاں پہنچ کر قوم کے ارباب بست وکشاد سے مشورے کے بعد سیاسی اور انقلابی حکمت عملی کے حوالے سے کوئی لائحہ عمل تیار کریں گے، اس بارے میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ریف کی تاسیس کے ایک سال بعد ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئما لوی کسی کام کے سلسلے میں ۱۹۶۴ء میں رنگون گئے تھے، انہوں نے محمد جعفر حبیب سے ملاقات کی اور ریف میں مزید ممبر بڑھانے کی تجویز رکھی تھی، چوں کہ یہ بات طے تھی کہ

ریف کی تاسیس بھی ۱۹۶۴ء میں ہوئی، جس میں یہ قرارداد پاس کی گئی تھی کہ ایک سال تک ریف میں ممبر بڑھایا نہیں جائے گا، تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد جعفر حبیب جو بذاتِ خود اس پہلے والے اجلاس میں شریک تھے، رنگون سے پڑھائی کے دوران آکر شریک ہوئے تھے۔

۲۔ لیکن راقم سطور کی تحقیق کے مطابق یہ رائے مبنی برحق معلوم ہوتی ہے کہ محمد جعفر حبیب اپنی پڑھائی کے اختتام پر رنگون سے ارکان آگئے، اس کے بعد روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کی تاسیس میں حصہ لیا تھا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ ریف کی تاسیس کے بعد آپ کام کے سلسلے میں رنگون گئے ہوں گے، اسی دوران ڈاکٹر نور احمد صاحب بھی وہاں پہنچے ہوں گے، دونوں نے وہاں پائے جانے والے تنظیم کے اراکین کے ساتھ اجلاس کئے، جہاں یہ تجویز رکھی گئی کہ ریف کے ممبران میں توسیع کی جائے، لیکن میری اس بات میں بھی کافی شبہ کی گنجائش ہے، کیوں کہ باوثوق ذرائع کے مطابق محمد جعفر حبیب ۱۹۶۴ء کو پڑھائی سے واپس آکر کبھی بھی رنگون نہیں گئے تھے، واللہ اعلم۔

<u>مزید ممبران بڑھانے کا پروگرام:</u>

پہلے والے اجلاس میں یہ بات طے پائی تھی کہ ایک سال کے اندر (RIF) میں ممبران بڑھائے نہ جائیں گے، ایک سال کے بعد ڈاکٹر نور احمد صاحب رنگون گئے تو وہاں محمد جعفر حبیب وغیرہ نے تجویز پیش کی کہ ریف میں وسیع پیمانے پر ممبران بڑھائے جائیں، (یاد رہے کہ اس وقت محمد جعفر حبیب رنگون میں زیر تعلیم تھے) اس تجویز کے مطابق اس سال دس سے بڑھا کر اکتیس ممبران بنائے گئے تھے، لیکن ۱۹۶۷ء میں ملک بھر سے چھ ہزار ممبران کر چنے گئے تھے، جن میں دانشوروں کے علاوہ بڑے پیمانے پر علمائے کرام بھی تھے۔ جن کے مابین اتحاد و اتفاق کا دھوم چلا اور ہر کسی نے قومی و ملی خدمات کے لئے اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

<u>پاکستان میں وفود:</u>

۱۹۶۵ء میں جناب محمد جعفر حبیب کو پاکستان بھیجا گیا، انہوں نے دولہازارا میں جناب فضل الکریم چودھری سے ملاقات کی جو صدر محمد ایوب خان کے دوست تھے، چونکہ مولانا محمد سعید تمبر و وی سے جناب فضل الکریم صاحب کی بہت قریبی دوستی تھی، چانچہ محمد جعفر حبیب نے مولانا کے واسطہ سے ان سے

ملاقات کی، جناب فضل الکریم صاحب نے جناب محمد جعفر حبیب کو صدر ایوب خان سے ملاقات کرانے کی امید دلائی، اور کام کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں حوصلہ اور ہمت بھی دلائی تھی۔

اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں جناب حسین قاسم نور اللہ فاروی اور جناب ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر کو پاکستان بھیجے گئے، تاکہ محمد جعفر حبیب کے ساتھ مل کر کام کرسکیں، چونکہ اس سے پہلے بھی جناب سرفراز بن ماسٹر ولی احمد یہاں رہا کرتے تھے، چنانچہ ان چاروں نے مل کر یہاں قوم وملت کی بہت ساری خدمات انجام دی تھیں۔

<u>ریف کا جعفر ثانی سے رابطہ اور لیڈروں کی ہجرت:</u>

۱۹۶۶ء میں محمد جعفر ثانی جنوبی منگڈو سے اور جناب عبدالجلیل صاحب کو لونگی شمالی منگڈو سے مسلح شکل میں ظاہر ہوئے تھے، چونکہ جناب مستفیض الرحمٰن صاحب (جو قاسمی پارٹی کے ایک سرکردہ لیڈر تھے) بھی محمد جعفر ثانی کے ساتھ تھے، آگے چل کر دونوں حکومت مخالف تنظیمیں ارکان میں طوفان بن کر اٹھی تھیں، اب ریف اور محمد جعفر ثانی کے درمیان رابطے ہونے لگے تھے، آگے چل کر جعفر ثانی مرحوم نے ریف سے دو تین دانشور منگوائے، تاکہ ان کی پارٹی میں بڑے سے بڑے عہدے سنبھال سکیں، چنانچہ ریف نے مسٹر شوناعلی شہیدزادی فرانگی (جسے نائن چونگ میں شہید کردیا گیا) اور بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (ریف کے ممبر) کا بھتیجہ جناب یعقوب بن نور احمد (جو ابھی کنڈا میں مقیم ہیں) اور جناب محمد الیاس بی، ایس، سی خایونگ خالوی کو بھیج دیا تھا، چنانچہ ان تینوں میں سے محمد جعفر ثانی نے جناب شوناعلی شہید کو نائب صدر اور محمد الیاس صاحب کو سکریٹری جنرل منتخب کیا۔ یاد رہے کہ جس وقت مسٹر شوناعلی صاحب کو وہاں بھیجا جا رہا تھا اس وقت وہ ریف کے جدید ممبران میں سے تھے، جنہوں نے محمد جعفر ثانی کی پارٹی میں بڑی بڑی خدمات انجام دیں، جس کی داستاں بڑی طولانی ہے، لیکن دشمن نے بالآخر آپ کو جام شہادت پلا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

ان تینوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ریف کے ممبران وہاں بھیجے گئے تھے جن میں قابل ذکر لوگ یہ ہیں:

(۱) جناب ابوطالب منار فاروی، بوسیدنگی۔

(۲) جناب عبدالرحیم پوئما لوی، بوسیدنگی۔

(۳) جناب مصطفےٰ نائن چونگی، منگڈوی۔

(۴) محمد اقبال باغگونوی، منگڈوی۔

پھر ۱۹۶۸ء میں جناب شبیر حسین (BA) جو رنگون میں رہا کرتے تھے بھی ارکان آئے ہوئے تھے، تو حالات کی نزاکت کو سمجھ کر وہ بھی جعفر ثانی کی پارٹی میں شامل ہو گئے، تاہم وہاں وہ بہت دیر نہ رہ سکے تھے۔ پھر ۱۹۶۸ء میں ریف کے سرکردہ لیڈروں کو ملک چھوڑنا پڑا، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر نور احمد صاحب پوئما لوی۔

(۲) مسٹر اظہار میاں (MP) تنگ بازاری۔

(۳) مسٹر عبداللطیف صاحب پوئما لوی۔

(۴) مسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی۔

(۵) مسٹر احمد حسین (BA) صاحب۔

(۶) مسٹر محمد سلطان (BED) صاحب پوئما لوی۔

(۷) ڈاکٹر حافظ احمد صاحب بوسیدنگی۔

بعد ازاں اوچوکھیا میں ریف کا ایک معسکر بنا گیا تھا، جس میں ڈاکٹر نور احمد اور محمد جعفر حبیب بھی رہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب بنگلہ دیش پاکستان سے علیحدہ ہوا تو بنگالی مکتی بھانی کا شبہ تھا کہ ارکانی مجاہدین پاکستان کے ساتھ ساز باز کرتے تھے، تو ۱۹۷۲ء میں مکتی بھانی کے خوف سے ریف کے تمام لوگ پھر سے جعفر ثانی کی پارٹی میں چلے گئے تھے، جن میں محمد جعفر حبیب اور جناب شبیر حسین بی اے اور ماسٹر دلیل احمد، ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر، بی اے احمد حسین صاحب، بی اے محمد شفیع صاحب قابل ذکر ہیں، ان لوگوں نے بوگری چونگ، بوسیدنگ میں جناب جعفر ثانی سے ملاقات کی اور بنگلہ دیش میں عام معافی تک وہاں رہے، بعد ازاں ۱۹۷۳ء میں جعفر ثانی کو حکومت بنگلہ دیش کی طرف سے دعوت ملی، جس میں ایک وفد کی شکل میں تین حضرات شریک تھے:

(۱) جناب محمد جعفر ثانی صاحب راجار بیلی۔

(۲) جناب شبیر حسین صاحب پوئما لوی۔

(۳) جناب رشید احمد صاحب شیل خالوی۔

لیکن راہ میں محمد جعفر ثانی کی کارکردگی سے بنگلہ دیشی حکام بدظن ہو گئے تو حکومت کے ایک اعلی عہدہ دار نے شبیر حسین صاحب سے کچھ غیر ضروری باتیں کرتے ہوئے وفد کو مایوس واپس کر دیا، یاد رہے کہ اس درمیان میں ریف والوں نے اوچوکھایا میں روہنگیا انڈیپنڈنٹ آرمی (RIA) کے نام سے ایک مسلح پارٹی بنائی، جس میں محمد جعفر حبیب، ڈاکٹر نور احمد اور شبیر حسین رہا کرتے تھے، اس پارٹی کی قدرے شہرت بھی ہوئی تھی، لیکن اس تنظیم نے ۱۹۷۳ء میں (RPF) کا روپ دھارا جس کی تفصیلات بہت لمبی ہیں، بہرحال بنگلہ دیشی حکومت کی اس دعوت کے بعد سے ریف کے اراکین محمد جعفر ثانی کی جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی تاسیس ظاہر ہے کہ ۱۹۶۴ء میں ہوئی، اس کے بعد محمد جعفر حبیب کو ۱۹۶۵ء کے ابتدائی مہینوں میں مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا، تاکہ اس وقت کے پاکستانی صدر فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان سے ملاقات کو یقینی بنایا جا سکے، آپ نے دولہازارا میں چوہدری فضل الکریم صاحب سے ملاقات کی، جنہوں نے محمد جعفر حبیب کو یقین دلایا کہ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے ایک وفد کو جنرل صاحب سے ملاقات کرائی جائے گی، اور اس کے ساتھ روہنگیا کاز کو آگے بڑھانے کے حوالے سے کافی حوصلہ افزائی بھی کی تھی۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۶ء کے دوران محمد جعفر حبیب ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی طرف سے مشرقی پاکستان میں سرگرم عمل تھے، پھر ۱۹۶۷ء کے ابتدائی مہینوں میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) نے جناب حسین قاسم صاحب نور اللہ فاروی اور ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر داروغہ کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا، تاکہ قومی کام کے سلسلے میں محمد جعفر حبیب کو تعاون کر سکیں، یوں دونوں حضرات نے مشرقی پاکستان پہنچ کر محمد جعفر حبیب کا قابل قدر تعاون کیا تھا۔

یہاں محمد جعفر حبیب سے تعاون کے حوالے سے ایک قابل قدر شخصیت کا تذکرہ نہ کروں تو بڑی

ناسپاسی ہوگی، وہ تھی محمد جعفر حبیب کے دیرینہ ساتھی اور نٹرڈیم کالج کا وفاشناس دوست جناب مرحوم سرفراز احمد بن ولی احمد شجاع فاروی۔

جناب سرفراز احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے صرف دیرینہ ساتھی نہیں تھے بلکہ ہم راز بھی تھے، ان دونوں کی دوستی نٹرڈیم کالج کی پڑھائی کے دوران ہوئی تھی، روایت مشہور ہے کہ جناب سرفراز احمد صاحب بڑے زیرک اور حاضر دماغ ہونے کے ساتھ قوم وملت کے حوالے سے بڑے دردمند انسان تھے، بعض ناقابل بیان وجوہات کی وجہ سے آپ زندگی بھر کنوارے رہ گئے تھے۔۱۹۶۵ء اور اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک آپ محمد جعفر حبیب کا ساتھ دیتے رہے، اسی حالت میں بھرپور جوانی کے عالم میں آپ نے اس جہانِ فانی سے رخصت لی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کہتے ہیں کہ آپ کے انتقال پر محمد جعفر حبیب بہت ہی مغموم ہوئے، ساتھ ہی ساتھ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کا بھی ناقابل تلافی نقصان ہوگیا تھا۔

باوثوق ذرائع کے مطابق جناب سرفراز احمد صاحب کے انتقال کے بعد ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی طرف سے جناب حسین قاسم صاحب اور جنابوالفیض صاحب کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا، تو ظاہر ہے کہ جناب سرفراز احمد صاحب کا انتقال ۱۹۶۶ء کے اواخر یا ۱۹۶۷ء کے ابتدائی مہینوں میں ہوا ہوگا، اللہ تعای مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔

۱۹۶۶ء کے دوران ایک طرف ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) اپنے انداز میں بڑی خوبی سے کام کررہی تو اس کی مقبولیت روہنگیا علماء اور دانشور حلقوں میں بہت ہی بڑھ چکی تھی، دوسری طرف جناب محمد جعفر ثانی کی قیادت میں جنوبی منگڈو سے جب کہ جناب عبدالجلیل صاحب کی قیادت میں شمالی منگڈو سے مسلح تنظیمیں طوفانی شکل میں اٹھ کھڑی ہوئیں، ایسے حالات میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے سرکردہ لیڈراں نے کوشش کی کہ دونوں مسلح تنظیموں کو ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کرکے قومی کاز کو آگے بڑھایا جائے، لیکن جناب عبدالجلیل صاحب کو کسی طرح نہ سمجھایا جاسکا، یوں انضمام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا تھا، تاہم اس سے ایک فائدہ یہی ہوا کہ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) محمد جعفر ثانی کی زیر قیادت تنظیم ''ارکان آزاد فوج'' کے قریب ہوگئی تھی، یوں آگے چل کر محمد

جعفر ثانی نے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی اعلی قیادت سے درخواست کی کہ ریف سے چند دانشوران کو ارکان آزاد فوج میں قیادی کام کے لئے دیا جائے، تاکہ وہ اس مؤخر الذکر تنظیم میں بڑے سے بڑے عہدے سنبھال سکیں، چنانچہ ریف والوں نے ان کی درخواست قبول کی اور درج ذیل حضرات کو ارکان آزاد فوج میں بھیج دیا گیا تھا:

۱۔ جناب ماسٹر شوناعلی صاحب زادی فرانگی، جو نائن چنگ کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔

۲۔ محمد یعقوب بن نوراحمد صاحب، یہ بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (مرکزی وزیر صحت حکومت برما) کا بھتیجہ جو بعد میں کنڈا میں مقیم ہوگئے تھے۔

۳۔ محمد الیاس صاحب (BSC) خایونگ خالوی۔

ان تینوں دانشوروں کو پاکر محمد جعفر ثانی نہایت خوش ہوئے، یوں جناب ماسٹر شوناعلی صاحب کو نائب صدر اور جناب محمد الیاس صاحب کو جنرل سکریٹری جیسا اہم قلمدان سونپا گیا تھا۔

جاننے والوں کا کہنا ہے کہ ماسٹر شوناعلی صاحب زادی فرانگی کہنے میں تو ایک مسلم دانشور تھے، لیکن تھے بہت بلند پایہ کے بزرگ، آپ اپنی دین داری، پرہیزگاری اور خدمت قوم وملت کے حوالے سے بہت مشہور تھے، آپ نے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے علاوہ ارکان آزاد فوج میں بڑی بڑی خدمات انجام دے کر نائن چنگ کی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا۔

بعد میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) اور ارکان آزاد فوج کے درمیان رشتہ اور بھی مضبوط ہوا تو ارکان آزاد فوج کی گزارش پر ریف نے اپنے بہت سارے ممبران کو وہاں بھیج دیا تھا، تاکہ ناخواندگی کی وجہ سے اس میں پائی جانے والی افراتفری کو دور کرتے ہوئے اس تنظیم کے ذریعے روہنگیا مسلمانوں کی نجات وفلاح کو یقینی بنایا جاسکے، ریف کے ان ممبران میں سے یہ ناقابل فراموش ہیں:

۱۔ جناب ابوطالب صاحب منارفاروی بوسیدنگی۔

۲۔ جناب عبدالرحیم صاحب فوئمالوی بوسیدنگی۔

۳۔ جناب مصطفیٰ صاحب نائن چنگی منگڈوی۔

۴۔ جناب محمد اقبال صاحب بانگلونوی منگڈوی۔

۱۹۶۸ء میں جناب شبیر حسین صاحب فوٹما لوی رنگون سے ارکان آ گئے، اور حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ نے مناسب سمجھا کہ ارکان آزاد فوج میں شامل ہو جائے، یوں ان کی شمولیت کے بعد اس جماعت میں از سر نو جان آ گئی تھی، لیکن نیرنگیٔ زمانے کا کیا کہنا کہ ایک طرف ماسٹر شونا علی صاحب زادی فرانگی کی شہادت تو دوسری طرف ناخواندہ لوگوں کی افراتفری اور بڑے پیمانے میں بدعنوانیوں نے جناب شبیر حسین سمیت پارٹی کے دانشوروں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، حتیٰ کہ آگے چل کو ان ناخودہ لوگوں نے ان دانشوروں سے پہلو تہی تک شروع کر دی تھی، جس کی وجہ سے اس پارٹی کا بھاری نقصان ہو گیا تھا۔

ادھر ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) والوں کی ارکان آزاد فوج سے مسلسل مایوسی تو ادھر برمی ظالموں کی طرف سے ریف والوں پر پے در پے مظالم کی وجہ سے ریف والوں کے لئے زمین تنگ ہو چکی تھی، تو ایسے حالات میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) نے فیصلہ کیا کہ اس کے اراکین زیر زمین چلے جائیں، یوں ۱۹۶۸ء میں تقریباً تمام سربرآوردہ لیڈران زیر زمین چلے گئے تھے۔

۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء کی درمیانی مدت میں ریف کے اراکین ارکان مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے میں سیاسی اور عسکری کام میں مصروف عمل تھے تو دوسری طرف مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی جنگ شروع ہو چکی تھی، بالآخر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان سے الگ ہو کر بنگلا دیش وجود میں آ گیا، چوں کہ مکتی بھانی کا خیال بلکہ الزام تھا کہ ارکانی مجاہدین پاکستانیوں کا ساتھ دے رہے تھے، اس لئے ان کے لئے بنگا دیش میں کوئی جگہ نہیں ہے، جب کہ بات اس کی بالکل برعکس تھی، کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ نہ صرف ارکانی مجاہدین بلکہ ارکان کے مسلم عوام تک نے اس علیحدگی کی جنگ کے دوران بنگلا باسیوں بشمول جنگ آزادی کے مجاہدین کا بھرپور ساتھ دیا تھا، ارکان کے مسلمانوں نے اور تو اور بنگلا دیشی مہاجرین کو جو تعاون کیا تھا وہ تاریخ کا ایک انمٹ باب ہے، جس کا انکار کرنا گویا سورج کو چاند کہنے کا مترادف ہے۔ بہر حال ویسے مکتی بھانی کے خوف سے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے تمام لوگ بشمول محمد جعفر حبیب ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے تھے، جس کی قدرے تفصیلات اگلی سطور میں آ رہی ہیں۔

ماسٹر سلطان احمد شقدار فاروی (GR):

سلطان احمد بن الحاج ابوالحسین بن الحاج مشرف علی بن الحاج عبدالکریم صاحب ایک روایت کے مطابق ۱۹۳۲ء میں شقدار فارہ منگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کی مکتب نشینی شقدار فارہ میں ہوئی، جہاں آپ نے قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ کچھ دینی تعلیم بھی پائی، اس کے بعد اردو اسکول میں پڑھے تو اردو زبان کی کچھ مہارت بھی پیدا ہو گئی، اس کے بعد شقدار فارہ کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ابتدائی، متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم پائی تھی۔

سلطان احمد صاحب اسکول میں پڑھائی کے دوران طلبہ لیڈر رہے تھے، آپ نے روہنگیا طلبہ کو اس دوران مستقبل کی راہیں دکھائیں، آپ بڑے غیرت مند اور خوددار ہونے کے ساتھ قوم کے ایک بڑے خیر خواہ انسان تھے۔

ثانویہ کے امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے ماسٹر محمد سراج چوہدری کیلا دنگی کی بیٹی نورالنہار سے شادی کی، ویسے آپ کی دوسری شادی ساجدہ بیگم خیر فاروی سے ہوئی، اللہ تعالی نے آپ کی اولاد میں بڑی برکت دی ہے۔

سلطان احمد صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد عرصۂ دراز تک شقدار فارہ ہائی اسکول کا ماسٹر رہے، ویسے اندرون اور بیرون وطن آپ کے سینکڑوں تلامذہ پائے جاتے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں آپ کی سربراہی میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی تاسیس ہوئی، جس کے آپ صدر چنے گئے تھے، جسے اس تنظیم کی زبان میں (GR) کہا جاتا تھا، عرصۂ دراز تک آپ ہی کی سربراہی میں یہ قومی تنظیم نہایت عروج پر رہی تھی، جس میں ۱۹۶۷ء تک چھ ہزار سے زائد علماء اور دانشوران قوم شامل ہو چکے تھے، اور اس کے سارے کام بڑی رازداری سے انجام پاتے تھے۔

۱۹۶۷ء میں آپ نے محمد جعفر حبیب کے تعاون کے لئے ایک وفد کو مشرقی پاکستان بھیجا، اور پیغام بھیجا کہ محمد جعفر حبیب کسی بھی طریقے سے صدر محمد ایوب خان سے ملاقات کو یقینی بنائیں، اس کے بعد آپ بنفس نفیس بھی مشرقی پاکستان گئے تھے۔

۱۹۶۶ء کے دوران محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج نے ارکان کے اندر مسلح جدوجہد

شروع کی تو آپ نے اس جماعت سے رابطہ کیا، اور ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے بہت سارے کارکنان کو اس تنظیم کے تعاون کے لئے بھیجا تھا۔

۱۹۶۷ء میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے سرکردہ لیڈروں کو ترک وطن کرنا پڑا تو اس دوران آپ کو روپوشی کی زندگی اپنانی پڑی تھی، پھر ۱۹۷۱ء کے دوران آپ بنگلا دیش آئے، یہاں بھی آپ نے نمایاں قومی خدمات انجام دیں، لیکن آپ کو یہاں سے دوبارہ وطن واپس جانا پڑا تھا۔

بنگلا دیش سے واپسی کے بعد آپ کو منگڈو کی زمین راس نہیں آئی، یوں آپ کو اکیاب میں گمنامی کی زندگی اختیار کرنی پڑی، جہاں آپ مدتوں روپوش رہے تھے۔

۱۹۷۲ء کے اواخر میں آپ سعودی عرب پہنچے، جہاں بھی آپ نے مقدور بھر قومی خدمات انجام دیں، ۲۰۰۳ء میں راقم سطور سعودی عرب پہنچا تو آپ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں شامل ہو گئے، اس کے سائے تلے آپ نے نمایاں خدمت انجام دی، اسی حالت میں آپ نے ۲۰۰۹ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA)

محمد جعفر حبیب اوران کے چند ساتھی مشرقی پاکستان میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے کاموں میں مصروف تھے، ایسے حالات میں ریف کے درج ذیل لیڈران ترک وطن کرکے سرحد چلے آئے تھے:

۱۔ جناب ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئما لوی۔
۲۔ جناب اظہار میاں صاحب (MP) تنگ بازاری۔
۳۔ جناب سید لطیف صاحب فوئما لوی۔
۴۔ جناب دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی بوسیدنگی۔
۵۔ جناب احمد حسین صاحب (BA) یونگ چنگی۔
۶۔ جناب محمد سلطان صاحب (BED-BA) فوئما لوی۔

۷۔ ڈاکٹر حافظ احمد صاحب بوسیدنگی۔

اس کے بعد اوچوکھایا (اوسوکیا) کے مقام پر ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے نام سے ایک معسکر کی بنیاد ڈالی گئی، جس میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) لیڈروں کے علاوہ دیگر زیر زمین آنے والے اراکین وممبران رہا کرتے تھے، یہاں جو لیڈران مستقل طور پر رہا کرتے تھے ان میں ڈاکٹر نور احمد فوئما لوی، محمد جعفر حبیب علی چنگی، شبیر حسین فوئما لوی، دلیل احمد رنگیا دنگی، ابولفیاض نافیتار ڈیلی، احمد حسین یونگ چنگی (BA)، محمد شفیع ناقابل فراموش شخصیات ہیں، روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی کے متعلق راقم سطور کی دوسری کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ کو کہ:

''یاد رہے کہ اس درمیان روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) والوں نے اوچوکھایا میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے نام سے ایک معسکر کی بنیاد رکھی، جس میں ڈاکٹر نور احمد فوئما لوی، محمد جعفر حبیب علی چنگی، شبیر حسین فوئما لوی، دلیل احمد رنگیا دنگی، ابولفیاض نافیتار ڈیلی، احمد حسین یونگ چنگی (BA)، محمد شفیع وغیرے رہا کرتے تھے، اس معسکر کی قدرے شہرت بھی ہوئی تھی، جس نے آگے چل کر ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ کا روپ دھارا، جس کی تفصیلات لمبی ہیں''۔

اس معسکر کی تشکیل دینے کے حوالے سے لیڈروں کے مابین قدرے اختلاف بھی سامنے آیا تھا، روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے سربراہ جناب سلطان احمد صاحب سمیت بعض لیڈروں کا موقف تھا کہ اس معسکر کا علیحدہ نام نہ دیا جائے، لیکن ان کے برعکس اکثر لیڈران کا کہنا یہی تھا کہ:

۱۔ یہاں نام کی تبدیلی کہاں بس تھوڑی شکل کی تبدیلی ہے۔
۲۔ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) یہ ہمارا سیاسی شعبہ ہے، جب کہ اس کا عسکری شعبہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) ہے، دنیا بھر میں انقلابی اور وہ بھی مسلح انقلابی تحریکیں ایسی چلتی ہیں۔

بہر حال معسکر کی بنیاد سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس نے باضابطہ طور پر مسلح جدوجہد کی راہ اپنالی ہے، جس کا سلسلہ آگے چل کر بہت دور تک جا پہنچا، جس کی تفصیلات انشاءاللہ اگلی سطور میں آرہی ہیں۔

محمد جعفر حبیب ارکان آزاد فوج میں:

محمد جعفر حبیب ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک مشرقی پاکستان میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے کاموں میں مصروف عمل تھے، اس درمیان روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) اور ارکان آزاد فوج کے مابین کبھی اشتراک عمل کی بنیاد پر اور کبھی علیحدگی کے ساتھ تعاون ہو رہا تھا، ریف کے بڑے بڑے سرکردہ لیڈران ارکان آزاد فوج میں شامل بھی ہو چکے تھے، جن میں سے ایک معروف لیڈر جناب شونا علی صاحب زادی فرانگی نے ارکان آزاد فوج کی جانب سے لڑتے لڑتے بمقام نائن چنگ جام شہادت بھی نوچ فرمایا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ سارے کام جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب شقدار فاروی کی قیادت میں ہو رہے تھے، جن میں محمد جعفر حبیب کی بھر پور تائید تھی، تاہم اتنے طویل عرصے میں آپ بذات خود ارکان آزاد فوج میں شامل نہیں ہوئے تھے، بلکہ یوں کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ آپ کو اس میں شامل ہونے کا موقع ہی نہیں ہوا تھا، دراصل بات یہ ہے کہ رنگون سے واپسی کے بعد آپ کو وطن میں رہنے کا موقع ہی کم ہوا تھا، صرف ۱۹۶۶ء کے کچھ دنوں کو چھوڑ کر (جن دنوں میں آپ کی شادی ہوئی تھی) آپ کو فرصت ہی کب ملی تھی کہ وطن کی فضاء سے محظوظ ہو سکے، کیوں کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے لیڈروں نے باتفاق رائے آپ کو مشرقی پاکستان میں کام کے لئے بھیج دیا تھا، جہاں آپ قومی وملی کاموں میں مصروف عمل ہو چکے تھے۔

۱۹۶۸ء کے اواخر میں اوچوکھایا میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی کا معسکر بنا تو محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی زیر زمین کام میں مصروف تھے، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں بنگلا دیش پاکستان سے آزاد ہوا تو بنگلا دیشی مکتی بھانی نے روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی پر الزام لگایا کہ محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی نہ صرف پاکستانی آرمی کی حمایت وتعاون کر رہے تھے بلکہ بنگلا دیشی تحریک آزادی کے دوران مکتی بھانی کے خلاف پاکستانیوں سے ساز باز بھی کر رہے تھے، بعد میں مکتی بھانی کی طرف دیے جانے والا یہ الزام دھمکیوں میں بدل گیا، ایسے حالات میں محمد جعفر اور آپ کے تمام ساتھی بڑی پریشانی کے شکار ہو چکے تھے، کیوں کہ:

۱۔ اتنے دنوں تک پاکستان اور یہاں کے زندہ دل عوام ارکان کے حوالے جدوجہد کرنے والوں کے زبردست حامی تھے، بنگلا دیش وجود میں آیا تو یہاں کے مکتی بھانی کے لوگ ان مجاہدین کے سخت مخالف ہو چکے، اور ان کی طرف سے دھمکیوں پر دھمکیاں آ رہی تھیں۔

۲۔ دوسری طرف ظاہر ہے کہ ارکان کی زمین بھی محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھیوں کے لئے تنگ ہو چکی تھی، ان کے لئے دوبارہ ارکان جانے کی راہ بھی بالکل مسدود۔

تو ایسے حالات میں زیر زمین کام کرنے والی روہنگیا تنظیم ''ارکان آزاد فوج'' کی طرف سے دعوت ملی کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے تمام لیڈران اور کارکنان اس میں شامل ہو جائیں، اس حوالے سے راقم کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اوچوکھایا میں ریف کا ایک معسکر بنایا گیا، جس میں ڈاکٹر نور احمد اور محمد جعفر حبیب وغیرے رہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب بنگلا دیش پاکستان سے علیحدہ ہوا تو مکتی بھانی کا خیال تھا کہ ارکان کے روہنگیا مجاہدین پاکستانیوں سے ساز باز کرتے تھے، تو ۱۹۷۲ء میں مکتی بھانی کے ڈر سے ریف کے تمام لوگ محمد جعفر ثانی کی پارٹی ''ارکان آزاد فوج'' میں شامل ہو گئے، جن میں محمد جعفر حبیب، شبیر حسین (BA) ماسٹر دلیل احمد، ماسٹر ابو الفیض بن ابو الخیر داروغہ، احمد حسین (BA) اور محمد شفیع نا قابل فراموش ہیں، انہوں نے بوگری چنگ بوسیدنگ کے مقام پر محمد جعفر ثانی سے ملاقات کی اور پارٹی شامل ہو گئے تھے''۔

۱۹۷۲ء کے اوائل میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے، جس کے بعد ایک روایت کے مطابق اس تنظیم کے نام کی تبدیلی عمل میں آئی، اور ارکان آزاد فوج کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

۱۹۷۳ء کے اوائل میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں عام انتخابات ہوئے، راقم سطور نے ان انتخابات کے حوالے سے بڑی کوشش کی کہ ان کی تفصیلات مل جائیں، لیکن تفصیلات تو نہیں ملیں بس اتنا پتہ چلا کہ ان کے نتائج دیر تک بحال نہیں رہ سکے، تاہم ان انتخابات کے نتیجے میں سامنے آنے والی دو

مجالس کی ایک فہرست ملی جو درج ذیل ہے:

اراکینِ مجلس عاملہ:

۱۔ محمد جعفر ثانی صاحب میر ولہ وی: صدر۔
۲۔ ابوبکر صدیق/ابو صدیق صاحب: نائب صدر۔
۳۔ محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی: سکریٹری جنرل۔
۴۔ مولانا محمد مظہر صاحب اودنگی: جوائنٹ سکریٹری۔
۵۔ محمد شفیع صاحب: مشیر اعلی۔

اراکینِ مجلس شوری: اراکین مجلس شوری کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں کونسلر (COUNCILLOR) کہا جاتا تھا، جس کے اراکین یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی۔
۲۔ عبدالکریم صاحب بصراوی۔
۳۔ ولی چند صاحب اودنگی۔
۴۔ لالو میاں صاحب میر ولہ وی۔
۵۔ ابوالہاشم صاحب سالی فرانگی۔
۶۔ محمد حسین صاحب فیتو رفاروی۔
۷۔ ابولفیاض صاحب (BA) نافیتارڈیلی۔
۸۔ شبیر حسین صاحب (BA) فوئمالوی۔
۹۔ شونا علی صاحب دابری چنگی۔
۱۰۔ احمد حسین (BA) یونگ چنگی۔
۱۱۔ دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی۔
۱۲۔ محمد عالم صاحب کوار بیلی۔
۱۳۔ فتح علی شیر صاحب پاکستانی۔

بعض اطلاعات کے مطابق محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی اس پارٹی (RNLP) میں شمولیت کے بعد اس کے داخلی حالات بہت اچھے ہو گئے تھے، جس کا اجمال کچھ یوں ہے کہ:

۱۔ اتنے دنوں تک عوام تو عوام بلکہ علماء اور دانشوران کا خیال تھا کہ یہ پارٹی کچھ ناخواندہ لوگوں کی پارٹی ہے، جس کی وجہ سے یہاں آئے دن نت نئی افراتفری ہوتی رہتی ہے، تو محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی شمولیت نے اس پارٹی پر لگائے جانے والے یہ اور ان جیسے الزامات پر تھوڑا ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔

۲۔ ظاہر ہے کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے صدر اور نائب صدر و یسے معنی کے خواندہ نہ تھے، لیکن جنرل سکریٹری اس قوم کے ایک جانے مانے دل جلے دانشور تھے، یوں محمد جعفر حبیب کے جنرل سکریٹری کے عہدہ سنبھالنے کے بعد عام طور پر یہ کہا جا رہا تھا کہ اب روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں سدھار آئے گا، کیوں کہ ظاہر ہے کہ کسی بھی پارٹی کا جنرل سکریٹری اس پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے۔

۳۔ محمد جعفر حبیب کے علاوہ خود مجلس شوری کے بڑے بڑے اراکین میں چند جید علمائے کرام کے علاوہ چند تجربہ کار دانشوران بھی شامل تھے، جن میں سے بعض حضرات پر علماء اور دانشوران قوم کے علاوہ عوام کی امیدیں وابستہ تھیں۔

۴۔ محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی اس پارٹی میں شمولیت کے بعد اس کی سرگرمیوں اور کار کردگیوں میں مثبت طور پر نمایاں تبدیلی آ چکی تھی، جو سیاسی اور جنگی حکمت عملی کی رو سے سراہے جانے کی قابل تھی، اب پارٹی کی ان سرگرمیوں اور کارکردگیوں کو دیکھ کر علماء اور دانشوران کے علاوہ عوام کو ایک یقین سا ہو گیا تھا کہ اب اس میں پڑھے لکھے لوگ شامل ہو چکے ہیں، جو بڑے بڑے عہدے سنبھالے ہوئے ہیں، اب تحریک آزادی کے حوالے سے کام کرنے والی یہ تنظیم ایک صحیح تنظیم میں تبدیل ہو چکی ہے، جس پر امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

۵۔ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں کچھ تجربہ کار سیاست دان اور عسکری تربیت یافتہ شامل ہو چکے تھے، جن میں جناب محمد جعفر حبیب کے علاوہ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی ناقابل فراموش

ہیں (یاد رہے کہ جناب شبیر حسین صاحب باضابطہ عسکری تربیت یافتہ تھے) تو محمد جعفر حبیب نے جناب شبیر حسین صاحب کے ذریعے عسکری ڈسپلن لانے کی حد درجہ کوشش کی، جس میں آپ قدرے کامیاب بھی ہوئے تھے، کاش مزید چند سال اس تنظیم میں آپ کی سیاسی، فکری، سماجی اور معاشرتی طور پر دل جمعی ہو پاتی اور قافلہ منزل کی طرف رواں دواں ہوسکتا تو شاید آگے چل کر یہ تنظیم ایک باضابطہ ادارہ کی شکل اختیار لیتی، لیکن یہ نہیں ہوسکا تھا۔

افسوس صد افسوس ہے ایک طرف اس تنظیم کے بعض افراد کی جہالت اور ناخواندگی تو دوسری طرف بعض حاسدین کے حسد پر مستزاد مگھ برمیوں کی سازش نے چند مہینے آگے چل کر اس تنظیم کے کلیجے پر چھرا گھونپ دیا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ کاش یہاں بعض سرکردہ لوگوں کی جہالت وناخواندگی کے ساتھ بعض افراد کے حسد وعناد نہ ہوتے تو شاید مگھ برمیوں کی سارش بھی کام نہ کرسکتی، لیکن یہاں دشمنوں کو سازش میں کامیاب ہونے کا بڑا موقع دیا گیا تھا۔

یہاں مگھ برمی دشمنوں کی وہی سازش چلی جس نے ہماری تحریک آزادی کے شہید اعظم جنرل عبد الشکور دابوی کو ۱۹۵۹ء میں شہید کردیا تھا، یہ وہی سازش تھی کہ جس نے ۱۹۵۰ء میں بانئ تحریک آزادی مجاہد اعظم حضرت محمد جعفر حسین قوال کو شہید کردیا تھا، یہ وہی سازش تھی کہ جس نے ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۵۴ء کے دوران محمد ابوالقاسم راجا اور محمد عباس سینڈنگی کے درمیان طول طویل جنگیں لڑائی تھیں، اس حوالے سے ہماری تاریخ کے کس کس کا نام لوں؟ غرض مگھ برمیوں کی اس سازش کی داستان بڑی طولانی ہے، جس پر ایک باقاعدہ کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

ار این ایل پی کا پہلا وفد بنگلہ دیش میں:

۱۹۷۲ء میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں شمولیت کے بعد تنظیم کی طرف سے ایک وفد بنگلادیش بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، اگرچہ اس وفد کے بنگلادیش بھیجنے کا فیصلہ حتمی طور پر صدر تنظیم کی طرف سے کیا گیا لیکن اس کی ترتیب وتخطیط اور پلان وپروگرام محمد جعفر حبیب ہی نے کیا تھا، دراصل یہ تخطیط اور پروگرام آپ کی ان کوششوں کا حصہ تھا جو آپ نے

بنگلادیش وجود میں آنے سے پہلے روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس کے زمانے میں کی تھی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی بنگلادیش اور یہاں کی حکومت وحکام اور عوام سے کتنی توقعات وابستہ تھیں، دراصل اس وفد کا بنگلادیش بھیجنا آپ کی اس سوچ کا نتیجہ تھا کہ:

۱۔ اس وفد کے ذریعے بنگلادیشی حکومت اور متعلقہ حکام کو یہ یقین دلانا تھا کہ ارکان کی تحریک آزادی کوئی شدت پسند، آتنکوادی، یا دہشت گرد تحریک نہیں ہے، جس کی وجہ سے علاقے میں کوئی مشکلات سامنے آکر بنگلادیش کے لئے کوئی بھی خطرہ پیدا ہوجائے۔

۲۔ اس وفد کے ذریعے بنگلادیشی حکومت اور وہاں کے متعلقہ حکام کو یہ بھی یقین دلانا کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے سرکردہ اور نمایاں لیڈران بنگلادیش کی تحریک آزادی/ جنگ آزادی کے مخالف تھے نہ اب بھی بنگلادیش کے کسی مفاد کے خلاف ہیں۔

۳۔ اس وفد کے ذریعے بنگلادیشی حکام کو یہ سمجھا دینا تھا کہ ارکان اور برما کے مگھ اور برمی قومیں تاریخی وحشی ہیں، جن کی شرپسندی اور شرارت کے حوالے سے یہاں کی تاریخ میں بہت ساری لمبی چوڑی اور پرانی داستانیں پائی جاتی ہیں، زمانۂ قدیم کی حقائق پر مبنی ان ساری داستانوں سے قطع نظر اور تو اور بنگلادیش میں پاکستانی عمل داری کے زمانے میں انہوں نے بنگلا باسیوں کے خلاف شرپسندی پر مبنی بڑی بڑی کاروائیاں کی تھیں، جو تاریخ کے ریکارڈ کے حصے ہیں، پھر ارکان بنگلادیش سرحد کے علاوہ چاٹگام کے پہاڑی علاقہ جات میں ان وحشیوں نے ماضی بعید وقریب میں جو وحشیانہ، متعصّبانہ اور شرپسندانہ کاروائیں کیں یا کرائیں ان کے پس منظر اور تناظر میں گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سورج کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ اب بھی ان وحشیوں کی طرف سے یہ امکانات بہت زیادہ ہیں کہ یہ وحشی مگھ برمی لوگ ارکان بنگلادیش سرحد کے علاوہ چاٹگام کے پہاڑی علاقہ جات میں نام نہاد علیحدگی پسندوں سے مل کر یا ان کو اپنے بھرپور تعاون کے ذریعے شرارت کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان شرپسندوں کی شرپسندی اور شریریں کی شرارت کی روک تھام کے لئے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) ہمیشہ ہمیشہ بنگلادیش کے شانے بشانے رہنا چاہتی ہے۔

۴۔ اس وفد کے ذریعے حکومت بنگلادیش اور یہاں کے عوام سے یہ گزارش کی گئی تھی کہ مسلم اکثریتی

اراکان اسلامی بنگلا دیش کے ایک پڑوسی ملک/علاقہ ہونے کی حیثیت سے اراکان کی تحریک آزادی اپنی کامیابی اور کامرانی کے لئے حکومت بنگلا دیش اور یہاں کے عوام سے ہر ممکنہ تعاون چاہتی ہے، جس کی یہ تحریک شدید محتاج ہے۔

بہر حال تنظیم نے اپنے چار رکنی وفد کو بنگلا دیش بھیجا، جس میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

۱۔ جناب رشید احمد صاحب (باموںگ معروف بہ مایورے) قائد وفد۔

۲۔ جناب مولانا محمد کبیر صاحب خواندگی۔

۳۔ جناب عبدالحق صاحب علی تانجوی۔

۴۔ جناب دین محمد صاحب نوراللہ فاروی۔

ہر حال رشید باموںگ کی قیادت میں یہ وفد بنگلا دیش پہنچا، یہاں اس وفد نے متعلقہ سیاسی حکام کے علاوہ فوجی حکام سے گفتگو کی، بالآخر اس وفد سے بنگلا دیشی متعلقہ حکام نے یہ کہا کہ حتمی گفتگو کے لئے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کی اعلی قیادت کا بنگلا دیش آنا بہت ضروری اور اہم ہے، جب کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اس وفد میں مجلس عاملہ کا کوئی رکن نہیں تھا۔

ار این ایل پی کا دوسرا وفد بنگلہ دیش میں:

روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے پہلا وفد کو بنگلا دیشی متعلقہ حکام نے یہ کہہ کر الوداع کر دیا تھا کہ ''حتمی اور فیصلہ کن بات کے لئے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کی اعلی قیادت کو بنگلا دیش آنا بہت اہم اور نہایت ضروری ہے'' تو اس کے اگلے چند مہینے تک ایک قسم کی سردمہری کے بعد ایک روایت کے مطابق بنگلا دیش کی طرف سے دعوت (یہ دعوت زبانی ملی یا تحریری طور پر اس کا کوئی پتہ نہیں چلا، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ دعوت تحریری طور پر ملی تھی، مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ یہ دعوت زبانی طور پر ملی ہوگی، کیوں کہ عمومی طور پر اس نوعیت کی دعوت تحریری کے بجائے زبانی ہی ملا کرتی ہے) ملی کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کا ایک اعلی سطحی وفد مذکرات بنگلا دیش آئے۔

یہاں ایک بات نہایت اہم اور قابل تذکرہ ہے کہ اس سے پہلے اور اس درمیانی مدت میں بھی

روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) اور بنگلا دیشی حکام کے درمیان رابطے کا فریضہ کس نے انجام دیا تھا، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ بنگلا دیشی حکام کی طرف سے دعوت آنے تک کی تحریک کس نے چلائی تھی؟

اس سوال کا جواب یہ کہ چوں کہ محمد جعفر حبیب اس سے پہلے بھی پاکستان کی عمل داری میں یہاں خاصے کام کر چکے تھے، آپ نے اس کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رکھا تھا، یوں آپ ہی کی خفیہ کوشش کے نتیجے میں بنگلا دیش کی طرف سے دعوت کا آنا ممکن ہو سکا تھا، کیوں کہ آپ ہر حال میں چاہتے تھے کہ ارکانی محرکین کے ساتھ بنگلا دیش کا رشتہ مضبوطی سے جڑ کر ارکان کے حوالے سے بنگلا دیش کا ہر ممکنہ تعاون حاصل ہو جائے۔

بالآخر محمد جعفر حبیب کی خفیہ کوشش کے نتیجے میں حکومت بنگلا دیش کے متعلقہ حکام نے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کا ایک دوسرا وفد بنگلا دیش بلایا، تو صدر پارٹی محمد جعفر ثانی صاحب بذات خود وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش جانے کے لئے تیار ہو گئے، اور اصرار پر اصرار کرنا شروع کر دیا کہ آپ اس وفد کی خود قیادت کرنا چاہتے ہیں، جو آپ کے نزدیک بنگلا دیشی حکام کا مطالبہ اور چاہت ہے۔

لیکن صدر پاٹی محمد جعفر ثانی کے برخلاف ایک اطلاع کے مطابق پارٹی کے تقریباً سارے اعلی ذمے داروں کی خواہش یہی تھی کہ اس وفد کی قیادت پارٹی کے جنرل سکریٹری جناب محمد جعفر حبیب صاحب کریں، جن کے ساتھ جناب شبیر حسین صاحب جیسے دیگر تعلیم یافتہ اور کچھ تجربہ کار ساتھی بھی ہوں گے، کیوں کہ:

۱۔ محمد جعفر حبیب اس پارٹی کے تعلیم یافتہ جنرل سکریٹری ہیں۔

۲۔ محمد جعفر حبیب اس کام کے حوالے سے کافی تجربے رکھنے کے ساتھ ڈپلومیسی اور سفارت کاری کی زبان اور اس کی پیچیدگیوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

۳۔ ان مذکورہ اوصاف وکمالات کے ساتھ آپ کو انگریزی اور بنگلا زبان کا بھی روانی سے پڑھنا اور بولنا آتا ہے۔

اس پارٹی کے چوٹی کے لیڈروں کے مطابق اگر محمد جعفر حبیب اس اعلی سطحی وفد کی قیادت کریں اور

آپ کے ساتھ شبیر حسین جیسے حضرات بھی ہوں تو سونے پر سہاگے ہونے کا امکان ہے، لیکن صدر پارٹی اوران کے ہم نوا مانتے ہی نہ تھے، اورزور دے رہے تھے کہ اس وفد کی قیادت پارٹی کے صدر کو کرنا چاہئے، جس کا منطقی نتیجہ کیا نکلا اس کا پتہ اگلی سطور میں مل جائے گا۔

بہر حال اس وفد کے حوالے سے راقم سطور نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں جو کچھ لکھا اس سے دو اقتباسات یہاں حاضر خدمت ہیں:

''۱۹۷۳ء میں حکومت بنگلا دیش کے اعلی متعلقہ حکام نے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کا ایک وفد بنگلا دیش بلایا، تو محمد جعفر ثانی بذات خود اس وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش پہنچے، یہ وفد چاٹگام ہوکر ڈھاکہ پہنچا تو بنگلا دیشی خبر رساں ایجنسی کے بعض عہدیداران جناب محمد جعفر ثانی کے بعض ذاتی کردار پر بد ظن ہو گئے، انہوں نے آپ کے بعض ذاتی کردار سے یہی تأثر لیا کہ ان جیسوں سے ایک قوم کی نجات کا کام انجام کبھی نہیں پاسکتا، بالآخر اس وفد کو کسی قسم کی گفتگو کئے بغیر واپس کر دیا گیا، تاہم اس دوران جناب شبیر حسین صاحب (جو اس وفد میں شامل تھے) کے ساتھ ایک علیحدہ مجلس میں کچھ مذاکرہ کیا گیا، جس میں جناب شبیر حسین صاحب کو کہا گیا تھا کہ تم لوگ تعلیم یافتہ دانشور ہیں، تمہارے ان (محمد جعفر ثانی) جیسوں سے کیا نسبت ہے؟ آپ لوگ اگر صحیح معنی میں کام کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ایک انقلابی تنظیم کی تشکیل دی جائے، جس کے بعد ہی بنگلا دیشی حکومت تعاون کرسکتی ہے۔ غرض اس بات پر جناب شبیر حسین صاحب نہایت خوش ہو چکے تھے، یوں اس وفد کی واپسی کے تھوڑے عرصہ بعد محمد جعفر حبیب اور شبیر حسین وغیروں نے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) سے علیحدہ ہوکر ایک نئی جماعت کی تشکیل دی، جس کا نام'' روہنگیا فدائین محاذ () تھا''۔

پھر اس اقتباس سے تقریبا ملتا جلتا اور ایک روایت ہے کہ:

''۱۹۷۳ء میں بنگلا دیش کی طرف سے یہ پیغام صدر پارٹی محمد جعفر ثانی تک پہنچا تو آپ بذاتِ خود اس وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش پہنچے، چوں کہ یہ وفد مدعو تھا تو بنگلا دیشی فوجی حکام نے اس کی بڑی اوبھگت کی تھی، لیکن چاٹگام سے یہ وفد ڈھاکہ پہنچا تو متعلقہ مسائل کے فوجی حکام نے صدر تنظیم اور قائد وفد محمد جعفر ثانی کے بعض غیر دانشمندانہ کردار وعمل، رفتار وگفتار اور چال چلن پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے وفد سے کسی بھی قسم کے مذاکرات کئے بغیر اسے واپس کرنے کا کچھ بہانہ بنالیا، بالآخر ہوا بھی ویسا کہ اس وفد کے ساتھ کسی قسم کی سیاسی وانقلابی مذاکرات یا گفتگو کئے بغیر حکام نے اپنا چہرہ بدل لیا، تاہم شبیر حسین کو الگ کر کے ان سے ایک علیحدہ مجلس میں اتنی سی بات کی کہ امید ہے کہ تمہاری تنظیم میں دانشور لوگ بھی ہوں گے، اگر آپ لوگ انقلاب کرنا چاہتے ہیں تو ان (محمد جعفر ثانی) جیسے علم ودانش سے پاک صاف قائد سے کچھ بھی نہیں بنے گا، اگر اس جیسی قیادت سے علیحدہ ہوکر آپ حضرات دانشوروں پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل دیں گے تو حکومت بنگلا دیش اس کی ہر ممکنہ مدد اور تعاون کرے گی''۔

ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے کہ ہمارے اس وفد کے قائد سے بنگلا دیشی حکام نے اس قسم کا تأثر لیا ہو، جو میرے خیال میں مبنی برحق تھا، تاہم اس وفد کی قیادت کرنے کے لئے محمد جعفر ثانی کیوں مصر تھے اور محمد جعفر حبیب کے بجائے وہ بذات خود کیوں جانا چاہتے تھے؟ اس کا جواب بعض ذرائع کے مطابق یہ ہیں کہ:

۱۔ محمد جعفر حبیب کی اس پارٹی میں شمولیت کے بعد اندرون تنظیم کے علاوہ عوامی سطح میں بھی محمد جعفر ثانی کی قیادت کا وزن خفیف ہونے لگا تھا، یوں تنظیم کے اندر پائے جانے والے بعض چڑھاوا دینے والے پرانے لوگوں نے ان کو یہ کہہ کر اکسایا کہ یوں بھی آپ (محمد جعفر ثانی) پارٹی میں محمد جعفر حبیب کے مقابلے میں خفیف ہونے جا رہے ہیں، اگر آپ کے بجائے اس وفد کی قیادت محمد جعفر حبیب کریں گے تو آپ کی حیثیت مزید گر کر صفر کی حد کو پہنچ جائے گی۔

۲۔ اس کے علاوہ عرصہ دراز سے محمد جعفر ثانی کو جس انداز سے سراہا گیا، ان کی شان میں قصیدے پر قصیدے گائے گئے، ان کی مدح سرائی پر مشتمل راگنی الاپی گئی تھی، ان کی وجہ سے ان کے اندر ایک قسم کا گھمنڈ سا پیدا ہو چکا تھا، وہ کیا اہل دانش کے مشورے سنتے؟ ان کے نزدیک وہ آدمی ایک خطرناک مجرم ہے جو ان کے کہنے پر اٹھنے بیٹھنے اور ناچنے کودنے کے بجائے کچھ نیک مشورہ دیتا ہو، ویسے اب کی بار بھی بعض ذرائع کے مطابق معاملہ ویسا ہوا تھا، چنانچہ جناب شبیر حسین صاحب نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ:

’’جناب من! ایک طرف آپ سفارت کاری اور ڈپلومیسی کی زبان سے نابلد ہونے کے علاوہ انگریزی اور بنگلا زبانوں سے بالکل ناواقف ہیں، تو دوسری طرف آپ کی زبان میں کافی تتلاپن کے ساتھ خاصی لکنت بھی پائی جاتی ہے، اس لئے آپ کا اس وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش جانا مناسب نہیں ہوگا‘‘۔

لیکن محمد جعفر ثانی پر شبیر حسین صاحب کے مشورے کا الٹا اثر ہو گیا تھا، چنانچہ انہوں نے بڑے اتراتے ہوئے جواب دیا کہ ’’دیکھو! میں وہاں جا کر کیا کرتا ہوں، ایسا کردار ادا کروں گا جو تمہارے خواب وخیال سے بھی باہر ہے۔

دراصل ناخواندگی یا خاطر خواہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے محمد جعفر ثانی کو پتہ ہی نہیں چلا کہ پروٹوکول کیسے لیا جاتا ہے، سفارت کاری اور ڈپلومیسی کس بلا کا نام ہے، ظاہر ہے کہ ان کی زندگی جس ماحول میں گزری، ان کا نشو ونما جس فضا میں ہوا وہاں مذکورہ چیزوں سے کیا لینا دینا؟ ورنہ کہتے ہیں کہ بنگلا دیش میں ان کے ساتھ اس وفد کا جیسا خیر مقدم ہوا اور جو پروٹوکول دیا گیا تھا، انہوں نے اسے قبول کرنا تک نہیں جانا تھا۔

۱۹۷۴ء میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) پر حکومت برما کی جانب سے سخت سے سخت ترین فوجی دباؤ پڑا، آئے دن اس کے خلاف میجر اپریشن ہوتا رہا تھا، جس کی تاب نہ لاکر محمد جعفر ثانی کی قیادت والی یہ پارٹی ارکان بنگلا دیش سرحد چلی گئی، اب پارٹی میں جوڑ توڑ کے ساتھ کافی افراتفری شروع ہو چکی تھی، ظاہر ہے کہ محمد جعفر ثانی کے اندر ایسی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ جن کے ذریعے ایسے حالات میں

پارٹی کو افراتفری سے بچا کے صحیح راستے پر لایا جاسکے۔

علاوہ ازیں اس پر مستزاد یہ ہے کہ محمد جعفر ثانی اور ان کے ناخواندہ نام نہاد دیرینہ ساتھیوں کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ ایسے حالات میں قیادت کی باگ ڈور محمد جعفر حبیب یا کسی تجربہ کار دانش مند کا حوالہ کردے، تو ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب سمیت اکثر دانشوروں نے یہی فیصلہ کیا کہ اب پارٹی میں رہنے کے بجائے اس سے علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ ایک نئی جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے، چنانچہ انہوں نے اس پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلی، جس کے چند دن بعد روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) بھی چند دھڑوں میں تقسیم ہوگئی، جن کے اجمالی احوال یہ ہیں:

۱۔ محمد جعفر ثانی دھڑا: روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) چند دھڑوں میں تقسیم ہونے کے چند دن بعد خود محمد جعفر ثانی والے دھڑے نے بنگلا دیشی فوجی حکام کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیے۔

۲۔ محمد قاسم علی دھڑا: اس دھڑا کے لیڈر نے اگرچہ بانگ دہل یہ دعوی کردیا تھا کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے صدر وہ ہے، لیکن اگلے چند دن میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل عمل میں آئی تو اس نے اپنے پاس کے تمام اسلحہ جات اس نئی تشکیل شدہ تنظیم کا حوالہ کردیا تھا، لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ جبھی یہ اطلاع رشید بامونگ کو ملی تو اس نے ار پی ایف پر حملہ کر کے سارے ہتھیار اس سے چھین لئے تھے۔

۳۔ رشید بامونگ دھڑا: اس دھڑا کے پاس کافی اسلحہ جات تھے، لیکن اس نے بھی اگلے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے اپنے سارے ہتھیار بنگلا دیشی فوجی حکام کے حوالے کردیے تھے۔

۴۔ مولانا محمد کبیر دھڑا: اس دھڑا نے بھی اپنے پاس کے سارے ہتھیار بنگلا دیشی فوجی حکام کے حوالے کردیے۔ اس کی تفصیل اگلی سطور میں آرہی ہے۔

۵۔ ابوبکر صدیق دھڑا: اس دھڑا نے بھی اپنے تمام ہتھیار بنگلا دیش کے حوالے کردیے تھے۔

۶ ابو الہاشم اور لقمان حکیم دھڑا: اس دھڑے نے اپنے پاس کے تمام ہتھیار روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے حوالے کیے، جس کی قدرے تفصیلات انشاءاللہ اگلی سطور میں آرہی ہیں۔

محمد جعفر ثانی مرحوم:

محمد جعفر ثانی کی ولادت ۱۹۳۳ء میں جنوبی منگڈو کی بستی بارنگیا ڈیل (میرولہ) میں ہوئی، آپ ایک دین دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ابھی آپ چھوٹے تھے کہ آپ کے والد نے اپنے کنبہ کو میرولہ سے منتقل کر کے راسیدنگ کے معروف قصبہ راجاربیل لے گیا، تو یہیں آپ کا نشو ونما ہوا اور مکتب نشینی کے علاوہ کچھ ابتدائی تعلیم بھی یہیں ہوئی تھی۔

ابتدائی اور متوسطہ کی باضابطہ دینی تعلیم آپ نے کچھ راسیدنگ میں اور کچھ منگڈو کے مختلف مدارس میں پائی، ایک روایت کے مطابق آپ نے جماعت چہارم تک کی دینی تعلیم حاصل کی تھی۔

دوران تعلیم آپ شعر و شاعری اور غزل سرائی کیا کرتے تھے، حضرت محمد جعفر حسین قوال کی طرح آپ کی آواز میں بھی بلا کی تاثیر تھی، خود سارنگی بھی بجایا کرتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ سرزمین ارکان کے اردو دان طبقہ اور مدارس دینیہ کے طلباء اردو شعر و شاعری، غزل سرائی اور نغمہ سنجی پر جان چھڑکتے تھے، یوں ہر کجا آپ کی پذیرائی ہوئی تھی۔

ایسے میں آپ کی آواز کی جادوگری اور مدبھری نغمہ سرائی کی بات جناب محمد قاسم بن عطاء الدین کے کان پڑی تو آپ کو قاسمی پارٹی میں بھرتی ہونے کی دعوت دی گئی تھی، لیکن آپ نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا تھا، مگر قاسمی پارٹی کے لوگوں نے آپ کو پکڑ کر پارٹی میں داخل کر لیا، یوں چند دن جاتے نہ جاتے آپ قاسمی پارٹی کے بڑے بڑوں میں شمار ہونے لگے تھے۔

قاسمی پارٹی کی تباہی اور اس کے چند سال بعد جناب ربیع اللہ اور ان کے ساتھیوں کے ۱۹۶۱ء میں برمیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے بعد آپ ارکانی مگھوں کی زیرزمین کام کرنے والی بدنام زمانہ پارٹی ''رامالاپا'' میں شامل ہو گئے، پھر ۱۹۶۶ء میں ارکانی مسلم جوانوں اور نوجوانوں کی حمایت سے ایک علیحدہ پارٹی ''ارکان آزاد فوج'' کے نام سے تشکیل دی، جس کے آپ صدر بنے، یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں ارکانی مسلمانوں کی زیرزمین کام کرنے والے تقریباً سارے کے سارے خاموش ہو گئے تھے۔

آپ نے بستی راجاربیل کو اپنی پارٹی کا مرکز قرار دیا، علاوہ اس کے مجاہدین کے لئے اور بھی مختلف مقامات میں چند چھوٹی بڑی چند چھاونیاں تعمیر کروائی تھیں۔

۱۹۷۲ء کے اوائل میں آپ نے ایک وفد بنگلا دیش بھیجا، جب کہ ۱۹۷۳ء میں بنگلا دش کی دعوت پر آپ بذات خود ایک وفد (دوسرا وفد) کی قیادت کرتے ہوئے ڈھاکہ گئے تھے۔

۱۹۷۴ء میں افراتفری اور رسہ کسی کی بنیاد پر پارٹی تقسیم در تقسیم کی شکار ہو گئی تو آپ نے اپنے بہت سارے ہم خیال سمیت بنگلا دیشی فوجی حکام کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، اس کے بعد چند سال کوکس بازار کے علاقے میں مقیم رہے، ویسے بڑی پریشانی اور کس مپرسی کے عالم میں آپ نے ۱۹۷۸ء میں کوکس بازار کے علاقے میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پانچواں باب

روہنگیا فدائینِ محاذ (RPF)

پس منظر:

راقم سطور کے خیال میں روہنگیا فدائینِ محاذ (RPF) کی پہنچان درحقیقت ہمارے عظیم قائد و رہنما محمد جعفر حبیب کی نرالی شان سے عبارت ہے، اگر چہ آپ کی سیاسی اور ایک حیثیت سے انقلابی زندگی آپ کی تعلیمی زندگی سے شروع ہوچکی تھی اور روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے علاوہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے دوران آپ کی ذات و شخصیت قومی سطح پر ابھر کر سامنے آئی تھی، لیکن عمومی طور پر آپ کی انمول اور نرالی شخصیت کی سب سے بڑی شان روہنگیا فدائینِ محاذ (RPF) میں آپ کے کردار سے ظاہر ہوئی تھی۔

روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھیوں کی شمولیت کی چند وجوہات تھیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اس پارٹی میں شامل ہونے میں آپ اور آپ کے رفقائے کار کی خاصی مجبوریاں تھیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں بنگلا دیش وجود میں آ گیا تو ایک طرف بنگلا دیشی مکتی بھانی نے آپ اور آپ کے رفقائے کار پر یہ الزام لگایا کہ آپ اور آپ کے احباب پاکستانیوں کے ساتھ دوران جنگ ساز باز کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپ سرحد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

یہ الزام دراصل ایک الزام ہی تھا، حقیقت میں اس حوالے سے ہمارے یہ حضرات سرے سے معصوم اور غیر جانب دار تھے، کیوں کہ یہ چاہتے نہیں تھے کہ پاکستان ٹوٹ کے برصغیر کی واحد اسلامی ریاست کم

زور ہو جائے، جس کے اثرات اور تو اور ارکان اور یہاں کے مظلوم مسلمانوں پر سب سے زیادہ پڑنا یقینی تھے، جو بعد میں پڑے بھی ہیں، پھر دوسری طرف بعض پاکستانی خوانین کے ہاتھوں بنگالی مسلمانوں پر جو شدید مظالم ہو رہے تھے آپ کو اس حقیقت پر بھی شدید درد و غم تھا، یہ وہی مظالم تھے جنہیں دین و ایمان اور انسانیت کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا گیا تھا، تو ایسے حالات میں آپ کی خواہش تھی کہ پاکستان ٹوٹنے کی شکل میں امت مسلمہ کا شیرازہ بھی بکھر نہ جائے اور ساتھ ہی ساتھ پاکستانی خوانین کے مظالم بھی بند ہو کر بنگالیوں کو ان کے جائز حقوق مل جائیں۔

درحقیقت ہمارے قائد کے اس معتدلانہ نظریہ کے حوالے سے سچ کہا جائے تو بنگالیوں کا عظیم قومی لیڈر مرحوم شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کا بھی بنگلا دیش کی مکمل آزادی کی کال سے پہلے وہی مطالبہ تھا، جو ہمارے قائد کا تھا، لیکن افسوس ہے کہ شاید کسی ایک بڑی سازش کے تحت ہو کہ بنگلا دیش کی آزادی کے بعد محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کے سروں پر یہ الزام تھونپ دیا گیا کہ انہوں نے بنگلا دیش کی آزادی کی مخالفت کی اور اس حوالے سے ہمیشہ پاکستانیوں کا ساتھ دیا تھا، ویسے ۱۹۷۲ء کے دوران ہمارے ان غیر جانب دار اور معتدلانہ مزاج کے لیڈروں کے لئے بنگلا دیش کی زمین تنگ کر دی گئی، اور یہ تب تک تنگ تھی کہ جب تک بنگلا دیش میں عام معافی کا اعلان نہیں ہو گیا تھا۔

۲۔ دوسری طرف روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے زمانے سے اندرون وطن میں محمد جعفر حبیب کی ذات اور شخصیت ابھر کر اتنی سامنے آئی کہ جیسے صبح سورج طلوع ہو کر دنیا کے سامنے آتا ہے، یوں برمی شدت پسند حکومت نے آپ اور آپ کے بعض رفقائے کار کے سروں کی قیمت کا اعلان کر رکھا تھا، تو ایسے حالات میں آپ جائیں تو کدھر جائیں؟ ایک طرف ظاہر ہے کہ بنگلا دیش کی زمین بھی ان کے لئے تنگ تو دوسری طرف ان کے لئے اپنے وطن کی زمین بھی حرام، تو مجبوراً آپ کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں ہی پناہ لینا پڑا تھا۔

۳۔ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں پناہ لینے کے اسباب میں سے میرے خیال میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ۱۹۷۰ء کے دوران چوں کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے نمایاں اراکین اور لیڈروں نے ترک وطن کر کے او چوکھایا (اوسوکیا) میں ایک معسکر کی بنیاد ڈالی تھی، جن کی نیک خواہش تھی کہ برمی درندوں

کے خلاف مسلح کاوائیاں کی جائیں، تاہم بعض ناگزیر حالات کے ساتھ بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ کاروائیاں نہیں ہوسکی تھیں، لیکن محمد جعفر حبیب اور آپ کے تمام رفقائے کار ذہنی طور پر مسلح کاروائیوں کے لئے تیار ہو چکے تھے، یوں ۱۹۷۲ء میں ایک جانب ہر چند مجبوریاں تو دوسری طرف روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں شمولیت کی دعوت تو درج ذیل فوائد کے پیش نظر آپ نے اس مؤخر الذکر تنظیم میں شرکت کو مناسب سمجھا کہ:

(الف) کہنے میں تو آسان لیکن برمیوں کے خلاف باضابطہ مسلح کاروائیاں کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا، جسے تب تک ذہنی اور فکری طور پر سبھی محمد جعفر حبیب بخوبی سمجھتے تھے، ویسے اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے فیصلہ کیا کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (یاد رہے کہ آپ کی شمولیت سے پہلے اس پارٹی کا نام ''روہنگیا آزاد فوج'' تھا، جس کا تذکرہ سطور بالا میں گزر چکا ہے) میں شرکت نے آپ کی ممکنہ اگلی جنگی تیاری کے حوالے سے کچھ مسائل حل ہوجائیں گے۔

(ب) ناخواندگی، جہالت کے ساتھ ذہنی، فکری اور عسکری تربیت کے فقدان کی وجہ سے روہنگیا آزاد فوج جس افراتفری، بدعنوانی اور بدکرداری کی شکار تھی، اسے اصلاح کر کے قومی مفاد میں لانا بھی تو ایک عظیم کام تھا، جسے ایک قومی ذمے داری کے ساتھ ملی فریضہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا تھا، یوں اس حوالے سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس تنظیم میں بحیثیت ایک مصلح شرکت کی تھی، جس میں آپ تھوڑے کامیاب بھی ہوئے تھے، کاش آپ اور آپ کے پڑھے لکھے رفقائے کار کے خلاف وسیع پیمانے پر سازش نہ ہوئی ہوتی تو آپ پوری کامیاب ہوجاتے۔

لیکن افسوس اور صد افسوس ہے کہ ظالموں نے بالآخر آپ کو کامیاب ہونے نہیں دیا، دراصل دشمن مگھ برمیوں کی سازش بعض یہاں کے لوگوں کی ناخواندگی اور جہالت کے راستے گھس چکی تھی، جس میں کچھ ایسے جاہل اور ناخواندہ لوگ بھی تھے، جنہوں نے اس سے پہلے محمد عباس اور محمد قاسم راجا کو تباہی کی اندھیری وادی میں لا کر ختم کیا تھا، وہ لوگ جاہل اور ناخواندہ تو تھے ہی پھر ساتھ ساتھ اتنے خودسر بن چکے تھے کہ چہ جائیکہ ان کے سامنے کوئی انسان حقیقت اور واقعیت پر مبنی کسی قسم کی حرکت کرتے بلکہ کسی پرندے کا پر مارنا تک ان کو گوارہ نہیں ہوتا تھا۔

محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار نے یہاں اصلاح کرنے کی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن آخر کار آپ کو اس حوالے سے وہ خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی جس کی توقع آپ اور آپ کے پڑھے لکھے رفقائے کار کو تھی، ویسے ۱۹۷۳ء کے اوائل میں آپ کو دوسرا قدم اٹھانا پڑا، جو بعد میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔

بہر حال روہنگیا لبریشن پارٹی کے ایسے مخمصے کے حالات میں بنگلا دیشی حکام کا وہی امید دلانا جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے سونے پر سہاگے کا کام دیا تھا، جو آگے چل کر محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی سے علیحدگی کے ساتھ روہنگیا فدائین محاذ کی تاسیس کا سبب بنا تھا۔ اب اس مخمصے کے حوالے سے میری سابقہ تصنیف کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

> ۱۹۷۳ء کی ابتدا میں برمی فوجی ڈکٹیٹر نیون حکومت نے ارکان کے روہنگیا مجاہدین پر سخت دباؤ ڈالنا شروع کر دیا، مجاہدین بڑے پریشان تھے، جناب جعفر ثانی مرحوم کی قیادت میں چلنے والی تنظیم روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) ایک طرف برمی فوجی آپریشن کے سخت ترین دباؤ کی شکار، تو دوسری طرف اندرونی خلفشار، کمانڈروں کی سرکشی اور ہوس جاہ کے نتیجے میں قیادت کی رسہ کشی کی شکار تھی، دشمن کے دباؤ سے زیادہ داخلی خلفشار نے تنظیم کو گھن کی طرح کھا چکا تھا، تنظیم باوجود یکہ افرادی قوت اور اسلحہ جات سے (بحیثیت ایک گوریلا تنظیم) مالا مال تھی، لیکن مذکورہ مصیبتیں تنظیم کے لئے سخت پریشانی کا سبب بن چکی تھیں، اب تنظیم میں جتنے گنے چنے لوگ تھے تقریبا ہر ایک اپنے کو منصب قیادت پر جلوہ فرما دیکھنا چاہتے تھے، قیادت اور لیڈرشپ کے نشے میں چور اکثر متوالے اور مدہوش ہوگئے تھے۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیس:

روہنگیا لبریشن پارٹی کے صدر محمد جعفر حسین ثانی مذکورہ بنگلا دیشی دورہ کے بعد جنگل کو چلے گئے، لیکن ان کا اہم ساتھی اور رفیق سفر جناب شبیر حسین صاحب نے ان کے ساتھ جنگل جانے سے معذرت کر لی،

تب آں جناب کو بنگلا دیشی متعلقہ حکام یا خبر رساں ایجنسی والوں کی بات نہ صرف پسند آئی بلکہ یقین سا ہوگیا تھا کہ اب علمائے کرام اور دانشورانِ عظام پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی جائے گی تو بنگلا دیشی حکومت ان کی بھرپور مدد کرے گی، اس حوالے سے راقم نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں جو ریمارک (REMARK) دیا تھا اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

''درحقیقت بنگلا دیشی فوجی حکام کی زبان سے یہ ایک وعدہ نہ تھا، بلکہ ایجنسی کی طرف سے یہ ایک زہر ہلاہل کی گولی تھی، جس نے جلد اور پہلے پہل میں جناب شبیر حسین صاحب کو متأثر کرلیا تھا، یہ وعدہ کی شکل میں پھول کی چھری تھی، جو اپنے دامن میں انگنت نزاکت رکھنے کے باوجود کسی کے دل کو زخم سے چور اور چہرے کو پسینے سے شرابور کردینے کی صلاحیت رکھتی تھی، اب شبیر حسین صاحب نے فرط مسرت میں جعفر ثانی اور ان کے کردار وعمل، چال چلن پر سخت ملامت کونا شروع کردیا، آنکھ ملاتے ہوئے سست کہا گیا تو جعفر ثانی بڑے پریشان ہوکر پھولوں کی طرح کملائے پڑے تھے، آخر کار وفد سرحد کو پہنچا، لیکن شبیر حسین صاحب نے قائد کے ساتھ دوبارہ جنگل کو جانا اپنی جان کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھ چکا، اور جنگل جانے سے معذرت کی''۔

محمد جعفر ثانی تو جنگل اپنے مستقر کو چلے گئے، لیکن جب شبیر حسین صاحب نے محمد جعفر حبیب سمیت پارٹی کے ہم خیالوں سے اپنے طور پر رابطہ کیا، ویسے محمد جعفر حبیب اور آپ کے سارے ہم خیال پارٹی کو چھوڑ کر سرحد چلے آئے تھے۔

۱۲/اکتوبر/۱۹۷۳ء میں ایک نئی تنظیم کی تأسیس کے لئے چاک ڈالا (درۂ چاک) میں قائدین جمع تھے، جس میں حالات حاضرہ کا جائزہ لیا گیا تھا، یہاں جمع ہونے والے بعض حضرات کا مشورہ تھا کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کی احیاء کی جائے، کیوں کہ اس کی شہرت قومی سطح پر ہوچکی تھی، اور جس کے بہت سارے قابل قدر ممبران اندرون وطن میں تھے، لیکن اکثریت کا مشورہ تھا کہ ایک نئے نام کا انتخاب کیا جائے، یوں اس مجلس میں اگلی ہونے والی تنظیم کے بہت سے نام پیش کئے گئے، لیکن مسٹر شبیر حسین نے روہنگیا پیٹرائٹک فرنٹ (RPF) یعنی روہنگیا فدائین محاذ جیسا خوب صورت نام پیش کیا تو

تمام مشارکین نے اس نام پر اتفاق کرلیا، یوں ایک نئی تنظیم اب عالم شہود پر آگئی تھی۔

اب مسلح سرگرمی کا سوال آیا تو جناب شونا علی صاحب دابری چنگی نے ایک تجویز دی، جسے میں اپنی سابق تصنیف سے یہاں لاتا ہوں کہ:

''لیکن جہاں تک مسلح ہونے کا سوال تھا اس کے بارے میں شرکاء میں سے مسٹر شونا علی صاحب دابری چونگی کی رائے یہ تھی کہ باوجودیکہ حالات نے ہمیں ارا ین ایل پی میں شریک ہونے اور دشمن کے خلاف ان کے ساتھ مل کر مسلح ہونے پر مجبور کردیا تھا، لیکن ہم اس سے بھی پہلے زیرزمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے ممبران ہیں، سردست ایک نئی تنظیم تو بنائی گئی، لیکن اگر ہتھیار اٹھانا ہے تو اندرون وطن کے ریف کے اہل دانش ممبروں سے مشورہ کرکے ان کی آراء جمع کرنی ہوں گی، اگر ان کی اکثریت مسلح ہونے کے حق میں ووٹ ڈالے گی تو ہتھیار اٹھانا ہوگا ورنہ نہیں، اس سوال کے جواب میں محمد جعفر حبیب نے کہا کہ ہم ابھی سرحد کے اس پار ہیں، ان دشوار گذار حالات میں اندرون وطن کے ان دانشوروں کی آراء جمع کرنا کوئی مذاق کی بات نہیں، اور وہ کام نہ صرف کٹھن ہے بلکہ ناممکن بھی، مسٹر شونا علی صاحب نے بڑے طرار ہوکر کہا کہ ہم ان لوگوں کے گھر جائیں گے، اور اسی راہ پر ضرورت ہو تو قربان بھی ہوں گے، اب محمد جعفر حبیب خاموش تھے، شونا علی صاحب نے رضا کارانہ طور پر ان کے ساتھ جانے والوں کو آواز دی تو بڑے بڑوں میں مسٹر شبیر حسین صاحب اور احمد حسین بی اے سمیت دس افراد ساتھ جانے کو تیار ہوگئے تھے''۔

مشاورت کے لئے اندرون وطن جانے کو بہت سارے حضرات تیار ہوگئے تھے، ہر ایک مصر تھے کہ اندرون وطن جاکر وطن کی ہواؤں سے محظوظ ہونے کے ساتھ وہاں بڑی تعداد میں پائے جانے والے احباب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے، لیکن مشورہ کے بعد تین رکنی وفد کی تشکیل عمل میں آئی، جس میں جناب شونا علی صاحب کے علاوہ درج ذیل حضرات شامل تھے:

۱۔ جناب شبیر حسین صاحب (BA) فوئمالوی۔

۲ جناب احمد حسین صاحب (BA) یونگ چنگی۔

ابھی یہ وفد راستے پر تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا اس حوالے سے میری سابقہ تصنیف کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

''ابھی شوناعلی صاحب اور ان کا وفد راہ پر تھا کہ یکا یک موضع زیرین بگلی میں محمد قاسم علی صاحب (اراین ایل پی سے بچھڑی ہوئی جماعت) سے ملاقات ہوگئی، ان لوگوں کے پاس تقریبا اسی اسلحے تھے تو قاسم علی صاحب نے رضا کارانہ طور پر شوناعلی صاحب کے سامنے یہ بات کہہ دی کہ ہم ار پی ایف کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہیں- چونکہ شوناعلی صاحب ایک مہم کو سر کرنے جارہے تھے تو فوری طور پر قاسم علی صاحب کو جناب محمد جعفر حبیب سے رابطہ کرنے کی گزارش کی، اس کے بعد وفد اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا، یاد رہے کہ شمالی ارکان میں ایسا کوئی گاؤں شاید تھا کہ جہاں ریف (RIF) کے چند ممبران نہ رہے ہوں، تو وفد نے ریف کے سرکردہ ممبروں سے ملاقات کرکے ہتھیار اٹھانے کے سوال پر ان کی رائے لی، یوں وفد راہ کی ساری منازل طے کرتے ہوئے قصبۂ پوئمالی (بوسیدنگ) پہنچا-

چونکہ مسٹر شبیر حسین کی اہلیہ اب بھی پوئمالی میں تھی، انہوں نے قائد وفد شوناعلی صاحب سے چھٹی لی اور گھر گئے، تقریبا پانچ روز کی چھٹی مناکر واپس جنگل میں وفد سے جاملے، لیکن احمد حسین بی اے صاحب نے سسرال کے گھر گودام فارہ جانے کے بہانے سے چھٹی لی اور ایک پستول سمیت واپسی کا نام نہ لیا، بعد میں انہوں نے برمی سرکار کے سامنے ہتھیار ڈال دیا تھا-

وفد تقریبا ایک مہینے کی سخت کوشی کے بعد واپس آیا، شوناعلی صاحب کے مطابق ریف کے اکثر ممبروں نے اس بات پر اتفاق کرلیا تھا کہ حالات جتنے بھی پریشان کن اور نازک کیوں نہ ہوں ار پی ایف کے لئے ضروری ہے کہ برمی غاصبوں کے خلاف جتنی کم مدت میں ممکن ہو سکے مسلح ہوجائے''-

ادھر محمد قاسم علی صاحب اور اس کی پاٹی نے محمد جعفر حبیب سے خط کے ذریعہ رابطہ کیا، لیکن محمد حبیب

نے اس کے خط کا کوئی جواب نہ دیا تھا، اب شوناعلی صاحب اس مسئلہ پر بڑے پریشان تھے، محمد جعفر حبیب سے پوچھا گیا تو جواب ملا کہ:

چونکہ قاسم علی کے پاس بہت سارے اسلحے ہیں، آپ حضرات ہتھیار اٹھانے کے سوال پر مشورہ کرنے کے لئے ابھی ارکان گئے ہوئے ہیں، نہ جانے ممبروں کی رائے اثبات میں ہوگی یا نفی میں؟ اس غیر یقینی اور متردد صورت حال میں ہم قاسم علی اور اس کی جماعت کے اسلحے کیسے لے سکتے ہیں؟

۱۲/اکتوبر/۱۹۷۳ء میں اگر چہ چاک ڈالا کے مقام پر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے نام کی تجویز پاس ہوئی تھی لیکن جناب شوناعلی صاحب کی قیادت میں اندرون وطن جانے والے وفد کے واپسی تک اس کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، ویسے وفد کی کامیاب واپسی پر ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) نے اپنے اعلان کے ساتھ یہ بتایا کہ آج سے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کالعدم سمجھی جائے گی، اور جس کی جگہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) قومی کام کرے گی، اور اسی اجلاس میں مجلس عاملہ بھی تشکیل دی گئی، جس کے اراکین یہ تھے:۔

<u>اراکین مجلس تأسیسی اور عاملہ:</u>

(۱) صدر: جناب محمد جعفر حبیب علی چنگی، بوسیدنگ۔
(۲) جنزل سکریٹری: جناب شبیر حسین پوئمالوی، بوسیدنگ۔
(۳) مشیر اعلی: جناب شوناعلی صاحب دابری چونگی، بوسیدنگ۔
(۴) مشیر اعلی: جناب دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی، بوسیدنگ۔
(۵) مشیر اعلی: جناب ابوالفیاض صاحب نافیتا رڈیلی، منگڈو۔
(۶) مشیر اعلی: محمد حسین صاحب فیتو رفاروی، بوسیدنگ۔
(۷) مشیر اعلی: مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی، بوسیدنگ۔

ان کے علاوہ مسٹر عبدالغنی، عبدالحق، عبدالصمد، عبدالرحیم کے نام بھی ملتے ہیں، یہ حضرات اجلاس میں تو شامل تھے لیکن مجلس عاملہ میں چنے نہیں گئے تھے۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے اعلان کے بعد:

ادھر ار پی ایف وجود پر آ گئی تو ادھر اراین ایل پی کے اندر سیاسی رسہ کشی، علیحدگی کی بیماریاں حد سے بڑھ کر ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی تھیں، پارٹی برائے نام تھی، تقریباً ہر فرد اپنے آپ کو منصب قیادت کی بلند کرسی پر دیکھنا چاہ رہا تھا۔

دراصل روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی علیحدگی کے بعد چند دھڑوں میں تقسیم ہو چکی، جس کا اجمال پچھلی سطور میں بیان کیا گیا ہے، یہاں ان متحارب دھڑوں کی قدرے تفصیلات یہ ہیں کہ:

۱۔ محمد قاسم علی دھڑا: محمد جعفر ثانی کے بنگلا دیشی فوجی حکام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بعد دوسرے تیسرے دھڑوں کے قائدین کی طرح وہ بھی اس پارٹی کے صدر ہونے کے مدعی تھے، اس دھڑے کے حوالے سے یہ بات پچھلی سطور میں گزر چکی ہے کہ اس نے جناب شونا علی کے ساتھ ملاقات کی تھی، اور اس خواہش کا برملا اظہار کیا تھا کہ وہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہے، اور اس سلسلے میں محمد قاسم علی صاحب نے بذریعہ خط محمد جعفر حبیب سے رابطہ بھی کیا تھا۔

ایسے حالات میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی کے چند گروپوں نے آپس کی ملی بھگت سے ایک اجلاس بلایا، اور اصرار کیا گیا کہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لیڈران اس میں شریک ہوں، دعوت شرکت ملی تو ار پی ایف کے چوٹی کے ممبروں میں اختلافات شروع ہو گئے تھے، تقریباً صرف مسٹر شونا علی صاحب کے علاوہ تمام ممبران اجلاس میں شرکت کرنے کے حق میں تھے، مسٹر شونا علی صاحب شرکت کرنے کو نہ صرف بے فائدہ سمجھتے بلکہ پارٹی اور جان کے لئے خطرہ بھی سمجھتے تھے، ویسے انہوں نے یہ کہہ کر شرکت کرنے سے معذرت کی کہ اجلاس میں شرکت کرنا دانستہ طور پر موت کو آواز دینے کا مترادف ہے، لیکن ان کے خلاف محمد جعفر حبیب اور ان کے بعض رفقائے کار کا کہنا تھا کہ اگر موت بھی آ جائے تو بھی ہم ضرور اجلاس میں شرکت کریں گے، پھر شونا علی صاحب نے کہا کہ اگر تم اجلاس میں شرکت کرو گے تو آج سے میں پارٹی سے علیحدہ ہوں، اب شونا علی صاحب نے دیکھا کہ وہ لوگ اجلاس میں ضرور شرکت کرنے والے ہیں تو انہوں نے پارٹی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اب میں جا رہا ہوں،

یہ کہہ کر چل پڑے تو کسی نے ان کو نہ روکا، اس کے بعد مسٹر شونا علی صاحب نے ار پی ایف سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

بالآخر محمد جعفر حبیب اور آپ کے بعض رفقائے کار اجلاس میں شریک ہوئے تو وہاں انہیں بڑے پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑا، درحقیقت اراین ایل پی والوں کے دل صاف نہ تھے، انہوں نے اجلاس میں ار پی ایف والوں کو صرف دھوکہ دینے کے لئے بلاوا بھیجا تھا، پھر اجلاس میں پریشان کن گفتگو سے ار پی ایف والوں نے جلد بھانپ لیا کہ موت کا سایہ ان کے سر پر منڈلا رہا ہے، اور وہ موت کی اندھیری وادی میں داخل ہو چکے ہیں، تو انہوں نے بہانے تراشے اور کہا کہ جلسہ آج ملتوی کیا جائے، کل انشاء اللہ اس جگہ پر پھر جلسہ شروع ہوگا، ویسے اس بہانے سے ار پی ایف کے لیڈروں نے جان بچائی تھی۔

تاہم یہ ساری چیزیں محمد قاسم علی صاحب نے بنظر غائر دیکھیں تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ کم سے کم اس کے پاس کے سارے اسلحہ جات روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے حوالے کر دیے جائیں، چنانچہ اگلے چند دن کے اندر ہوا بھی یہی تھا، لیکن افسوس ہے کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی کے اور ایک دھڑا جس کی قیادت رشید بامونگ کر رہے تھے نے ار پی ایف پر حملہ کر کے سارے اسلحہ چھین لئے تھے۔

۲۔ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کا دوسرا دھڑا جس کی قیادت مولانا محمد کبیر صاحب خواندگی کر رہے تھے، انہوں نے بھی محمد جعفر حسین ثانی کی طرح ار پی ایف کے اعلان سے قبل اپنے پاس کے ہتھیار بنگلا دیشی فوجی حکام کے سامنے ڈال دیے تھے، لیکن انہوں نے ار پی ایف والوں پر یہ الزام لگایا کہ اراین ایل پی کے جتنے اسلحہ جات بنگلا دیشی حکومت کے ہاتھ چلے گئے تھے اس واقعہ میں ار پی ایف والوں کا ہاتھ ضرور تھا، مولانا کے مطابق پہلے تو اراین ایل پی کے ساتھ بنگلا دیشی فوجی حکام کا رابطہ اس کے ایک مشہور ممبر جناب سجاد رواسوگری کی ثالثی کی وجہ سے ہوا، انہوں نے اس کار خیر کے لئے اپنے کو قربان کر دیا تھا اور وہ کامیاب بھی ہوئے تھے، اس سلسلے میں میجر عبدالرزاق اور اراین ایل پی کے دوسرے تیسرے دھڑوں کے درمیان ثالثی کا فریضہ بھی جناب رواسوگری نے انجام دیا تھا۔ پھر دوسری بات جو مولانا نے اپنے پاس کے اسلحہ جات کے متعلق بتائی ہے کہ:

''پہلی دفعہ جمع کرانے والوں کی بات چھوڑو میرے پاس اراین ایل پی کے جتنے اسلحے تھے وہ صرف ارپی ایف کے لیڈروں کے کردار کے نتیجے میں بنگلا دیشی حکومت کے ہاتھ چلے گئے تھے، درحقیقت بات یہ تھی کہ اراین ایل پی منقسم ہوجانے کے بعد ارپی ایف کے لیڈروں نے جان توڑ کوشش کی کہ کسی بھی قیمت میں تمام اسلحے ان کے ہاتھ آئیں، لیکن ان کی جدوجہد ناکام ہوگئی تھی، ابھی ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تو انہوں نے نام نہاد حکمت عملی کے تحت چال چلی کہ اس معاملہ میں بنگلا دیشی فوجی حکام کو ثالث بنالیا جائے، تو انہوں نے میجر عبدالرزاق کے ساتھ رابطہ کیا اور کہا کہ کسی بھی حیلے اور بہانے سے ان پرانے ارکانی چھاپہ ماروں سے ہتھیار چھین لئے جائیں، سجاد صاحب کی ثالثی میں عبدالرزاق کا رابطہ اراین ایل پی والوں سے ہوا، اور بات طے کرلی گئی کہ سردست سارے اسلحے بنگلا دیشی فوجی حکام کے پاس جمع کئے جائیں اور وقت آنے پر سارے واپس کردیئے جائیں گے، فوجی حکام نے ارپی ایف کے لیڈروں کو یہ جھانسہ دیا کہ ہتھیار چھین لینے میں ان کی مدد کریں، اور جب سارے ہتھیار پر قبضہ ہوجائے گا تو سارے اسلحے ارپی ایف کے حوالے کئے جائیں گے، دراصل ارپی ایف کے قائدین خوش فہمی میں مبتلا ہوچکے تھے، کہ جب اراین ایل پی بالکل ختم ہوجائے گی تو قومی خدمات کے میدان میں صرف ایک ہی تنظیم اور وہ بھی بنگلا دیشی حکومت کی پشت پناہی میں ارپی ایف ہی رہ جائے گی، یوں اراین ایل پی تو ختم ہوگئی تھی مگر وقت نے ثابت کردیا کہ ارپی ایف کے قائدین کس خوش فہمی پر تھے، صرف یہ نہیں بلکہ اراین ایل پی کے سارے ہتھیار پر قبضہ ہوجانے کے بعد بنگلا دیشی حکومت نے ارپی ایف کو بھی نہیں چھوڑا کہ ان کے پاس جتنے اسلحے تھے وہ بھی ڈھونڈ نکالے گئے تھے، حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کی جان پر مصیبت آن پڑی تھی، ادھر جعفر حبیب نے میرے ہتھیار ارپی ایف کے نام سے جمع کرانا چاہا مگر وہ نہ ہوسکا، اور میں جانتا تھا کہ وہ ہتھیار پھر ارکانی مسلمانوں کے ہاتھ کبھی بھی نہیں آئیں گے، لیکن ارپی ایف کے قائدین نے ایسی چال چلی کہ میں ہتھیار جمع کردینے پر مجبور ہوگیا تھا''۔

یہ بڑی غور طلب بات ہے کہ مولانا محمد کبیر صاحب کے روہنگیا فدائین محاز پر لگائے گئے الزامات کہاں تک مبنی برحقیقت وصحت تھے، تاہم ان کے مذکورہ بیان کے علاوہ اور دیگر بیانات سے کچھ باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ:

(الف) مولانا محمد کبیر سے پہلے روہنگیا نیشل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے جو اسلحے بنگلا دیشی فوجی حکام کے پاس جمع ہوئے تھے ان میں قائد پارٹی محمد جعفر حسین ثانی والے اسلحے سب سے پہلے جمع ہوئے تھے، اس کے بعد دوسرے نمبر پر رشید بامونگ کے پاس والے جمع ہوئے، جن کے پاس محمد قاسم علی صاحب والے وہ اسلحہ جات بھی تھے جو روہنگیا فدائین محاز (RPF) سے چھین لئے گئے تھے، اور اس کے بعد مولانا محمد کبیر کے پاس والے اسلحہ جات جمع ہوئے تھے۔

(ب) روہنگیا فدائین محاذ (RPF) والوں نے روہنگیا نیشل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے اسلحہ جات حاصل کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی تھی، تاکہ قومی امانت قوم کے پاس رہے، لیکن اس کوشش میں ان کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

(ج) نہ جانے بنگلا دیشی فوجی حکام کا مقصد کیا تھا، کیوں انہوں نے روہنگیا مسلمانوں کی تحریک آزادی کے سلسلے کو ختم کرنا چاہا، وقت تو مسلسل آتا اور گزرتا ہی رہا، روہنگیا فدائین محاذ کے علاوہ بھی دیگر کتنی روہنگیا انقلابیوں کی تنظیمیں بنیں ابھریں، کیوں وہ اسلحہ جات آج تک واپس نہیں ہوسکے؟ اس حوالے سے مولانا محمد کبیر صاحب کا اندیشہ مبنی برصحت تھا کہ ''یہ اسلحہ جات کبھی بھی واپس نہیں ہوں گے'' یہ ایک جھانسہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟۔

(ج) مولانا محمد کبیر کے بیان کے مطابق روہنگیا فدائین محاذ (RPF) والے کافی پرامید تھے کہ بنگلا دیشی حکومت وحکام ان کی پشت پناہی کریں گے، لیکن تاریخ کے اس طویل دور میں بنگلا دیش اور اس کے نمایاں حکام نے آج تک کہاں تک اور کس انداز میں ان کی پشت پناہی کی، امداد کی اور تعاون کیا یہ بھی ایک اہم سوالیہ نشان ہے۔

(د) اب مولانا محمد کبیر کا جہاں تک تعلق ہے، آپ کے بیان کے مطابق آپ کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ اسلحہ جات روہنگیا کو دوبارہ کبھی بھی واپس نہیں کئے جائیں گے، ایسے حالات میں اس وقت آپ کی وہ

کون سی مجبوری تھی جس کی وجہ سے اتنی بڑی حقیقت کو جانتے ہوئے بھی آپ نے بنگلا دیشی فوجی حکام کے پاس سارے اسلحہ جات جمع کر دیے تھے؟ جب کہ آپ زندگی بھر یہ کا دعوی کرتے رہے تھے کہ آپ ایک بڑے عالم، خبیر دانشور اور فعال قومی لیڈر ہیں، کیوں نہ آپ اس موقع پر اس قومی سرمایہ کو بچانے میں ناکام رہے؟؟؟۔

۳۔ ایک روایت کے مطابق روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے ابو صدیق صاحب والے دھڑا کے اسلحہ جات ابوالہاشم اور ان کے بھائی لقمان حکیم کے ہاتھ لگ گئے تھے، ۱۹۷۵ء میں جب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید ہوئی تو انہوں نے اپنے پاس کے سارے اسلحے ار پی ایف کا حوالے کر دیے تھے۔

یہاں ابوالہاشم اور لقمان حکیم صاحبان کے تذکرے نہ کئے جائیں تو نہایت ناسپاسی ہوگی، کیوں کہ ان دونوں بھائیوں نے روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے بڑی تعداد میں اسلحے بنگلا دیشی فوجی حکام کے پاس جمع ہونے اور ان پر مسلسل دباؤ ڈالے جانے کے باوجود اپنے پاس کے اسلحے سنبھالنے میں کامیابی حاصل کی، جو بالآخر قوم کے کام آئے تھے، ان دونوں بھائیوں کے متعلق اورتو اور محترم نورالاسلام صاحب (حالیہ صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی زبانی یہ بات سن رکھی تھی کہ:

> ''یہ دونوں بھائی حقیقت میں قوم کے مخلص خادم تھے، جنہوں نے بانی تحریک محمد جعفر حسین قوال کے زمانے میں اس قافلہ سخت جان میں شرکت کی، پہاڑیوں میں زندگیاں گزاریں، اور مرتے دم تک اس قافلے سے کبھی جدا نہیں ہوئے تھے''۔

بہر حال ان دونوں بھائیوں نے اپنے پاس کے اسلحہ جات ار پی ایف کے حوالے کرنے کے ساتھ اس تنظیم میں شامل ہو کر مخلصانہ طور پر کام کرتے رہے، اس کے بعد ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں رہ کر ابوالہاشم صاحب نے انتقال کیا، لیکن لقمان حکیم صاحب کو میں نے ان کی پچاسی سالہ عمر میں دیکھا کہ اس بڑھاپے کے عالم میں بھی وہ ارکان روہنگیا نیشنل ارگنائزیشن (ARNO) میں شامل تھے، اور ایسا لگتا تھا کہ ابھی بھی ان کی عمر تیس چالیس کے درمیان ہے۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے دور اول میں میں نے جناب لقمان حکیم صاحب چالی فرانگی کو بہت ہی قریب سے دیکھا، ان سے معسکر میں کوئی دسیوں مرتبہ ملاقاتیں کیں، اس سے پہلے ان کے بڑا بھائی ابوالہاشم صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، لقمان حکیم صاحب کوئی پچاسی سال کی عمر میں بھی نہایت چست اور خاصے چاق و چوبند تھے، ان کا دعوی تھا کہ ''شمالی مغربی ارکان کے جنگلات اور پہاڑوں کے چپے چپے اور پتے پتے سے وہ واقف ہیں'' وہ راقم سطور کے ساتھ ایک سے زیادہ مقامات کو تنظیمی کاموں کے سلسلے میں گئے تھے، جس زمانے میں راقم ارکان روہنگیا نیشنل ارگنائزیشن (ARNO) کی مجلس عاملہ کے ممبر تھا، علاوہ ازیں تصنیفاتی کاموں کے سلسلے میں بھی وہ راقم کے ساتھ بہتوں جگہوں میں گئے تھے، بڑے ملنسار اور ہنس مکھ اور متعاون بزرگ تھے، غالبا لقمان حکیم صاحب نے ۲۰۰۷ میں انتقال کیا، اللہ تعالی ان دونوں بھائیوں کی مغفرت فرمائے۔

دراصل بات یہ ہے کہ روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے ہتھیار ڈالنے کے بعد محمد جعفر حسین قوال کا سنہرا جہادی سلسلہ ختم ہو جاتا اگر ابوالہاشم اور لقمان حکیم اور ان کے پاس والے اسلحہ جات نہ ہوتے، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

۱۹۷۴ء کا زمانہ تھا کہ ایک طرف روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کالعدم ہو چکی اور روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بھی غیر مسلح تھی، ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی دنگل سے باہر نکل آئے اور اس کے بعد خود محمد جعفر حبیب نے ''ہوٹل انٹرنیشنل چاٹگام'' کی منیجری سنبھال لی، ویسے ۱۹۷۴ء سے لے کر ۱۹۷۵ء کے ابتدائی مہینوں تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) تقریبا ایک لاشۂ بے جان بن کر رہ گئی تھی، جناب شبیر حسین صاحب کی حالت بڑی قابل رحم تھی، آپ آوارہ بادلوں کی طرح مارے مارے پھر رہے تھے، تاہم ایسی حالت میں بھی روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی ایک غیر متحرک مجلس عاملہ تھی، جس میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

۱۔ جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی: صدر۔
۲۔ جناب نورالاسلام صاحب شیل خالوی: نائب صدر۔
۳۔ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی: جنرل سکریٹری۔

۴۔ جناب الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی: رکن۔
۵۔ جناب عبدالرشید بن الحاج بشیر احمد صاحب شجاع فاروی: رکن۔
۶۔ جناب محمد اشرف العالم صاحب نیا فاروی: رکن۔
۷۔ جناب ابوطالب صاحب: رکن۔
۸۔ جناب ابوالفیاض صاحب نیاروی: رکن۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدو احیاء:

۱۹۴۶ء سے لے کر تادم تحریر روہنگیا قوم کی تحریک آزادی کی تاریخ میں ۱۹۷۴ء کے ابتدائی مہینوں سے لے کر ۱۹۷۵ء کے ابتدائی مہینوں تک میرے خیال میں پہلی مرتبہ ہمارے سیاسی اور انقلابی میدان میں ایک طرح کی خاموشی چھا گئی تھی، لے دے کر دو برادران جن کے قدرے تذکرے پچھلی سطور میں گزر چکے ہیں، یعنی ابوالہاشم اور لقمان حکیم صاحبان روہنگیا قوم کے بچے کھچے سروسامان کسی طرح تھامے پہاڑوں میں اللہ اللہ کی زندگی گزار رہے تھے، ان دونوں کی گمنام زندگیوں کو چھوڑ کر میدان بالکل خالی ہو چکا تھا، جس طرح عرض کی گئی ہے کہ محمد جعفر حبیب چاٹگام میں دم واپسیں لے رہے تھے، جناب شبیر حسین صاحب بڑے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھر رہے تھے، روہنگیا تحریک کا ایک غیر متحرک عاملہ تو تھا، لیکن وہ کسی نام کی حد تک اگلی کسی خوش خبری یا کرشمہ سازی کا منتظر، ایسے حالات میں اندرون وطن میں روہنگیا جمعیت علماء کے چند لیڈران حرکت میں آ گئے تھے، جن میں سے چار بزرگ ترین شخصیات چاٹگام تشریف لائیں، جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری کوار بیلی۔
۲۔ حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب سمبنوی۔
۳۔ حضرت مولانا محمد زکریا محدث مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ۔
۴۔ جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی۔

یہ حضرت حضرت مولانا اڈووکیٹ شفیق احمد صاحب کی رہائش گاہ میں ٹھہرتے ہوئے چاٹگام میں

پائی جانے والی روہنگیا برادری کے بڑے بڑوں سے چند ملاقاتیں کیں، اور میدان کارزار کے حوالے سے کام کرنے والے چند حضرات سے بھی چند جلسے کئے، لیکن اتنی کوششیں کرنے کے باوجود مایوس ہو کر واپس وطن جا رہے تھے۔

دفعتاً چاٹگام کے بس اسٹیشن میں ان حضرات کی ملاقات الحاج ایم اے کلام خونیہ فاروی سے ہو گئی، جناب حاجی صاحب ان حضرات کی تشریف آوری کے مقاصد اور یہاں کے روہنگیا دل جلے افراد سے ان کی متعدد ملاقاتیں اور ان کے ساتھ کئے گئے اجلاس اور ان کی ناکامی سے باخبر تھے، اب حاجی صاحب نے ان حضرات سے گزارش کی کہ اس طرح ناکام ہو کر واپس جانے کے بجائے دوبارہ سہ بارہ کوشش کرنا ہی بہتر ہوگا، اللہ تعالی کی رحمت شامل حال ہوئی تو ضرور ہم کامیاب ہوں گے، اس سلسلے میں حاجی صاحب نے مزید کہا کہ ”اب کی بار ہم سب مل کر کوشش کریں گے، خدا کرے تو مثبت نتیجہ ضرا و بر آمد ہوگا“۔

حاجی صاحب کی اس امید افزا اور حوصلہ دینے والی گزارش کو سن کر ان بزرگ ترین حضرات نے اپنی واپسی کو ملتوی کر دیا، اور ان لوگوں کی کوشش کے نتیجے میں جناب عثمان جوہر کی رہائش گاہ ”نالہ فارہ چاٹگام“ میں ایک اجلاس بلانے میں کامیابی ملی، جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی تھی:

(۱) حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری، کوار بیلی، منگڈو۔
(۲) حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب سمبنوی، منگڈو۔
(۳) جناب عبدالغفار صاحب نکھوروی، منگڈو۔
(۴) الحاج جناب محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی۔
(۵) الحاج جناب محمد زہیر صاحب خایونگ خالوی، منگڈو۔
(۶) جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چونگی، بوسیدنگ۔
(۷) جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگ۔
(۸) جناب عثمان جوہر صاحب ذیمنگ خالوی، منگڈو۔
(۹) حضرت مولانا محمد زکریا محدث مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فاروی، منگڈو۔

یہ اجلاس ایک روایت کے مطابق ۱۸/ مارچ ۱۹۷۵ء سے شروع ہوکر ۲۲/ مارچ ۱۹۷۵ء تک مسلسل جاری رہا، جس میں حالات حاضرہ کے بھر پور جائزہ کے ساتھ مختلف ضروری موضوعات پر گفت وشنید اور مشورے ہوتے رہے، لیکن بات وہاں جا اٹکی کہ مستقبل میں اس تحریک کے قائد کون ہوگا ؟ ویسے انتخاب قائد کی بات آئی تو سارے کے سارے دم بخود ہوکے ایک دوسرے کے منہ تکتے رہ گئے، اس حوالے سے رقم سطور نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں یوں لکھا ہے کہ:

''یہ اجلاس ۱۸/ مارچ ۱۹۷۵ء سے شروع ہوکر بائیس مارچ تک چلتا رہا، جس میں بہت سارے موضوعات پر گفتگو ہوئی تھی، لیکن ساری کی ساری کسی عنقاء کی تلاش بن کر رہ گئی، ساری باتیں صرف اور صرف ایک قائد تحریک کی تلاش اور اس کے انتخاب پر تھیں، ہر چند کوشش کی گئی تھی لیکن تمام حاضرین کو کسی ایک آدمی پر متفق نہ کیا جاسکا تھا، اب اجلاس پھر ختم ہونے جارہا تھا، ٹھیک اسی وقت جناب محمد جعفر حبیب (مرحوم) نے ایک تجویز پیش کی کہ قائد تحریک کے انتخاب کا مسئلہ علمائے ارکان میں سے چند نامور بزرگوں کا حوالہ کیا جائے، اب ان کی خوب صورت تجویز پر تمام لوگ متفق ہوگئے تو علمائے ارکان میں چند ارباب بست وکشاد کی تلاش شروع ہوگئی - اور متفقہ ووٹ پانچ نامور شخصیتوں کے حق میں پڑے تھے''۔

اس کے بعد پروگرام ایسا بنایا گیا کہ ۲۸/ مارچ ۱۹۷۵ء کو مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ منگڈو اور ۳۱/ مارچ ۱۹۷۵ء کو مدرسہ دار السنہ نہلا کوکس بازار کے سالانہ اجلاس ہونے والے ہیں، ظاہر ہے کہ نور اللہ فارہ والا جلسہ دار السنہ سے پہلے ہونے والا ہے، تو ارکان کے پانچ بزرگان دین (جن کے اسمائے گرامی اگلی سطور میں آنے والے ہیں) کسی بھی قیمت میں نور اللہ فارہ جمع ہوں گے، جہاں وہ حضرات مذکورہ امر پر مشورہ کے بعد فیصلہ کریں گے کہ اگلے قائد کون ہوگا، پھر ان میں سے کوئی ایک یا دو بزرگ دار السنہ نہلا کے جلسہ میں تشریف لائیں گے، وہاں ادھر چاٹگام سے ایک وفد پہنچے گا، جو فیصلہ سن کر چاٹگام واپس آئے گا۔ اور اس مبارک کام کی ذمے داری جن پر سونپی گئی تھی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب منگیزوی۔

۲۔ حضرت مولانا سید الامین صاحب منگنماوی۔

۳۔ حضرت مولانا عبد السبحان صاحب گرھاخالی۔

۴۔ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی۔

۵۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب فیاضی فاروی۔

اس پروگرام کے مطابق پانچوں علمائے دین متین نور اللہ فارہ کے جلسہ میں جمع ہوئے اور ایک خفیہ اجلاس میں سارے حضرت سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے، ویسے ایک قائد کے انتخاب کی بات آئی تو طویل مشورے کے آخر میں محمد جعفر حبیب پر سب متفق ہوگئے تھے، پھر اس کے بعد کیا ہوا اس حوالے سے میری مذکورہ تصنیف کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''پروگرام کے مطابق پانچوں بزرگان دین نور اللہ فارہ پہنچے اور محمد جعفر حبیب پر پانچوں متفق ہوگئے تھے، ان دنوں سرحد پار کرنا بہت کٹھن کام ہوگیا تھا، تو ان میں سے ایک بزرگ بھی وقت پر نہلا نہ پہنچ سکے، ادھر چاٹگام سے ایک وفد (جس میں محمد جعفر حبیب اور الحاج ابو الکلام سمیت چند افراد شامل تھے) ٹھیک وقت پر نہلا پہنچا تھا، مگر مایوس واپس ہونا پڑا، تاہم جعفر حبیب پھر بھی ٹیکناف میں رہ کر منتظر وفد تھے مگر کام نہ ہوا، چند دن بعد حضرت پیر مظفر احمد منگیزوی صاحب ٹیکناف تشریف لائے اور سجاد حسین رواسوگری کو اپنا ایک پرچہ حوالہ کرکے واپس تشریف لے گئے تھے، جس میں درج تھا کہ ''جناب محمد جعفر حبیب اور ان کے رفقائے کار روہنگیا تحریک آزادی کے متعلق جو کچھ کررہے ہیں اس کا ہم نے جائزہ لیا اور اطمینان ہوا، ہم انہیں آئندہ بھی کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں'' اس خط میں مولانا اسعد اللہ شقدار فاروی کے علاوہ ایک اور عالم دین کا دستخط بھی موجود تھا - اس کے بعد ایک مجلس تشکیل ہوئی''۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ ان مذکورہ پانچوں بزرگوں میں سے اول الذکر چار کے اسمائے گرامی آسانی سے مل گئے تھے، رہی پانچویں نمبر والے بزرگ کی بات کہ تلاش بسیار کے باوجود ان کا

نام نہیں مل رہا تھا، لیکن الحمدللہ بعد میں چند باوثوق حضرات کی زبانی یہ بات متحقق ہوگئی کہ وہ تھے حضرت مولانا اسعد اللہ/ اسد اللہ صاحب گرجنڈیاوی ثم فیاضی فاروی (اس زمانے کے مہتمم جامعہ عالیہ شقدار فارہ) حتی کہ بات یہاں تک تحقیق کو پہنچی کہ حضرت شاہ مظفر احمد منگیزوی نے جو محمد جعفر حبیب کو بطور قائد چن کر ایک رسالہ لکھا تھا اس میں مولانا اسعد اللہ صاحب کا دستخط بھی تھا۔

اس حوالے سے راقم سطور کی حال ہی میں شائع شدہ تصنیف ''تذکرۂ علامہ سید الامین'' کا ایک اقتباس شاید دلچسپی سے خالی نہیں کہ:

''آپ نے اس اقتباس میں ملاحظہ کیا کہ اس زمانے میں چند ارکانی علماء نے حضرت پیر صاحب کو اس بات کا ذمے دار بنایا تھا کہ آپ علمائے ارکان کی طرف سے اگلی ہونے والی انقلابی جماعت کا ایک قائد منتخب کریں، جس کی بنیاد پر حضرت پیر صاحب نے محمد جعفر حبیب کو میدان انقلاب کا قائد منتخب فرمایا تھا، اور جن حضرات علمائے کرام نے حضرت پیر صاحب کو اتنے عظیم کام کا ذمے دار بنایا تھا، اور جن کے اسمائے گرامی اس وقت کے حالات کی نزاکت کے پیش نظر سامنے نہیں لائے جا سکے تھے، ان چوٹی کے بزرگ ترین علمائے ارکان میں ہمارے ممدوح حضرت مولانا سید الامین صاحبؒ سر فہرست تھے۔ ان دونوں مذکورہ بزرگوں کے علاوہ اور دو شخصیتیں بھی تھیں، ان میں سے ایک حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ بانی مدرسہ دار العلوم میاں جان پور اور دوسرا حضرت مولانا عبد السبحان صاحب گرھا خالویؒ۔ تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ سارے حضرات حین حیات تھے، اسی لئے ان کے اسمائے گرامی کا تذکرہ اس زمانے میں ممکن نہیں ہوسکا تھا، آج کل تو سارے کے سارے بزرگان دین متین اس جہان فانی سے رخصت لے چلے اسی لئے ان کے نام گرامی کا تذکرہ ممکن ہوسکا۔ یاد رہے کہ سرزمین ارکان کے یہ وہ بزرگان دین تھے، جنہیں اپنے زمانے میں مرجعیت کا درجہ حاصل تھا''۔

بہرحال اس اجازت نامہ/منتخب نامہ کے مل جانے کے بعد محمد جعفر حبیب سمیت متعلقہ سارے لوگ مطمئن ہوگئے، صرف یہی نہیں بلکہ اسے ایک سعادت نامہ تصور کیا گیا تھا۔ پھر ادھر جناب عثمان جوہر

صاحب کی رہائش گاہ میں ہونے والے متذکرہ اجلاس کے متعلق چند باتیں میرے ناقص خیال میں قابل تذکرہ ہیں، جو یہ ہیں کہ:

ا۔ اس مذکرہ اجلاس میں جناب شبیر حسین صاحب فوئما لوی شریک نہیں تھے، جس کی وجہ دو ہوسکتی ہیں، یا تو وہ اس دوران چاٹگام میں نہیں تھے، یا وہ اس اجلاس کے حامیوں میں نہیں تھے، لیکن بعد میں محمد جعفر حبیب کی قیادت میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید ہوچکی تو آپ دل وجان سے شامل ہوگئے تھے۔

۲۔ اس اجلاس میں جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی بھی شریک تھے، جنہوں نے اس سے پہلے ۱۹۷۳ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے علیحدگی اختیار کرلی تھی، لیکن اب بھی بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ اگرچہ وہ اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے مگر چہ جائیکہ جنگل کے دنگل کو ایک لمحہ کے لئے جاتے بلکہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے اگلے کسی بھی پروگرام میں انہوں نے شرکت نہیں کی تھی۔

۳۔ جناب محمد ابوالکلام خونیہ فاروی کو اس موقع پر داد دیے بغیر رہا نہیں جاسکتا، کیوں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو شاید روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی احیاء ہوبھی سکتی، یہ اللہ تعالی کی مرضی تھی کہ اچانک ان کی ملاقات بس اسٹیشن میں ان مذکورہ بزرگوں سے ہوگئی، جس کی وجہ سے اتنا بڑا کام ہو پایا تھا، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

۵۔ اس نالہ فارہ والے اجلاس میں ایک تعجب کی بات یہ بھی ہوئی کہ یہاں دانشوروں کے ساتھ قابل قدر علمائے کرام بھی بیٹھے ہوئے تھے، لیکن قیادت کے انتخاب کے لئے تفویض کی تجویز علمائے کرام کے بجائے ایک دانشور محمد جعفر حبیب کی زبان سے نکلی، اس تفویض کی تجویز جدھر آپ کی دین داری کی عکاسی کرتی ہے ادھر اس بات کا بین ثبوت بھی ہے کہ آپ کو علماء پر کامل بھروسہ اور بھرپور اعتماد تھا۔

۵۔ یہاں اور ایک تعجب کی بات ہوئی کہ نالہ فارہ والے اس اجلاس میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے صرف اور صرف صدر عاملہ کے سوا مجلس عاملہ (غیر متحرک) میں سے کسی رکن نے شرکت نہیں کی تھی، جس کی وجہ جاننے کی بساط بھر کوشش کی گئی، لیکن اس کی وجہ آج تک میرے سامنے نہیں آئی، جب کہ وہ سارے کے سارے اراکین عاملہ اسی دوران چاٹگام میں مقیم تھے۔

مجلس عاملہ کی تشکیل نو:

حضرت مولانا مظفر احمد صاحب اوران کے ساتھی دیگر حضرات علمائے ارکان کی طرف سے محمد جعفر حبیب پر اعتماد اور آپ کو کام کی اجازت ملنے کے بعد آپ نے ایک مجلس عاملہ کی از سرنو تشکیل دی، جس میں یہ حضرات شامل تھے:

۱۹۷۵ء کے اراکین مجلس عاملہ:

(۱) صدر : جناب جعفر حبیب علی چنگی۔
(۲) جنرل سکریٹری: جناب شبیر حسین صاحب پوئما لوی۔
(۳) سکریٹری برائے امور خارجہ: جناب نو الاسلام صاحب شیل خالوی۔
(۴) مشیر اعلی: جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغونوی۔
(۵) مشیر اعلی: جناب مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی۔
(۶) مشیر اعلی: جناب پرفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری۔
(۷) مشیر اعلی: جناب انعام اللہ صاحب کیلادنگی۔

اس عاملہ کمیٹی کے حوالے سے عرض ہے کہ جناب اڈووکٹ نور الاسلام صاحب روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید سے تقریبا ایک سال پہلے چاٹگام آ چکے تھے، جو اس سے پہلی والی مجلس عاملہ میں نائب صدارت کے عہدے پر فائز تھے، اب جہاں تک اندازہ ہوتا ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کے دوران پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری تو بنگلا دیش پہنچے لیکن ابھی تک ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغونوی نہیں پہنچے تھے، انہوں نے محمد جعفر حبیب سے نئے معسکر میں ملاقات کی اور تنظیم میں شامل ہو گئے، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مؤخر الذکر ان دونوں حضرات نے آپ سے چاٹگام میں ملاقات کی اور تنظیم میں شامل ہو کر معسکر گئے تھے۔

بہر حال روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کے معا بعد محمد جعفر حبیب اپنے رفقاء کی ایک بڑی جماعت لے کر سرحد پہنچے اور دھرمرسرا کے مقام میں نئے معسکر کی بنیاد رکھی تھی۔

ادھر روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کی خبر اندرون وطن میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تو اندرون وطن سے جوانوں کی ایک بھاری تعداد معسکر میں پہنچی، جس میں دو طبقے کے افراد تھے:

(الف) رنگون یونیورسیٹی سے فارغ ہونے والے، جن میں درج ذیل حضرات نا قابل فراموش ہیں:

(۱) حبیب الرحمٰن صاحب (ایم اے تاریخ) سائندہ فاروی، منگڈو۔
(۲) رشید احمد (کراٹے) گونہ فاروی، منگڈو۔
(۳) عبد الرشید شجاع فاروی، منگڈو۔
(۴) عبد الصمد بوسیدنگی۔

(ب) شمالی ارکان میں روہنگیا قوم کے مفاد میں کام کرنے والی طلبہ تنظیم (ROHINGYA YOUTH FRONT) کے اراکین اور ممبران جس میں کم سے کم ایک سو طلبہ تھے۔ ان دونوں طبقے کی شرکت نے تنظیم کی افرادی قوت کو مضبوط بنایا، اب تنظیم میں قدرے جان آ چکی تھی۔

ان تمام مندرجات سے ایک حقیقت تو سورج کی طرح عیاں نظر آ تی ہے کہ اس وقت محمد جعفر حبیب کی شخصیت قومی سطح پر گویا ایک سورج بن چکی تھی اور قوم کے ان نازک حالات میں جن کے دلوں میں مستقبل کے حوالے سے امید کی کوئی رمق باقی تھی ان کی نظریں آپ کی ذات وشخصیت پر جم چکی تھیں، ورنہ اتنی جلدی کیسے ممکن ہو سکا کہ ابھی ابھی روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو ابھی روہنگیا اسکالرز اور طلباء کا اتنا بڑا ریلا آپ کے گرد جمع ہو گیا تھا؟ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ اگرچہ ۱۹۷۴ء کے دوران غیر متحرک ہوگئی تھی، لیکن اندرون وطن میں سابق ریف کے اراکین اور ممبران کافی متحرک تھے، جنہوں نے محاذ کی تجدید کے فورا بعد روہنگیا اسکالرز اور طلباء کی اس بڑی تعداد کو یہاں بھیجا تھا، اس بات سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ تحریک میں ایک جان ہوا کرتی ہے، نری ایک تنظیم آسانی سے مر سکتی ہے جب کہ ایک تحریک آسانی سے دم نہیں توڑ سکتی۔

اس حوالے سے یہ الگ بات ہے کہ ان آنے والے طلبہ کو ایک لمحہ کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دیے، اس وقت جو روہنگیا اسکالرز یہاں پہنچے تھے، ان کی اکثریت خود روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے ممبر تھی، جن کی نظریں ہمیشہ محمد جعفر حبیب پر لگی ہوئی تھیں، ابھی روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو انہوں نے اس جماعت میں شامل ہو کر قومی کام کے سرانجام دینے کو وقت کے تقاضے کے ساتھ ساتھ اپنی قومی ذمے داری اور دینی فریضہ سمجھا تھا۔

ادھر افرادی قوت کا حال ایسا تھا، ادھر جناب لقمان حکیم اور ابوالہاشم نے اراین ایل پی کے جو چند ہتھیار ان کے پاس تھے ار پی ایف کے حوالے کر دیے، کہا جاتا ہے کہ ان اسلحے کے علاوہ اس ابتدائی مرحلہ میں جناب صالح احمد صاحب مرحوم نے چند اسلحے ار پی ایف کے لئے فراہم کئے تھے، اس کے بعد تنظیم نے ممبروں کو گوریلا جہاد کی تربیت دینے کا فیصلہ کیا، اور جناب شبیر حسین صاحب نے اس ذمہ داری کا بیڑا اٹھایا تو تربیتی پروگرام ۲/نومبر/۱۹۷۵ء میں شروع ہوا، روہنگیا برادری کے ایک صاحب ثروت نے سات ہزار تاکے مالیت کی وردیاں فراہم کیں، اس طرح سے تربیتی پروگرام مکمل ہو گیا تھا۔

روہنگیا برادری کا مالی تعاون:

روہنگیا قوم مجموعی طور پر ایک فراخ دل اور سخاوت پسند قوم ہے، بھلائی، خیر خواہی اور نیکیوں کے کاموں میں یہ قوم بڑی پہل کرنے والی ہے، اس قوم کے ماضی قریب و بعید میں بارہا ملاحظہ کیا گیا ہے کہ کہ جبھی کسی لیڈر کی ذات و شخصیت یا کسی تنظیم کی مجموعی کارکردگیوں اور سرگرمیوں پر اسے اطمینان ہو جاتا ہے تو اسے مالی اور جانی تعاون کرنے میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی جاتی، ماضی کی بعض تنظیموں کی طرف سے اس قوم کے مجموعی افراد پر کبھی کبھار یہ الزام بھی لگایا جاتا رہا تھا کہ انہوں نے اپنی قومی تنظیموں کو مالی و جانی تعاون کرنے میں بخل سے کام لیا ہے، لیکن اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس قوم کے مجموعی افراد پر اس قسم کے ناروا الزام لگانے سے پہلے ہمیں اس حقیقت کا جائزہ لینا بھی بہت ضروری ہے کہ ہمارے ان بعض تنظیموں کی سرگرمی، کارکردگی اور جنگی حکمت عملیاں کہاں تک مبنی بر عقل یا مبنی بر صحت تھیں؟ اس سلسلے میں اس بات کی تحلیل و تجزیہ بھی لازمی امر ہے کہ ہماری ان بعض تنظیموں نے اپنی سرگرمیوں، کارکردگیوں اور حکمت عملیوں کے ذریعے قوم کے دل جیتنے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی تھی؟۔

بہر حال روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کے فورا بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آچکی تھی کہ کس طرح اس قوم کے دل جلے لوگوں نے اپنی پیاری تنظیم کو دل کھول کر تعاون کیا تھا، محمد جعفر حبیب کی قیادت میں روہنگیا فدائین محاذ از سر نو میدان عمل و تطبیق پر اتری تو اس قوم کے عوام نے عموما اور اہل ثروت نے خصوصا کس

طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے کس زندہ دلی کا ثبوت پیش کیا تھا وہ بھی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

اس حوالے سے ایک روز کا واقعہ تھا کہ جناب انعام اللہ صاحب ار پی ایف کے مندوب کی حیثیت سے جناب الحاج ابوالکلام صاحب کے گھر آئے، انعام صاحب حاجی صاحب کے بے تکلف دوست تھے، انہوں نے معسکر اور مجاہدین کے اخراجات کے لئے کچھ رقوم طلب کیں، ابھی شام ہوئی تو جناب شونا علی صاحب (جو حاجی صاحب کی تجارت میں ان کا ہاتھ بٹانے والے تھے) نے تیس ہزار تاکے لئے حاجی صاحب کے گھر آئے، یہ وہ رقوم تھیں جو انہوں نے دکان داری سے حاصل کی تھیں، بس تمام تاکے حاجی صاحب نے انعام صاحب کا حوالہ کر دیے، تو اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

اس واقعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے نا کہ یہ قوم بھلائی، خیر خواہی اور نیکیوں کے کاموں میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی ہے، اور اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس قوم کو جبھی اپنی زندہ ضمیر قیادت یا اپنی تنظیم پر اعتماد و اطمینان ہو جاتا ہے تو وہ جانوں کے نذرانے پیش کرنے اور مالوں کو راہ خدا میں لٹانے میں کوئی دیر نہیں کرتی، ورنہ خود حاجی صاحب پر بعض لوگوں کا یہ الزام ہے کہ آپ کسی کو مالی تعان کبھی نہیں کرتے ہیں، اگر آپ جیسے پر لوگوں پر یہ الزام مبنی بر صحت ہے تو میرا دعوی اور بھی حق بجانب ہے کہ آپ جیسے انسان کا یہی حال ہے تو ہمارے فراخ دل سخیوں کا کیا حال ہوتا ہوگا؟

اس کے بعد رمضان المبارک آیا تو مولانا شفیق احمد، الحاج ابوالکلام، الحاج فضل احمد نے مشورہ کیا کہ اب رمضان المبارک کا مہینہ پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ آیا ہے، ادھر معسکر میں مجاہدین خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں، کیوں نہ ان مجاہدین کے لئے مال جمع کیا جائے؟ بس ان تمام لوگوں نے ایک متفقہ فیصلہ کیا کہ ہماری برادری کے مہاجر تاجروں کا قریبی مدت میں اجلاس بلایا جائے گا، جس میں ضروری گفتگو کے بعد چندہ فراہمی ہوگی، یوں چند دن کے بعد ایک اجلاس بلایا گیا جس میں چاٹگام میں ہجرت کی زندگی گذارنے والے تقریبا تمام تاجروں نے شرکت کی، چندہ جمع کرایا گیا تو بڑی آسانی سے ۹۷/ ہزار تاکے ہاتھ آئے، کہا جاتا ہے کہ اس اجلاس میں ایک روہنگیا خاتون نے ایک بڑی رقم چندے میں دی تھی، جسے بہت سراہا گیا اور آج بھی ہمارے حلقے میں اس نیک صفت خاتون کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے۔

اس خوب صورت کامیابی کے بعد بڑے بڑوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہماری برادری کی ایک کمیٹی بنائی جائے! بس انہوں نے ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کے نام سے ایک کمیٹی بنائی جس کی تفصیل سامنے آ رہی ہے۔

ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS):

ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) دراصل روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے تعاون کے بطور تاسیس کی گئی تھی، آگست ۱۹۷۵ء میں ار پی ایف بڑی پریشانی کی شکار تھی، تمام ممبران مستقبل کے سوال پر رنجیدہ خاطر تھے، فنڈ میں ایک کوڑی بھی جمع نہ تھی، وطن مقدس کے مسلمانوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے ابھی سینکڑوں طلبہ فرنٹ کے پرچم تلے جمع ہو چکے تھے، معسکر میں فوجی تربیت چل رہی تھی، مجاہدین دانے دانے کے محتاج ہو چکے تھے، ایسا خطرناک اور تشویشناک وقت آن پہنچا کہ درختوں کے پتوں اور آبشارے کے پانی سے اللہ کے ان مجاہد بندوں کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔

باوجودیکہ مجاہدین کے ان تشویشناک حالات سے قوم واقف تھی مگر اندرون وطن سے کسی تعاون کے پہنچنے کی گنجائش بالکل نہ تھی، ٹھیک ایسے حالات میں چاٹگام شہر میں آ بسنے والے چند دل جلے روہنگیا مسلمان میدان تعاون میں کود پڑے اور ستمبر/۱۹۷۵ء میں اسلام کالونی...... میں سر جوڑ کر بیٹھے تھے، اجلاس کی صدارت حضرت مولانا شفیق احمد کر رہے تھے، جس میں فیصلہ کیا جا چکا تھا کہ آئندہ ۲۰/ستمبر/۱۹۷۵ء میں ایک عام قومی اجلاس بلایا جائے گا جس میں قوم کے دل جلے اہل خیر حضرات کو مدعو کیا جائے گا، اور روہنگیا مجاہدین کے لئے چندے لئے جائیں گے، بہر حال اجلاس ہوا، جس میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی اور ذیل کے ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل کی گئی تھی:

(۱) صدر: حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب۔
(۲) نائب صدر: الحاج فضل احمد صاحب۔
(۳) سکرٹری جنرل: محمد الیاس صاحب۔
(۴) اگزیکوٹب: وجیہ اللہ صاحب (بعد میں رکن بنائے گئے تھے)۔
(۵) خازن: الحاج ایم اے کلام صاحب۔

(۶) رکن: صالح احمد صاحب۔
(۷) رکن: عبد الرشید صاحب۔
(۸) رکن: محمد یونس صاحب۔
(۹) رکن: عثمان جوہر صاحب۔
(۱۰) رکن: الحاج زہیر احمد صاحب۔
(۱۱) رکن: محمود الحسن بن الحاج ابوالخیر خونیہ فاروی۔
(۱۲) رکن: سجاد حسین رواسوگری۔

فیصلے کے مطابق ۲۸/ستمبر/۱۹۷۵ء میں اجلاس بلایا گیا، چندے وصول کئے گئے، جس میں ۹۷۰۰۰/ستانوے ہزار ٹاکے فراہم ہوئے، مجاہدین کے لئے یہ پیسے من وسلوی سے کم نہ تھے، جس سے وہ بڑے خوش ہوئے، اور اسے اللہ کی طرف سے امداد واعانت تصور کیا گیا، ہر طرف اس کار خیر کی مدح سرائی ہوئی، ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کا یہ نیک عمل کبھی بھی بلائے جانے کا نہیں ہے۔

لیکن ستمبر/۱۹۷۶ء کی دوسری دہائی میں فرنٹ اور ہسٹریکل سوسائٹی کے مابین اختلافات کا آغاز ہوا، یہ وہ اختلافات تھے جس نے ماضی میں روہنگیا قوم کو تباہی اور بربادی کی اندھیری وادی میں غرق کر دیا تھا، جس نے وطن مقدس کے دین و مذہب، آزادی اور حریت، محبت و ایثار کے سایۂ رحمت کو فرقہ پرستی اور خود پرستی کی لعنت سے بدل دیا تھا۔ ابھی ذرا حالات نے انگڑائیاں لیں تو تفرقہ نے اپنی مختلف شکلوں میں اس بدلتے ہوئے مثبت حالات پر حملہ کر دیا، یوں بھی روہنگیا قوم کے اختلافات کی تاریخ پر کم سے کم پانچ سو صفحات پر ایک داستان لکھی جا سکتی ہے، اللہ کا کوئی بندہ اگر ذرا بھی توجہ اس طرف مبذول کرے تو وہ داستان سامنے آ سکتی ہے۔

ان دونوں تنظیموں کے مابین اختلاف کی وجہ صرف یہی بتائی جاتی ہے کہ ہسٹریکل سوسائٹی کے بعض لیڈروں کی خواہش تھی کہ ار پی ایف جس طرح اقتصادی اور معاشی میدان میں سوسائٹی کی طفیلی ہے اسی طرح سیاسی میدان میں بھی طفیلی بن کر رہے، اس کے اشارے پر چلے اور اس کی چاہت پر گائے اور ناچے، اس سلسلے میں ایک روز سوسائٹی کے اگزیکوٹیب سکریٹری جنرل مسٹر وجیہ اللہ صاحب نے ار پی

ایف کے سکریٹری برائے امور خارجہ جناب نورالاسلام صاحب کو بلا کر کہا کہ ار پی ایف کو ہماری خواہش پر چلنی ہوگی، چلے گی تو ٹھیک ہے ورنہ.........جواب میں مسٹر نورالاسلام صاحب نے کہا کہ اس مسئلہ کا حل میرے پاس نہیں ہے، تاہم میں یہ بات ار پی ایف کی مجلس عاملہ تک پہنچاؤں گا، امید ہے کہ بہت قریبی مدت میں جواب مل جائے گا، بات فرنٹ میں پہنچی تو ایک تحریری جواب کے ساتھ مسٹر نورالاسلام صاحب کو بھیجا گیا، جس میں کہا گیا کہ:

ار پی ایف ایک آزاد تنظیم ہے وہ کسی فرد یا کسی تنظیم کی حاشیہ برداری کی سزا برداشت نہیں کرسکتی- جواب سنتے ہی مسٹر وجیہ اللہ صاحب آگ بگولہ ہوگئے، انہوں نے ار پی ایف کے چوٹی کے لیڈروں پر لعنت وملامت کی آگ برسائی، اور کہا کہ ان جیسوں سے کچھ بھی نہیں بنے گا اور.......اس واقعہ کے بعد ار پی ایف اور سوسائٹی کے درمیان کے تعلقات تقریباً منقطع ہوگئے، اور سوسائٹی تو اس کے بعد نیم جان ہوگئی، لیکن ار پی ایف روز ترقی کی طرف گامزن تھی-

اسی سال مسٹر عبدالغفار اور مسٹر شبیر حسین صاحبان ار پی ایف کے نمائندہ بن کر ایک وفد کی شکل میں سعودی عرب پہنچے، اسی سفر کے دوران ان کا رابطہ ''رابطہ عالم اسلامی'' سے ہوا، رابطہ نے ار پی ایف کے لئے اسی ہزار تاکے کی ایک امدادی رقم فراہم کی تھی-

سوسائٹی ۱۹۷۷ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک:

۱۹۷۷ء میں سوسائٹی روہنگیا مہاجرین کی خدمات کے میدان میں اتری ۳۰رستمبر/۱۹۸۸ء میں چاٹگام میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مسٹر اظہار حسین کو جنرل سکریٹری اور مسٹر ابوالحسین آزاد کو جوائنٹ سکریٹری اور الحاج ایم اے کلام کو خزانچی کے منصب پر فائز کیا گیا تھا، اور ساتھ ساتھ سوسائٹی کے نام پر بنک میں ایک حساب بھی کھولا گیا تھا-

۱۹رستمبر/۱۹۸۱ء میں بنڈل روڈ چاٹگام میں ایک خصوصی مٹینگ بلائی گئی جس کے مطابق ۲۸رستمبر کو ایک انتخابی جلسہ منعقد کیا گیا، فیصلہ کے مطابق انتخابات ہوئے، یوں ۱۹۸۹ء تک سوسائٹی اپنی ڈگر پر چل رہی تھی-

۱۹ر اکتوبر/۱۹۸۹ء میں سوسائٹی کو رجسٹرڈ کیا گیا، جس کے بعد سوسائٹی ایک باوزن اور قانونی فورم میں تبدیل ہوگئی، بعد ازاں ۳رستمبر/۱۹۸۹ء میں چیف جسٹس آف چاٹگام جناب بذل الرحمٰن کی صدارت میں چاٹگام پریس کلب میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں ڈاکٹر معین الدین احمد خان کے علاوہ بہتوں اسکالروں نے شرکت کی تھی-

۶رفروری/۱۹۹۲ء میں مجلس انتخابات منعقد کی گئی تھی جس میں گیارہ ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ کی تشکیل ہوئی، جس کے تحت ایک سب کمیٹی کی تشکیل دے کر سوسائٹی نے مہاجر کیمپوں میں خاصی قومی اور ملی خدمات انجام دی تھیں-

۲۵ر دسمبر/۱۹۹۴ء میں پھر مجلس انتخابات بلائی گئی، اور پروگرام کے مطابق انتخابات ہوئے جس میں ایک مجلس عاملہ کی اور دوسری مجلس سرپرستگان کی تشکیل دی گئی- یوں ذیل کے ممبران درج ذیل مناصب پر فائز ہوئے-

۱۹۹۴ء کی مجلس عاملہ:

(۱)	صدر:	ابوالکلام-
(۲)	نائب صدر:	نورالاسلام-
(۳)	جنرل سکریٹری:	اشرف العالم-
(۴)	جوائنٹ سکریٹری:	نور کمال-
(۵)	اسسٹنٹ سکریٹری:	حسین احمد-
(۶)	خزانچی:	لقمان حکیم-
(۷)	رکن:	ابوالفیاض-
(۸)	رکن:	نور محمد-
(۹)	رکن:	سراج الاسلام-
(۱۰)	رکن:	الحاج عثمان-
(۱۱)	رکن:	حافظ اللہ-
(۱۲)	رکن:	سجاد حسین-

(۱۳) رکن: محمد ابراہیم۔

(۱۴) رکن: میر احمد۔

(۱۵) رکن: فضل الحق۔

مجلس سرپرستگان ۱۹۹۴ء:

(۱) الحاج صوفی عبدالوحید صاحب۔

(۲) الحاج مظفر احمد صاحب خیر فاروی۔

(۳) الحاج کمال احمد۔

(۴) الحاج فضل احمد۔

(۵) الحاج نور احمد۔

۳۱؍دسمبر؍۱۹۹۵ء میں چاٹگام ضلع پریشد میں ایک سیمنار کیا گیا، جس میں پروفیسر محمد علی، ڈاکٹر عبد الکریم، ڈاکٹر ایس بی کانونگو، ڈاکٹر اخلاص الکبیر، پروفیسر حبیب اللہ، اڈووکٹ بدیع العالم، صلاح الدین، قاسم خان، پرنسپل عظمت اللہ، اڈووکٹ شمس الدین احمد مرزا، پرنسپل شن گپتا، ڈاکٹر نذر الحسین، پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد، ڈاکٹر عمران حسین کے علاوہ بڑے بڑے دانشوروں نے شرکت کی، جس کی تفصیلات کے لئے سوسائٹی کی طرف سے اشاعت شدہ میگزین ۱۹۹۵ء تا ۱۹۹۶ء دیکھا جاسکتا ہے۔

بعدازاں ۲۶؍دسمبر؍۱۹۹۶ء میں پھر انتخابات ہوئے، جس میں صوفی عبدالوحید صاحب صدر اور ایم اے کلام اور مولانا شفیق احمد نائب صدر اور ابوالکلام نیا فاروی صاحب جنرل سکریڑی کے عہدوں پر فائز ہوئے، سوسائٹی اب بھی بڑے آن بان سے قومی وملی خدمات نبھارہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے مزید قبولیت سے نوازے۔

نصب العین اور پروگرام:

(۱) ارکان، چاٹگام، بنگلا دیش اور برما اور تمام دنیا کی تاریخی معلومات اور دستاویزات کے حصول اور اس کی ترقی کی کوشش کرنا۔

(۲) سیمنار اور مجالس محاضرات کا انعقاد کرنا اور اس میں بڑے بڑے علما اور دانشوروں کو مدعو کرنا۔

(۳) ارکان، چاٹگام، بنگلا دیش اور برما کی تاریخ پر مشتمل صحف ومجلّات کا نکالنا۔

(۴) پاٹ شالوں اور دانش کدوں کا قائم کرنا اور اسے باضابطہ چالو رکھنا۔

(۵) امت مسلمہ کی وطنی محبت اور آزادی کا احترام اور حمایت کرتے ہوئے اسلامی نظام کے قیام میں ہاتھ بٹانا۔

(۶) بوڑھوں، بیکسوں، غریبوں، یتیموں کو تعاون کرنا۔

(۷) طب، انجینیر نگ، صنعت وحرفت اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے کوشاں طلبہ کو اسکالرشپ دینا۔

(۸) غریبوں کی شادی بیاہ کے انتظامات کے ساتھ ساتھ حالات کے شکار ہوجانے والے ناداروں کو ضروری امداد فراہم کرنا۔

(۹) تفریحی موقعوں میں کھیلوں اور سیر وسیاحت کے انتظامات کرنا۔

(۱۰) کارکنوں اور ممبروں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا۔

(۱۱) مذکورہ بالا کسی بھی پروگرام پر قدم رکھنے یا ارکان، چاٹگام، بنگلا دیش اور برما اور بھارت کی تاریخی معلومات کے دراسہ اور تحقیقی کام کے لئے کسی بھی فرد یا کمپنی اور انجمن سے مالی یا کسی دوسرے طریقے کا تعاون قبول کرنا۔

(۱۲) مذکورہ بالا کسی بھی پروگرام پر اترنے کے لئے زمینوں، گھروں، کرایا تبادلہ پر دکانوں کا حاصل کرنا اور اسے پھر کرایہ پر دینا۔

(۱۳) سوسائٹی کی تطویر وترقی کے لئے ترقیاتی پروگرام کرنا۔

(۱۴) رأس المال کا جمع کرنا، پھر اسے نفع آور تجارت میں لگانا۔

(۱۵) ایک ہی نصب العین پر مبنی بنائی انجمنوں کو تعاون کرنا اور ہنگامی حالات میں اسے امداد دینا۔

(۱۶) ممبروں کے چندے، بغیر مادی مقاصد کے تعاون اور خیرات وہدایا وغیرہ وصول کر کے اسے تجارت کے طریقہ سے بڑھا کر سوسائٹی کے پروگراموں میں لگانا۔

(۱۷) سوسائٹی غیر ملکی کسی اہل خیر یا انجمن کے تعاون قبول کرتے وقت اس مسئلہ کے حوالے سے ۱۹۷۸ء میں بنگلا دیشی حکومت نے جو قوانین نافذ کئے اس کی مکمل رعایت رکھے گی۔

محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے کی پہلی کوشش:

مارچ ۱۹۷۵ء سے ستمبر ۱۹۷۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) مسلسل ترقی کی طرف گامزن تھی، معسکر میں چند تربیتی پروگرام بھی ہو چکے تھے، ہر طرف سے ممکنہ حد تک قوم کے مالی تعاون بھی پہنچ رہے تھے، مجاہدین کھانے پینے اور اخراجات کے حوالے سے کچھ پریشان تو تھے لیکن ان کی جو امیدیں روہنگیا فدائین محاذ اور اس کے عظیم قائد و رہنما محمد جعفر حبیب سے پوری طرح وابستہ ہو چکی تھیں، اس میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا، سب خوش تھے کہ اگلے دن ان کی امیدیں ضرور بھر آئیں گی، ایسے حالات میں اس کام کی طبیعت سے ابھی تک نابلد و ناآشنا ہمارے چند کم عمر، ناتجربہ کار بس تیس اکتیس سالہ نوجوان لیڈروں کو بدحواسی کی عفریت نے آدبوچا، جس کے دباؤ میں آکر انہوں نے اپنا ہوش وحواس تک کھو بیٹھا تھا، یہ وہ جوان اور نوجوان تھے جن کی پارٹی میں شمولیت کی مدت ابھی تک ایک ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی تھی، انہوں نے ایک منجھے ہوئے تجربہ کار سیاسی و انقلابی ہستی محمد جعفر حبیب پر نکتہ چینیوں پر چینیاں شروع دیں، اور الزام لگایا کہ آپ کام کے حوالے سے بڑے غافل اور سست ہیں۔

ستمبر ۱۹۷۶ء کو انہوں نے دشنام طرازی اور نکتہ چینیوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کوشش کی کہ محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے ہٹایا جائے، آخر کار ڈاکٹر محمد یونس، محترم نور الاسلام، پروفیسر محمد زکریا، مولانا محمد کبیر، محترم شبیر حسین اور جناب انعام اللہ وغیرہ نے محمد جعفر حبیب کو منصب صدارت سے ہٹانے کی ٹھان لی، لیکن مجاہدین اور ان کے اعلیٰ چند کمانڈروں کی شدید مخالفت کی وجہ سے وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے تھے۔

پارٹی کے ایسے داخلی حالات میں بھی محمد جعفر حبیب نے بڑی بردباری، حد سے زیادہ صبر اور دریا دلی کا مظاہرہ کیا اور ان نکتہ چینوں بلکہ سازش کاروں کے خلاف کسی قسم کے ردعمل تو دور کی بات ان کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لایا تھا۔

ستمبر ۱۹۷۷ء کے دوران محمد جعفر حبیب کی ذات اور آپ کو منصب صدارت کے حوالے سے پارٹی کے اندر اختلافات کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہو گیا، اور مجلس عاملہ کے تقریباً سارے اراکین نے سپریم کونسل/ بشمول اڈوائزری کمیٹی:

۱۔ مولانا شفیق احمد صاحب۔

۲۔ الحاج محمد ابوالکلام صاحب۔

۳۔ الحاج چیرمن صالح احمد صاحب۔

۴۔ الحاج محمود الحسن صاحب۔

وغیرہ کو روہنگیا فدائین محاذ کے تمام اختیارات سونپتے ہوئے وعدہ کیا کہ سپریم کونسل/ اڈوائزری کمیٹی اس حوالے سے جو بھی فیصلہ کرے گی اسے بلا چوں چرا تسلیم کیا جائے گا۔

اس کے بعد سپریم کونسل نے ایک اجلاس بلایا، جس میں موضوع کے متعلق طویل بحث ومباحثہ اور خاصی گفت وشنید کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ منصب صدارت پر محمد جعفر حبیب بحال رہیں گے، جن کے نائب محترم نور الاسلام صاحب ہوں گے، پھر دونوں حضرات باہمی مشورے سے بقیہ اراکین عاملہ منتخب کریں گے۔

جناب نور الاسلام صاحب نے ابتدا میں اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا تھا، لیکن بعد میں ڈاکٹر محمد یونس، مولانا محمد کبیر، اشرف عالم، پروفیسر محمد زکریا اور انعام اللہ کی وعدہ خلافی، نافرمانی پر مشتمل شدید مخالفت کی وجہ سے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جس کی وجہ سے معارضین اور خود سپریم کونسل کے درمیان کشیدگی، تناؤ اور رسہ کشی کی حالت پیدا ہو چکی تھی۔

اب محمد جعفر حبیب کے مخالفین نے روہنگیا فدائین محاذ کے جوانوں کو ورغلانا شروع کر دیا، اور قسماً کامیاب بھی ہو گئے تھے، یوں جناب حبیب الرحمٰن اور رشید (کراٹے) صاحبان ان کے بہکاؤ میں آ گئے تھے، اور انہوں نے مخالفین سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے محمد جعفر حبیب کو منصبِ قیادت سے ہٹانے کی ٹھان لی اور مجاہد جوانوں کی قیادت کرتے ہوئے انہوں نے محمد جعفر حبیب کو قسماً معزول بھی کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں محمد جعفر حبیب معسکر سے نکل کر چیرمن صالح احمد صاحب کے یہاں منتظر فردا ہو گئے تھے۔

لیکن اب لطف کی بات یہ ہوئی کہ ان مخالفین کے مابین اگلے ممکنہ صدر کا سوال آیا تو نور الاسلام صاحب کے حامیوں نے ان کا نام پیش کیا، تو ان مخالفین میں مولانا محمد کبیر خفا اور برگشتہ ہو گئے تھے، آخر کار جناب حبیب الرحمٰن وغیرہ نے نور الاسلام صاحب کو منصبِ قیادت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی تو مولانا محمد کبیر صاحب اور ان کے ہم نواؤں نے اس دعوت کو تسلیم کرنے سے سراسر انکار کر دیا،

ویسے ان مخالفین کی کوشش ناکامی کی شکار ہوگئی تھی۔

اب معسکر میں مجاہدین بڑے پریشان تھے، ایک طرف محمد جعفر حبیب بھی نکالے لجا چکے تو دوسری طرف مخالفین بھی آپس میں اختلاف کے شکار ہو چکے تھے، ایسے حالات میں مجاہدین نے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ محمد جعفر حبیب کو دوبارہ معسکر میں بلا لیا جائے، یوں مجاہدین کے سرکردہ افراد نے محمد جعفر حبیب کو واپس لانے کی کوشش کی تو آپ نے معذرت کرلی، لیکن آپ کے حامیوں نے کوشش کر کے منوالیا تھا۔

اب کی بار ایک بات طے پائی تھی کہ محمد جعفر حبیب روہنگیا فدائین محاذ کا اگلے تین مہینے (مارچ/ ۱۹۷۸ء تا مئی/ ۱۹۷۸ء) کے اندر ایک قابل قبول دستور العمل تیار کر کے سپریم کونسل کے سامنے پیش کریں گے، جس کے مطابق الکشن ہوگا، لیکن بدقسمتی سے ان تین مہینوں کے درمیان سرزمین ارکان میں ''ناگامن اپریشن'' کی شکل میں ایک بلائے ناگہانی نازل ہوگئی، جس کی وجہ سے اس دستور العمل کی تیاری کا کام ٹل گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالی کا کرم تھا اس دوران امریکہ سے جناب امام حسین صاحب یہاں آئے، جنہوں نے کوشش کر کے ایک دستور العمل تیار کر دیا تھا۔

کس ناکردہ جرم کی پاداش میں؟

پچھلی سطور میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید دراصل علمائے ارکان نے کی تھی، اور محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت پر علمائے ارکان کے علاوہ سواد اعظم کی رائے سے حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب (خلیفہ ومجازِ بیعت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) نے لایا تھا، یوں محمد جعفر حبیب علمائے ارکان اور سواد اعظم کی طرف سے ایک ''مفوض قائد'' تھے، کیوں کہ حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب منگیزوی (جنہیں کبھی خلیفۃ المسلمین کا خطاب بھی دیا جا چکا تھا) کی طرف سے محمد جعفر حبیب کو باضابطہ طور پر اجازت قیادت بھی مل چکی تھی، ویسے آپ عہدۂ صدارت پر متمکن ہوئے تھے۔

اگر محمد جعفر حبیب کو قیادت عظمی کے منصب سے معزول کرنا تھا تو علمائے ارکان اور سواد اعظم کی رائے سے معزول کرنا ضروری تھا، لیکن برعکس اس کے یہاں آپ کو وہ حضرات معزول کرنا چاہتے تھے کہ جن کو یہاں لا کر آپ ہی نے عزت دی تھی، سیاسی اور انقلابی کام سکھانے کی کوشش کی اور بڑی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں آگے بڑھانے کی جدوجہد کی تھی۔

اب یہاں اس بات کا کھوج لگانا نہایت ضروری ہے کہ اگرچہ محمد جعفر حبیب کو علمائے ارکان اور سواد اعظم نے عہدۂ صدارت پر متمکن کیا تھا، لیکن آیا آپ سے ایسے کوئی جرائم بھی صادر ہوئے کہ جن کی بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہو کہ آپ عہدۂ صدارت سے معزول ہو جائیں؟

ظاہر ہے کہ آپ کوئی کہنے میں خلیفۃ المسلمین نہیں تھے، بایں ہمہ مذکورہ سوال پر تحلیل وتجزیہ کرنے کے دوران اس حقیقت پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے کہ آیا مسلمانوں کے ایک قائد کی صفات واہلیت شرعی نقطۂ نظر سے کیا ہونی چاہئے؟ اس حوالے سے اب ہم امت مسلمہ کے تین اہم اور مانے ہوئے اماموں کی آراء کی میزان پر محمد جعفر حبیب کو تولنا چاہتے ہیں، اور دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان حضراتِ ائمہ کی میزان پر کہاں تک اترتے ہیں:

۱۔ امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردیؒ (۹۷۴ء۔۱۰۵۸ء) نے مسلمانوں کے ایک امام کی اہلیت کے لئے درج ذیل شرائط مقرر کی ہیں:

(۱) مسلمان مرد ہو۔

(۲) عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔

(۳) عادل ہو۔

(۴) دلیر اور شجاع ہو۔

(۵) حواس واعضاء صحیح اور سلامت ہوں۔

(۶) اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۷) نسباً قریشی ہو۔

ظاہر ہے کہ محمد جعفر حبیب ایک مسلمان تو تھے ہی، ساتھ ہی ساتھ آزاد، عاقل، بالغ، عادل، دلیر و شجاع ہونے کے ساتھ آپ کے حواس بالکل صحیح اور سالم تھے، حتی کہ جسمانی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ آپ بڑے خوب صورت اور نیک سیرت تھے، تاہم دینی لحاظ سے آپ کا علم اتنا نہیں تھا کہ جس کی بنیاد پر آپ اجتہاد کر سکتے تھے، لیکن آپ کے مقابلے میں یہاں آپ کی جگہ لے کر اجتہاد جیسے اہم عمل پر عمل پیرا ہونے والا اور کون تھا؟ آپ سے تعارض کرنے والے سارے معارضین ہمارے سامنے ہیں، ان میں سے ایسا ایک انسان بھی نظر نہیں آتا جو اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

باقی رہا قریشی ہونا، اس حوالے سے عرض ہے کہ گوکہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط رکھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے مابین مسلمانوں کی امامت وقیادت کرنے کے لئے اس شرط پر اترنے والا ایک انسان بھی نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہے، ایسے حالات میں مسلمان ایک قریشی کے انتظار میں ہاتھوں پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہی بنے رہیں گے؟ نہیں اور کبھی بھی نہیں، جب کہ ظاہر ہے کہ محمد جعفر حبیب قریشی نہ بھی ہوں تو حجازی ضرور تھے، کیا بعید ہے کہ حجازی ہیں تو قریشی بھی تھے، کم سے کم قیادت کے لئے ایک حجازی النسب کا مسلمان ہونا ہمارے لئے ایک فخر کا سامان نہیں تو اور کیا ہے؟

۲۔ امام ابو حامد محمد بن محمد حجۃ الاسلام الغزالی (۱۰۵۸ء-۱۱۱۱ء) نے مسلمانوں کے ایک امام کے لئے یہ اوصاف بیان کئے ہیں:

(۱) مسلمان مرد ہو۔

(۲) عادل اور ذکی ہو۔

(۳) دل میں خوفِ خدا ہو۔

(۴) عوام سے محبت کرتا ہو۔

(۵) اعلی ترین قوت ارادی کا مالک ہو۔

(۶) اعلی ترین سیرت وکردار کا مالک ہو۔

(۷) دور اندیش ہو۔

(۸) حالات حاضرہ سے مکمل آگاہی رکھتا ہو۔

اب محمد جعفر حبیب کے حوالے سے حضرت امام غزالی کے بیان کردہ ان اوصاف پر نظر ڈالتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ آیا آپ ان اوصاف کے مالک تھے؟ یا ان اوصاف کے خلاف آپ میں کوئی وصف پایا جاتا ہے؟؟

☆ یہ ظاہر ہے کہ محمد جعفر حبیب ایک مسلمان مرد تھے، ظاہر ہے کہ کوئی خاتون نہیں تھے، جن پر اس حوالے سے انگلی اٹھائی جاسکتی ہو۔

☆ ایک عادل اور وہ بھی ایک شریف عادل تھے، میرے علم اور جانکاری کے مطابق آپ سے عدل و انصاف کے خلاف کوئی بھی عمل صادر نہیں ہوا تھا، جس کی گواہی دوست تو کیا بلکہ دشمن بھی دیتا رہا ہے، علاوہ ازیں آپ بڑے ذہین اور ذکی بھی تھے۔

☆ جہاں تک میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محمد جعفر حبیب کے دوستوں، ساتھیوں اور آپ کے قریبی رشتے داروں سے سنا کہ آپ صرف نماز کے پابند نہیں بلکہ باضابطہ تہجد گزار بھی تھے، بزرگی اور دین داری کی حد یہ تھی کہ اور تو اور بعض حضرات آپ کی مختلف کرامات تک بیان کرتے پھرتے ہیں، اگر آپ کے اندر خوفِ خدا نہیں ہوتا تو آپ اتنی عبادات بشمول اتنی سخت جہادی سرگرمیاں کیسے کر سکتے تھے؟۔

☆ جہاں تک عوام سے محبت کا تعلق ہے کہ محمد جعفر حبیب کے متعلق اس حوالے سے بہت کچھ لکھے جانے کی گنجائش ہے، مختصر یہ ہے کہ عوام اور وہ بھی روہنگیا جیسے مظلوم عوام سے اگر آپ کی محبت نہیں ہوتی تو آپ نے اپنی اس سنہری زندگی کو داؤ پر کیوں لگا رکھا تھا؟ آپ نے پریشانیوں پر پریشانیاں، صعوبتوں پر صعوبتیں اور مشکلات پر مشکلات کیوں برداشت کیں؟؟ اس حوالے سے دوست تو دوست بلکہ کسی دشمن

نے بھی اپنی زبان سے آپ کے خلاف کوئی بات اب تک نہیں نکال سکی۔

☆ جہاں تک اعلی سیرت وکردار کی بات ہے کہ اس حوالے سے دوست نہیں بلکہ دشمن بھی گواہی دیتا ہے کہ محمد جعفر ایک شریف النسب اور شریف زادہ ہونے کے علاوہ اخلاقی اور کرداری اعتبار سے اعلی درجہ کے انسان تھے، آپ کے پاس امانت و دیانت تھی، قوت ارادے کے ساتھ قومی جذبہ تھا، ملی حمیت و غیرت تھی، ملی اور قومی سرگرمیوں سے لگن تھا، تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے برعکس آپ کے اندر بلند حوصلگی اور بالغ نظری جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، انسانوں سے محبت کرنے، ایثار اور ہم دردی رکھنے کے ساتھ راہ خدا میں قربانیاں دینے کے جذبے اور ولولے تھے، تو یہ اور ان جیسی تمام صفات کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ آپ ایک بلند اخلاق اور نیک سیرت وکردار کے مالک نہیں تھے؟۔

☆ ظاہر ہے کہ آپ اعلی ترین قوت ارادی کے مالک لیڈر تھے، ورنہ ہمارا جو دشمن ہے، اس کی طاقت بھی ہمارے مقابلے کم تو نہیں ہے، ایک اندھا بہرا بھی تو اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ہمارے دشمن کی طاقت بہر حال ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ تھا اور ہے، تو اتنے بڑے دشمن سے مقابلے کو کمر کس کے نکلنا بذاتِ خود اس بات کی دلیل نہیں تو کیا ہے کہ محمد جعفر حبیب اعلی ترین قوت ارادی کے مالک ایک عظیم لیڈر تھے۔

☆ دور اندیشی کا جہاں تک سوال ہے کہ آپ کا سب سے بڑا جرم بھی تو یہی تھا کہ آپ کے معارضین کے مقابلے میں آپ ایک گہری بصیرت کے مالک بڑے دور اندیش مفکر تھے، آپ جو بھی کام کرنا چاہتے تھے وہ کام کی طبیعت کے عین مطابق جذباتیات سے پرہیز کرتے ہوئے سوچ بچار پر مبنی حقیقت پسندی پر مشتمل کرنا چاہتے تھے، جب کہ آپ کے معارضین سارے نہ کہوں تو ان کی بھاری اکثریت ایک طرف حقیقت پسندی کے برخلاف جذبات سے سرشار اور نوجوانی کی جلد بازی سے مخمور تھی، ویسے تو ان جذبات سے سرشار ومخموران جوانوں نے آپ پر یہی الزام لگایا تھا کہ آپ غافل اور سست رفتار ہیں، دراصل بات یہ ہے کہ آپ کی دور اندیشی وبصیرت، طویل تجربات کے ساتھ کام کی طبیعت سے مکمل آشنائی بذاتِ خود ان جوانی سے سرشار لوگوں کی نظر میں بڑا جرم ٹھہری تھی۔

☆ حالات حاضرہ سے مکمل آگاہی کے متعلق اتنا ہی بتا دیتا ہوں کہ آپ کی سرپرستی میں ’’روہنگیا

مسلمانوں کی چیخ وپکار‘‘ نامی جو کتاب لکھی گئی اور روہنگیا فدائین محاذ (RPF) نے طبع کروا کے اسے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا اس کے مندرجات ہی کافی ہیں کہ آپ حالات حاضرہ سے مکمل آگاہ اور واقف تھے، میرے خیال میں یہ کتاب آپ کی دور اندیشی، بصیرت اور حالات سے مکمل آگاہی کا بین ثبوت ہے، یاد رہے کہ یہ کتاب انگریزی میں ہے، جسے راقم نے بڑی کوشش سے اردو میں ترجمہ کیا، اگر زندگی نے وفا کی تو اسے چھپوا کر منظر پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔

۳۔ علامہ ولی الدین عبد الرحمٰن ابن خلدون (۱۳۳۲ء۔۱۴۰۶ء) کے مطابق خلیفہ/امام میں چار اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

(۱) علم: ابن خلدون علم کے سلسلے میں امام ماوردی کے ہم خیال ہیں، وہ خلیفہ کے لئے تقلید کو ایک بڑی خامی تصور کرنے کے ساتھ اس کے علم کو اجتہاد کے درجے تک ضروری خیال کرتا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہاں کوئی خلیفہ یا امام نامزد یا مفوض نہیں تھا، بس یہاں ایک لیڈر یا ایک قائد تنظیم کی بات تھی، جو علمائے اسلام اور سوادِ اعظم کا مفوض تھا۔

(۲) عدالت: عدالت سے مراد خلیفہ یا امام کی نظری وفکری اور عملی زندگی ہے، جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا لازمی ہے، یاد رہے کہ ابن خلدون خلیفہ یا امام کو کسی غیر شرعی امور میں مشغول رہنے کی اجازت نہیں دیتے، کیوں کے اس سے ان کے نزدیک عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

(۳) کفایت: کفایت سے مراد یہ ہے کہ خلیفہ یا امام کو ایسی کسی مادی یا روحانی قوت کا مالک ہونا چاہئے، جس کی وجہ سے عوام اسے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھیں، ان کے نزدیک خلیفہ یا امام کا جری وبہادر ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ دین کی حفاظت بھی کر سکے، علاوہ ازیں ابن خلدون کے نزدیک خلیفہ یا امام کے فرائض میں تین امور بڑے اہم ہیں:

☆ دین کی حمایت۔

☆ اقامت حدود (حدود کا قیام)۔

☆ تدبیر مصالح (نیک صلاح ومشورہ یا نیک تجاویز)۔

(۴) حواس اور اعضاء کی سلامتی: خلیفہ یا امام کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حواس اور اعضاء صحیح و

سالم ہوں، تا کہ وہ اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح انجام دے سکے۔

علامہ ابن خلدون خلیفہ یا امام کے لئے جو شرائط سامنے لائے ہیں، محمد جعفر حبیب کے حولے سے پچھلی سطور میں ان پر خاصی گفتگو کی جا چکی ہے، یہاں دوبارہ ان پر بات چھیڑنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت، تاہم یہاں اتنی سی بات یاد دلاتے ہوئے دوبارہ عرض ہے کہ میرا محمد جعفر حبیب کو نہ خلیفہ اور نہ امام ہونے کا کوئی دعوی ہے اور نہ آپ نے معاذ اللہ کبھی ایسا دعوی کیا تھا، لیکن یہ تو ایک امر واقعی تھا کہ آپ روہنگیا قوم کے ایک متفقہ قائد و لیڈر تے جس پر قوم کے تمام علماء (یاد رہے کہ قوم کے وہ بزرگ ترین علمائے دین جنہوں نے آپ کو قائد منتخب کیا تھا جو اپنے زمانے میں نہ صرف تمام علمائے ارکان بلکہ عوام کے بھی مرجع تھے) اور سوادِ اعظم نے اعتماد کیا تھا۔

اب میں شرعی نقطۂ نظر سے بحث کرنا چاہتا ہوں کہ کن حالات میں ایک خلیفہ یا امام کو منصب سے معزول کیا جا سکتا ہے؟

۱۔ جب خلیفہ یا امام میں کوئی اخلاقی خرابی ظاہر ہو کر معاشرہ میں اس کے برے اثرات پڑنے شروع ہو جائیں، ایسے حالات میں اس کو منصب سے معزول کیا جا سکتا ہے، امام ماوردی نے اخلاقی تبدیلی کی دو وجوہات کا تذکرہ کیا ہے:

☆ اول یہ کہ وہ کسی ایسی جماعت سے منسلک ہو جائے جو علی الاعلان شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی کرتی ہو۔

☆ دوم یہ کہ اس کے ایمان میں تبدیلی رونما ہو جائے۔

تو ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ محمد جعفر حبیب میں کوئی ویسی خرابیاں تھیں؟۔

۲۔ اگر خلیفہ یا امام میں کوئی جسمانی نقائض پیدا ہو جائیں تو ایسی صورت میں اسے معزول کیا جا سکتا ہے، جسم میں تین قسم کے نقائض پیدا ہو سکتے ہیں:

☆ حواس درست نہ رہیں۔

☆ جسمانی اعضاء زیاں پذیر ہو جائیں۔

☆ ملکی نظم و نسق چلانے والی صلاحیات کا فقدان ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ محمد جعفر حبیب کہنے میں نہ تو کوئی خلیفہ تھے اور نہ امام، لیکن وہ ایک متفقہ قائد اور مفوض لیڈر ضرور تھے، اب ہم ان مذکورہ اصولوں کو سامنے رکھ کر آپ کے حوالے سے یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ آپ میں مذکورہ کوئی بھی نقائض تھے ہی نہیں، جن کی بنیاد پر آپ کو معزول کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

۳۔ اگر خلیفہ یا امام کسی وجہ سے دشمنوں کے قبضے میں ہو جائے، اور کوشش کے باوجود وہ رہا نہ ہو سکے تو اس صورت میں اسے معزول کر کے اس کی جگہ پر دوسرے امام یا خلیفہ کی تقرری امر لازمی ہو جاتا ہے، ویسے ظاہر ہے کہ ہمارے یہاں ایسی کوئی حالت سرے سے پیدا نہیں ہوئی تھی، جس کی وجہ سے محمد جعفر حبیب کو معزول کرنا ضروری ہو گیا ہو۔

حالات کے تقاضے اور وقت کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا یہ دعوی بالکل صحت پر مبنی ہے کہ اسی زمانے میں پوری قوم میں نہ بھی کہوں تو کم سے کم روہنگیا فدائین محاذ کے اندر محمد جعفر حبیب سے بڑھ کر منصبِ قیادت کے قابل اور کوئی نہیں تھا، تو پھر کس نا کردہ جرم کی پاداش میں انہیں معزول کرنے پر معارضین و مخالفین تلے ہوئے تھے؟ اور اس خواہش کا برملا اظہار کر رہے تھے کہ آپ کو فوری طور پر منصبِ قیادت سے سبکدوش ہو جانا چاہئے؟؟

دراصل یہاں اس مذکورہ سوال کا معقول جواب زیرِ تحریر لایا جائے تو اندیشہ ہے کہ تلخیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو کر بعض حضرات کی دل شکنی کا سبب بن جائے گا، یوں اس سے پہلوتہی ہی مناسب سمجھا جا رہا ہے۔

چھٹا باب

۱۹۷۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی ہجرت:

مئی/۱۹۷۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی داخلی صورت حال انتہائی خراب ہو چکی تھی، محمد جعفر حبیب کے خلاف شازشوں پر سازشیں چل رہی تھیں، مجلس عاملہ میں سے چند حضرات اقتدار اعلیٰ کی کرسی پر براجمان ہونے کے لئے بے تاب تھے، تنظیمی ڈھانچہ اندر ہی اندر کھوکھلی ہونے کی وجہ سے سارے لوگ مضمحل اور پریشان تھے، مجاہدین مجموعی طور پر اگر چہ صدر تنظیم محمد جعفر حبیب کے ہم نوا تھے، لیکن تھے بڑے پریشان، کیوں کہ افتراق تفری اور انتشار خیالی کی وجہ سے عوامی تعاون کلی طور پر بند ہو چکے تھے، بجٹ میں ایک کوڑی بھی جمع نہ تھی، مجلس عاملہ میں ایک طرح کی بھگڈر مچی ہوئی تھی، عاملہ کے ہر رکن تقریباً صدر کے خلاف واویلا مچا رہا تھا، ایسے حالات میں اندرون وطن میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف بڑی سازش شروع ہو چکی تھی، بدنام زمانہ جنرل نیون نے ''کنگ ڈراکون اپریشن'' کے نام سے کریک ڈاؤن کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

کنگ ڈراگون اپریشن دراصل ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف مگھ برمیوں کی ملی بھگت میں ہونے والی سازشوں کا ایک بڑا حصہ تھا، عرصہ دراز سے برمیوں کی یہی چاہت رہی کہ رکان سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ ہو جائے، جب کہ مگھوں کا ہمیشہ یہی خواب تھا کہ یہاں سے روہنگیا مسلمانوں کو ختم کر کے ارکان کو ایک بڈھسٹ ریاست میں تبدیل کیا جائے، یوں برما کی آزادی سے قبل ۱۹۴۲ء میں انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا، انو دور میں باوجود ہزار کوشش کے یہاں کے مسلمانوں کو کلی طور پر ختم نہیں کیا جا سکا، لیکن جبھی عفریت زمانہ جنرل نیون نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو برمی اور مگھوں کے دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہونے لگا تھا، ویسے کنگ ڈراگون اپریشن اس تعبیر کا ایک بڑا حصہ تھا۔

۱۹۶۲ء میں ملک پر برمی فوجیوں کا قسماً قبضہ ہو گیا تو ارکانی مگھوں کا یہ دیرینہ مطالبہ کہ ''کل ارکان کو ایک مگھ بڈھسٹ ریاست بنایا جائے'' زور شور سے شروع ہو گیا تھا، اس کے بعد ۱۹۷۴ء کے دوران اشترا کی عفریت نیون کے ملک کو پوری طرح نگلنے کے بعد مگھوں کے خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا کہ اس عفریت نے پورے ارکان کو ''رکھائنگ اسٹیٹ'' کے نام سے مگھوں کا نام کر دیا تھا۔ چنانچہ اس حوالے سے جناب شبیر حسین صاحب کا بیان ہے کہ:

> ''پچھلی سطور میں یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ ارکان کو مگھ بڈھسٹ ریاست میں تبدیل کرنے کے لئے مگھوں نے کس حد تک کوشش کی تھی، باوجود یکہ ان کی یہی ناجائز کوشش ۱۹۴۸ء کے بعد سے تیز سے تیز تر ہو چکی تھی مگر ۱۹۷۴ء تک ان کی تمام کوشش پر پانی پھرایا جا چکا تھا، ۱۹۶۲ء میں جب ملک پر فوج کا مکمل قبضہ ہو گیا تو ان کا یہ مطالبہ کہ کل ارکان کو ایک مگھ بڈہسٹ ریاست میں تبدیل کر دیا جائے، برابر جاری رہا، جب ۱۹۷۴ء میں اشترا کیت کی عفریت نے ملک کو نگل لیا تو مگھوں کے اس پرانے خواب کی تعبیر مثبت انداز میں نکل آئی کہ نیون حکومت نے سرکاری طور پر سرزمین ارکان کو رکائنگ (مگھ) اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا''۔

تاہم مگھوں اور برمیوں کی مشترکوششوں کے باوجود اب تک ارکان سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں ہو سکا، یوں انہوں نے ایک سوچے سمجھے پلان اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ یہاں سے مسلمانوں کی مکمل صفائی کے لئے کنگ ڈراگون اپریشن کے نام سے ایک زوردار مہم چلائی، جس میں برمی شرپسند فوجیوں کے علاوہ امیگریشن کے مگھ برمی عصبیت پسند اور بڑی تعداد میں مگھ اجڈ پولیس کے جوانان شریک تھے، اس حوالے سے جناب شبیر حسین صاحب اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں کہ :

> ''۶ رفروری ر۱۹۷۸ء میں ۱۵۰/ افراد پر مشتمل مسلح امیگریشن کا ایک گروہ رنگون سے اکیاب آیا، اور یہاں آتے ہی کنگ ڈراگون اپریشن شروع کر دیا، اس گروہ میں برمی بحریہ اور برمی فوجی جوانوں کے علاوہ پولیس اور سول اڈمنسٹریشن کے مگھ انتہا پسند اور برمیز سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کے مسلح شرپسند بھی شامل تھے''۔

دراصل کنگ ڈراگون اپریشن تفتیش کے بہانے سے ایک خطرناک آندھی تھا، جس نے سرزمین ارکان کے مسلمانوں پر ایسی تباہی مچائی کہ جس کے تصور سے کلیجے منہ کو آنے لگتا ہے، یہ اپریشن جہاں سے گزرا سرزمین ارکان کی بہار کو مکمل خزاں میں تبدیل کر چھوڑا، ظلم و بربریت، عصبیت پرستی اور انتہا پسندی اس کی فطرت تھی، جس نے انگنت مساجد کو شہید کر دیا، مدارس، مکاتب اور روحانی خانقاہوں کو تہ وبالا کر دیا، لاکھوں مسلمانوں کو بے گھر اور ہزاروں کو شہید کر دیا، اس نے یہاں ظلم وعدوان کی ایسی چکی چلائی کہ جس کے تصور سے دل دہل جاتا اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، یوں دیکھتے ہی دیکھتے یہ کالی آندھی جنوب سے شمالی ارکان کو بڑھی اور سارے مسلم علاقہ جات پر پھیل گئی تھی، جس نے صرف ایک دن میں پانچ ہزار سے زائد مسلمانوں کو قیدی بنالیا، جن میں مرد بھی تھے خواتین بھی، شیر خوار بچے بھی تھے جوان بھی، علاوہ ازیں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ کالی آندھی جہاں سے گزری وہاں اس نے جبر وتشدد، قتل وغارت گری، لوٹ گھسوٹ اور معصوم خواتین کی عصمت وناموس کی ہولی کھیلی تھی۔اور:

> اس آپریشن کی وجہ سے مسلمان ارکان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، یوں انہوں نے ارکان سے بنگلہ دیش کی راہ لی، اور قافلے در قافلے بنگلہ دیش کی سرحد پار کرنا شروع کر دیا، شروع شروع میں تو بنگلہ دیشی حکومت نے مہاجرین کو واپس دھکیل دیا، لیکن بنگلہ دیشی سرحدی فوج نے ان مہاجرین پر ہونے والے ظلم وستم اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کو گولیاں کھاتے، شہید اور زخمی ہوتے پایا تو صورت حال ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی، اور سرحد کھول دی گئی تھی، لیکن مہاجرین کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے پیش نظر سرحد پھر سے بند کر دی گئی تھی پھر بھی مہاجرین کسی نہ کسی طرح بنگلہ دیش پہنچتے رہے تھے، مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ برمی فوجوں نے ان مہاجرین کو راستے پر بہت ظلم کیا، جس کے سبب سے ہزاروں کی تعداد میں بچے بچیاں، بوڑھے، مرد، عورتیں ہلاک ہو گئی تھیں- اور بے شمار افراد کو وہاں سے پکڑ کر لاپتہ اور بہتوں کو قید خانے کی اندھیری میں غرق کر دیا گیا تھا-

درحقیقت یہ کام بڑی منصوبہ بندی اور پروگرام کے تحت کیا گیا، جس کے تحت حکومت برما نے اپنا

عمل جاری رکھا، ایک فرانسیسی ہفت روزہ ''LEMEVEL OBSEVETIVE'' کے نامہ نگار کے مطابق اس قتل عام میں برما کی حکومت نے مسلمانوں کو ملک سے باہر نکالنے کا ایک منصوبہ بنا رکھا ہے-

اب غربت وافلاس کے مارے بنگلہ دیش کے لئے ان مہاجرین کی کفالت قطعی ناممکن تھی، لہذا اس نے برما پر سخت دباؤ ڈالا، نتیجتاً برمی وزیر خارجہ نے بنگلہ دیش کا دورہ کیا، مگر بات چیت تب ناکام ہو گئی تھی جب برمی وزیر خارجہ نے مہاجرین کو واپس لینے سے کلی طور پر انکار کر دیا تھا، اس صورت حال سے بنگلہ دیش نے دنیا بھر کی مسلم تنظیموں اور حکومتوں کو آگاہ کیا اور اپنی محدود وسائل سے مہاجرین کی دیکھ بال کی تھی-

مسلم تنظیموں میں سے سب سے زیادہ ان مہاجرین کے لئے رابطۃ العالم الاسلامی نے اپنی خدمات پیش کیں، اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی خدمات بھی مخصوص سیاسی طور پر قابل ستایش ہیں، ان کے علاوہ یونی سیف (UNICEF) اور یواین ایچ سی آر (UNSCR) نے بھی ان پناہ گزینوں کی بڑی خدمت کی، حقیقت میں دولاکھ ۲۰۰۰۰۰/ سے زائد مہاجرین کے بیک وقت کھانے پینے، رہنے سہنے کا انتظام ایک بڑا بھاری کام تھا، مگر کسی طرح انجام پایا تھا-

بین الاقوامی دباؤ اور بنگلہ دیش کے وفود کے مسلسل رنگون دورے کے بعد بالآخر ۹رجولائی ر ۱۹۷۸ء میں برما اور بنگلہ دیش نے ایک معاہدہ پر دستخط کیا، جس کی رو سے برما سے بنگلہ دیش میں ہجرت کر جانے والے تمام مسلمان مہاجرین کو قبول کرنا تھا، تاہم برما کی گفت وشنید بڑی ڈرامائی قسم کی تھی، جس کے بارے میں بعض مبصرین کا کہنا تھا کہ کوشش ناکام ہو جائے گی، لیکن آخرکار برمی حکومت نہ چاہتے ہوئے بھی مہاجرین کو واپس لینے پر مجبور ہو گئی، اس حوالے سے ایک مشہور بات ہے کہ:

> '' کہتے ہیں کہ اس وقت کے بنگلا دیشی صدر ضیاء الرحمٰن سے کہیں جنرل نیون سے ملاقات ہو گئی تھی، بنگلا دیشی صدر نے جنرل نیون پر مہاجرین کو واپس لینے پر دباؤ ڈالا تو اس نے سراسر انکار کر دیا تھا اور کہا کہ یہ لوگ بنگلا دیشی ہیں، ہم ان کو واپس نہیں لیں گے، اب اس کے جواب میں صدر ضیاء نے یہ دھمکی دی کہ اگر آپ ان مہاجرین کو واپس نہیں لیں گے تو بنگلا دیش ان کے ہاتھ پر ہتھیار دینے پر مجبور ہوگا، جس کے ذمے دار آپ ہوں گے، بنگلا دیش نہیں''۔

آخر چار و ناچار برما نے مہاجرین کو واپس لینے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی، یوں برما اور بنگلہ دیش کے درمیان معاہدہ طے پایا کہ لوگوں کو واپس لے جانے کا سلسلہ آگست کے آخر میں شروع ہوگا، جب کہ ارکان سے آنے والوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا، اور ورلڈ مسلم گزیٹر کا بیان ہے کہ ارکان میں ظلم وستم برابر جاری رہا اور مہاجرین کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔

جو کچھ بھی ہو برما اور بنگلہ دیش کے درمیان ہونیوالے معاہدہ کی رو سے مہاجرین کو واپس وطن لوٹنا تھا، لیکن مہاجرین وطن واپس لوٹنے میں ہچکچا رہے تھے، کیوں کہ مہاجرین کو خوف تھا کہ برمی حکام ان کے ساتھ ناروا انسانیت سوز سلوک کریں گے، درحقیقت یہی ہوا بھی تھا، پھر بھی ۱۶/نومبر تک (UNSCR) کے حکام کے مطابق اب تک ۵/ ہزار سے زائد مہاجرین وطن لوٹے تھے۔

درحقیقت ظالم کا انداز ظلم بھی نرالہ ہوتا ہے، اور برمی حکام کا وحشیانہ سلوک کوئی نیا نہ تھا بلکہ اس قوم کی فطرت میں ایسی بربریت چھپی ہوئی ہے جسے دیکھ کر دنیا کے بڑے بڑے درندے بھی شرما جائیں گے۔ ایک طرف ارکان کے مسلم مہاجرین کا واپس لوٹنا شروع ہوا تو برمی حکام نے اعلان کیا کہ انہوں نے واپس لوٹنے والوں کے لئے ارکان میں مساجد، مدارس، اسکول، اور تازہ پانی کے تالابوں کی تعمیر کے لئے لاکھوں کیات مختص کئے ہیں، لیکن یہ صرف دھوکہ تھا، درحقیقت برمی فوجی حکام نے واپس لوٹنے والے مہاجرین پر ایسا تشدد کیا جس کے سبب سے بہت سے افراد ہلاک ہوگئے تھے، برمی حکومت نے صرف دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناجائز کوشش تھی اور دوسری طرف صورت حال ایسی تھی کہ واپس لوٹنے والے مہاجرین کو کیمپوں میں چھوڑ دیا گیا، کام کاج کرنے اور نہ گھر لوٹنے کی اجازت دی گئی تھی، سرحد عبور کر کے برما میں داخل ہوتے ہی مہاجرین سے ایک کاغذ پر مجبوراً دستخط لیا گیا، جس میں تین قابل ذکر بات تھی:

(۱) وہ اپنی مرضی سے بنگلہ دیش گیا، برمی حکام نے انہیں مجبور نہیں کیا تھا۔

(۲) اس نے بنگلہ دیش اب اپنی مرضی سے چھوڑا ہے اور اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔

(۳) اسے معلوم ہے کہ غیر قانونی طور پر ملک چھوڑنے پر امیگریشن کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

بالآخر مہاجرین کا واپس لوٹنا مکمل ہوگیا، مگر ۱۹۷۸ء میں مہاجرین کی ارکان میں واپسی کے باوجود

ایک بڑی تعداد بنگلہ دیش میں مقیم رہی، جس کا کہنا تھا کہ ہماری جائدادیں، گھر، اسباب زندگی سب کچھ تباہ ہوگئے، اور کاشت کی اراضی بھی حکومت نے ضبط کر کے مقامی بودھ مگھوں کو دے دیا، اب وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟ بلکہ ہم پر مزید ظلم وعدوان کی چکی چلے گی، حقیقت میں بات صحیح تھی اور انگنت مہاجر خواتین زیورات، قیمتی ساز وسامان کے ساتھ ساتھ اپنی عزت وعصمت لٹانے پر مجبور ہوگئی تھیں، اس حوالے سے اس وقت کی واحد مسلم روہنگیا تنظیم (RPF) کے ترجمان روہنگیا رڈاک نے دعوی کیا کہ بنگلہ دیش سے واپس لوٹنے والے مہاجرین کی زندگیاں مصیبت میں پڑ گئی ہیں، ان کے بنیادی حقوق سلب کر لئے گئے ہیں، لوگوں سے جبری مشقت کرائی جاتی ہے، برمی فوج کے اسلحہ کی ترسیل کے لئے انہیں استعمال کیا جاتا ہے، جو افراد انکار کرتے ہیں یا قتل کر دیئے جاتے یا خفیہ جیل کی اندھیری میں ڈبو دیئے جاتے ہیں، غرض لوٹ مار، مہاجرین کی باقی ماندہ جائدادوں کی تباہی اور خواتین کی عصمت دری، برمی حکمرانوں کے روزمرہ کا معمول بن گیا تھا، اس بربریت اور قتل وغارت گری سے تنگ آ کر ۱۹۸۱ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے ملائشیا تک پہنچ گئی تھی۔

۱۹۶۲ء میں برما کو ایک خطرناک اور انسانیت دشمن عفریت نے نگل لیا گیا، ظاہر ہے کہ عفریت جو کرے گا وہ انسانیت کے خلاف ہی کرے گا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسانیت کی ہر دیوار اس کی خطرناک دشمن ہوگی، اس لئے سب سے پہلے اس کا اہم کام یہ ہوگا کہ انسانیت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ انسانیت اس عفریت کی راہ پر کبھی حائل بھی ہوسکتی ہے۔

چونکہ یہ ایک ایسا دور تھا کہ جس میں سرمایہ دارانہ نظام حکومت سے خلاصی پانے والے ممالک کے قائدین سوشلزم کے نظریہ سے بہت متأثر ہوگئے تھے، اس لئے انہوں نے طبعی طور پر مگر بے سوچے سمجھے سرمایہ دارانہ نظام سے آزاد ہونے کے ساتھ اپنے ملک میں اس قطعی غیر فطری نظام کو عوام پر مسلط کرنے کی کوشش کی، جس طرح نیون نے بھی یہی کچھ کیا، اب نہ صرف برما اس آمر مطلق کے چنگل میں پھنس گیا بلکہ اگلے برسوں کے لئے اس ملک میں ایک خطرناک دور شروع ہوگیا تھا، یوں تو آج کل دیکھنے میں کسی اور برمی فوجی جنرل کے چنگل میں ملک پھنسا ہوا ہے، لیکن درحقیقت عرصۂ دراز تک اس عفریت نیون کے چنگل سے ملک آزاد نہ ہوسکا تھا۔

دنیا میں بعض آمرانِ مطلق العنان ایسے بھی دیکھے گئے کہ جن کے اعمال وکردار، انداز واداء، طرز زندگی اور معاشرتی نظام حیات سے انسانیت کی فلاح وبہبود کی بوآتی تھی، مگراس کے لئے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس کا نظام حکومت اور نظریۂ حیات فطری راہ پر گامزن ہو،لیکن برما کے اس آمر مطلق نے اس فاش غلطی کو دہرایا جس کا مرتکب سوویت یونین سمیت دنیا کے تمام سوشلسٹ مما لک ہوئے تھے،کون نہیں جانتا کہ مذہب اس غیرفطری نظام حیات کی نظر میں اس کا سب سے بڑا دشمن ہے،اس لئے اسے ختم کرنے کے لئے دنیا کے سارے سوشلسٹ مما لک نے جان توڑ کوشش کی، چونکہ مذہب پر تنقید ان کے نزدیک علم کا اصل جڑ ہے،اس لئے ان کے نزدیک مذہب کے خلاف بغیر کسی بھی منصوبہ بندی کے نہیں لڑنا چاہئے اور اس منصوبہ بندی کا دوسرا نام سوشلزم یا کمیونزم ہے، ان سوشلسٹوں کے نزدیک مذہب لوگوں کے لئے افیون ہے- اسی نظریہ حیات کے اصل بانی کارل مارکس کی رائے میں مذہب انسان کو فریب دیتا ہے، لہذا مذہب کے خلاف جنگ لڑنا ہر اشتراکیوں کا اصل کام ہے، تاکہ دنیا سے مذہب کا وجود مٹ جائے۔ روس کے اس غیرفطری نظام حیات کا محرک اور وہاں کے اشتراکی ملک کا پہلا صدر لینن کی رائے میں ویسے تو دنیا کے تمام مذاہب قابل مذمت ہیں، لیکن وہ خاص طور پر کسی اچھے مذہب کا بڑا مخالف تھا، کیونکہ لینن کی رائے میں اس نیک مذہب کی سچائی سے یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اس مذہب کے جھانسے میں آجائیں گے، اس لئے اس کا کہنا تھا کہ ہمیں ہر اچھے مذہب کے خلاف جنگ لڑنا چاہئے، وہ اپنے ایک مضمون ''اشتراکیت اور مذہب'' میں لکھتا ہے کہ انسان کو صرف مذہب سے لڑنا ہی نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو اس لڑائی کا اہل بھی بنانا چاہئے اور مزید لکھتا ہے کہ سرمایہ داری کی غیرمرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں خوف کی صورت پیدا کردی ہے، جس سے ایک حاکم اعلی کی بنیاد پڑی، اسے انسان نے خدا کے نام سے پکارنا شروع کردیا، سوجب تک خدا کا تصور وتخیل انسان کے ذہن سے فنا نہ کردیا جائے یہ لعنت کسی طرح دور نہیں ہوگی، اعوذ باللہ، اسی طرح رفن فلاپ ملر اپنی کتاب ''LENAN AND GANDHI'' میں لکھتا ہے کہ خدا کا وجود ہی اشتراکی نظام کا سب بڑا دشمن ہے، دنیا میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا استبداد کا حامی خود خدا ہے، العیاذ باللہ-

۱۹۱۷ء کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد روس میں سب سے پہلے جس چیز پر عمل کیا گیا وہ مذہب کے

خاتمے کا کام تھا اور تمام وسائل اس بات پر صرف کئے گئے کہ روسی معاشرے سے خدا اور مذہب کے تصورات ختم کئے جائیں اور معاشرہ کی تشکیل مادی بنیادوں پر کی جائے-

چونکہ برما کے آمر مطلق کے نزدیک بودھ مت کوئی سچا مذہب نہیں تھا، اس سے سوشلسٹ نظام حیات کے خلاف دشمنی کی اتنی توقع نہ تھی جتنی توقع اسلام اور مسلمانوں کے نظام حیات سے تھی، اس لئے اس نے برما، خصوصا ارکان سے اس نظام حیات کو ختم کردینے کی پئے در پئے کوشش کی اور اس کے خلاف ہر ممکنہ حربہ استعمال کیا گیا- اور:

> ''اس آمر مطلق جنرل نیون نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے کر لوگوں کی زبان پر پابندی لگادی، چونکہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی کہ سوشلسٹ نظام میں کثیر جماعتی نظام کا تصور ہی نہیں ہوسکتا ہے، برمی حکومت نے ملک کے آئین میں اپنی اغراض کے لئے ترمیم کرکے (BSPP) برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی کو قانونی حیثیت دیا اور زندگی کے ہر شعبے میں اس نظام اور نظریات کے فروغ کی غرض سے کئی ذیلی تنظیمیں بنائی گئیں، تاکہ جن کے ذریعے مرکزی کنٹرول کو اور بھی مضبوط بنایا جاسکے''۔

اشتراکی دور میں اسلام کی بیخ کنی: ہمارے سامنے یہ بات سورج کی طرح روشن ہوگئی ہے کہ اشتراکی نظام کا سب سے بڑا دشمن مذہب ہے، البتہ مذہب میں بھی جو سچا ہو وہ اس کا سچا دشمن ہے، یوں اشتراکیوں نے جب مذاہب عالم پر نظر دوڑائی تو دنیا کے سارے مذہبوں میں ایک صرف اسلام ہے جسے اس کا اصل اور حقیقی دشمن پایا، اسی لئے تو اس نظام میں سب سے پہلے جہاں کہیں بھی ہوا اسلام کی بیخ کنی کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں، اور برما کے اشتراکی دور کے حکمرانوں نے ایک طرف مسلم دشمنی کے پیش نظر اور دوسری طرف ایک صرف اسلام ہے جس کے اندر اشتراکیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی صلاحیت موجود ہے کے اندیشے کے پیش نظر اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود کردینا چاہا اور اس پالیسی سے بودھ مت کو مستثنی قرار دیا گیا، کیوں کہ درحقیقت بودھ مت میں اشتراکی نظام کے خلاف آواز اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، خود برمی اشتراکی نظام کے حکمران اس بات سے اچھی طرح واقف تھے، ساتھ ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر دنیا میں کسی مذہب میں اس سے مزاحمت کی صلاحیت

اصولی طور پر موجود ہے تو وہ صرف اسلام ہے-

در حقیقت مدارس دینیہ اسلام کے انتہائی لائق، حوصلہ منداور مضبوط ارادوں کے حامل عناصر کا مقام اجتماع ہیں، یہ لوگ زیادہ تر نوجوان ہوتے ہیں، جو اپنی زندگیاں صرف سنت وشریعت کی تعلیم میں کھپا دیتے ہیں اور جن کے دل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو پورا کرنے کے جوش وجذبے سے معمور ہوتے ہیں-

اسی لئے برما کے اشترا کیوں اور کمیونسٹ نظریات کے حاملین کی انتہائی جدوجہد یہی تھی کہ کسی بھی طرح یہ مدارس اور مکاتب بند کردیئے جائیں، علمائے امت کو ذلیل ورسوا کیا جائے، عمارتوں کو مسمار کرکے انہیں چوپایوں، سرایوں اور مویشیوں کے احاطوں میں تبدیل کردیا جائے، یہی حشر مسجدوں ، خانقاہوں اور دیگر اسلامی مراکز کا بھی ہوا تھا، ان کو گرانے اور بند کردینے کے ساتھ برمی اشترا کیوں نے اسلامی شعائر اور مسلمانوں کی دینی زندگی ختم کرنے اور ان کی عملی زندگی کا رشتہ اسلام سے مکمل کاٹ دینے کے لئے متعدد اقدامات کئے، مسلمانوں کو دینی اجتماعات میں شرکت سے روکا گیا، اسلام کی دینی تہواروں کی جگہ اشترا کیوں کے میلے لگائے گئے، قرآن وحدیث اور دیگر دینی کتابوں کی طباعت واشاعت پر مکمل پابندی لگادی گئی، رنگون سمیت دیگر شہروں کے چھاپے خانے ضبط کرلئے گئے، حج بیت اللہ سمیت دینی تعلیم کے حصول کے لئے بیرون ملک کا سفر ممنوع قرار دیا گیا، غرض شعائر اسلام کا قلع قمع کرنے کے لئے حکومت، قوت، پارٹی، ثقافتی انجمنوں اور عام تنظیموں، نام نہاد قانون اور خفیہ پولیس کی قوت غرض تمام ممکنہ وسائل سے کام لیتی رہی، پھر محض پروپیگنڈے اور ترغیب وتحریص ہی پر انحصار نہ کیا گیا بلکہ جبر وتشدد، تہدید وترہیب کے حربے بھی استعمال کئے گئے، کیوں کہ وہ لوگ خوب جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے اندر دینی جوش وحمیت، اسلامی شعائر سے وابستگی اور ملی تہذیب وثقافت سے محبت اور لگاؤ رہے گا انہیں اشترا کی سانچے میں نہ ڈالا جاسکے گا، اور یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کی ساری قوت کا اصلی سرچشمہ صرف اور صرف ان کے اسلامی افکار وعقائد ہیں، اسی لئے ان کے نزدیک ضروری ہے کہ انہیں اسی سرچشمے سے محروم کردیا جائے-

کل برما میں قربانی پر پابندی عائد کردی گئی تھی، البتہ جس کا آغاز وزیراعظم اونو نے ہندوستانی وزیراعظم اور اونو کا سیاسی استاد جواہر لال نہرو کے اشارے پر کیا تھا، لیکن جنرل نیون کے دور حکومت

میں اشترا کی نظام کے تحت اس پر زیادہ سختی برتی گئی تھی، اور دنیا کے مسلمانوں سمیت دیگر آزاد اور جمہوری ممالک کو دھوکہ دینے کے لئے مذہبی آزادی کے مظاہرے کرتے ہوئے بعض شہروں اور قصبوں میں بہت محدود پیمانے پر قربانی کے لئے پرمٹ جاری کرنے کا اعلان کیا گیا تھا، مگر پرمٹ بھی رشوت سے لینا پڑتا تھا، پھر بھی عین قربانی کے وقت پولیس لوگوں کو تنگ کرتی تھی-

اسی طرح حج پر جانے کی ممانعت اور اسلامی لٹریچر اور قرآن کریم کی اشاعت پر پابندی لگادی گئی تھی، وقف وجائدادیں ضبط کرلی گئیں، ہزاروں مدارس، مکاتب، خانقاہیں بند کردی گئیں، اور اسلامی نام رکھنے والے طلبہ سے امتیاز برتا گیا، اور عالم اسلام کے مسلمانوں سے خط وکتابت کرنا، ملک کے اندر احیائے اسلام کی کوشش کرنا قانونًا جرم قرار دیا گیا، یوں تو سرزمین ارکان کے مسلمان ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں، ایک قصبہ سے دوسرے قصبہ تک حکومت کی اجازت کے بغیر آمدورفت نہیں کرسکتے تھے، پھر اسی قانون کی رو سے تبلیغی سفر پر زبردست پابندی لگادی گئی تھی، جس کی ایک نہیں بلکہ ہزاروں ایسی داستانیں ہیں جنہیں سنتے ہی آنکھوں میں آنسو آتے اور دل دہل جاتا ہے، یہ دل دوز واقعات اور دل شکن کہانیاں ہر ارکانی مسلمانوں کی زبان سے سنی جاسکتی ہیں، سرزمین ارکان میں جماعت تبلیغ اور مبلغین پر کیا حشر ہوگزرا اس کی تصویر کشی چند لفظوں میں نہیں کی جاسکتی، اس کے لئے کم سے کم ایک دفتر کی ضرورت ہوگی-

اشترا کی دور میں مسلمانوں کا معاشی بحران: یوں تو ایک طرف نیون نے ایک غیر فطری نظام برمی عوام پر مسلط کردیا، تو دوسری طرف مسلمانانِ ارکان اس غیر فطری نظام کی زد میں آنے کے علاوہ خصوصی طور پر نیون حکومت کی مسلم کش پالیسی کی زد میں بھی آگئے تھے، برما کے دوسرے عوام کے لئے صرف غیر فطری نظام زندگی یا نظام مادیت ومعیشت کی مصیبت تھی لیکن ارکانی مسلمانوں کے لئے یہ مصیبت دوگنا تھی، نیون نے اپنے خیال کے مطابق برمی عوام کی فلاح وبہبود کی خاطر یہی نظام چالو کردیا، اس کا مقصد برمی عوام کی تباہی اور بربادی نہ تھا، لیکن وہ بیچارہ کیا کرے؟ کہ دنیا کے نصف سے زیادہ حکام یا عوام کی طرح وہ بھی پاگل ہوگیا تھا اور ایک غیر فطری نظام کو خود بھی قبول کرلیا اور اپنے عوام کے لئے بھی لے آیا، لیکن اس کی نیت مسلمانوں کے متعلق پہلے سے خراب تھی، اس نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی یہ تہیہ کرلیا کہ

برما بھر سے اور خصوصا ارکان سے کسی بھی حربے اور پالیسی کے ذریعے مسلمانوں کو جلاوطن یا ختم کردیا جائے، یوں اصلاحات کے نام دے کر مسلمانوں کی زمینیں، صنعتیں، اورنجی تجارت قومی تحویل میں لے لی گئی، مسلمانانِ ارکان کی تمام مارکیٹ، بنک اور فصلیں تباہ اور برباد کردی گئیں، یاد رہے کہ مسلمانانِ ارکان اپنے وطن میں اس غیر فطری نظام کے تسلط سے پہلے تجارت اور زراعت پر قابض تھے، نتیجتًا وہ اقتصادی اور معاشی طور پر تباہ ہوگئے تھے، کئی ہزار افراد پر مشتمل دیہاتوں اور قصبوں میں صرف ایک ڈپو قائم کیا گیا تھا، جس کی نگرانی عموما غیر مسلم اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی کرتی تھی، جو مسلمانوں کو ہر وقت تنگ کرتی تھی، اور کبھی کبھار کھانے پینے اور روزمرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء سے بھی محروم کئے جاتے تھے، اور مسلمان مجبورًا یہ چیزیں غیر مسلموں سے بلیک مارکیٹ میں خریدتے تھے، ۱۹۶۲ء کے انقلاب کے فورا بعد ارکان میں ملازمتوں سے پانچ ہزار مسلمانوں کو برطرف کردیا گیا تھا، اور مسلمان تاجروں اور زمینداروں کی تمام جائدادیں قومیا کر مسلمانوں کو کنگال اور دیوالیہ کردیا گیا تھا، یوں مسلمانوں کو بھوک سے مارنے کے لئے روز نئے نئے اقدامات کئے جاتے تھے، اس کے علاوہ اس نے NATIONAL REGISTRATION CERTIFICATE کے نام سے مسلم خواتین کو ذلیل وخوار کرنے کی کوئی بھی کسر باقی نہ رکھی تھی۔

یہ ایک زبردست اور خوب صورت کھیل تھا، جس کا موجد جنرل نیون تھا، ہم اگلے گوشوارہ میں چند بڑے بڑے مظالم کے واقعات کا تذکرہ کردیتے ہیں، تاکہ آسانی سے یہ اندازہ کیا جاسکے کہ نیون حکومت کے دور میں ارکانی مسلمانوں پر کیا کچھ بیتا تھا، یہ صرف ۱۹۶۷ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک کے چند واقعات ہیں، ورنہ اس کے بعد بھی ہونے والے مظالم کی ایک طویل داستان ہے۔

(۱) اپریل ۱۹۶۷ء میں دو ہزار مسلمان بوسیدنگ سے نکالے گئے تھے۔

(۲) مئی ۱۹۶۷ء میں ایک ہزار چھ سو مسلمان اکیاب سے نکالے گئے تھے۔

(۳) جون ۱۹۶۷ء میں اکیاب کے قصبوں اور کیوکتو، ممبیا، مروہانگ وغیرہ سے تیرہ ہزار مسلمان نکالے گئے تھے۔

(۴) مئی ۱۹۷۳ء میں برمی فوجیوں نے ۲۸/ بے گناہ مسلمانوں کو قتل کردیا تھا۔

(۵) دسمبر ۱۹۷۴ء میں فوج نے دو سو خاندانوں کو دریا میں ڈبو دیا تھا۔

(۶) اپریل ۱۹۷۶ء میں کئی ہزار مسلمان خاندانوں کو بری حالت میں بنگلہ دیش کی طرف دھکیل دیا۔

(۷) اکتوبر ۱۹۷۵ء میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کی گئی تھیں۔

(۸) فروری ۱۹۷۷ء میں برما کی فوج، بحریہ، پولیس نے مسلمانوں کو ہلاک کرنا شروع کردیا تھا۔

اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں دنیا کو حیران اور پریشان کردینے والے مشہور مظالم ہوئے، ہم اگلی سطور میں الیاس انصاری کے حوالے سے ایک گوشوارہ پیش کرتے ہیں۔

جرائم	تقریبا	کیفیت
آبادیوں کی بربادی	۶۹۲	پورے خطے میں
جبری انخلاء	۱۰۰،۰۰۰	پورے خطے میں
قتل عام	۱،۰۰،۰۰۰	۱۹۴۲ء کے قتل عام میں جو بہت مشہور ہے
آتش زنی	۵۰۰۰	
زنا بالجبر	۱،۵۰۰	پورے خطے میں
قتل	۵،۰۰۰	پورے خطے میں
نظر بندی	۳۰،۰۰۰	اکثر بی ٹی ایف کے ہاتھوں اکثر منگڈو، بوسیدنگ، راسیدنگ۔
مساجد، مکاتب، مدارس کی تباہی	۶،۰۰	انسین، مولمین، پردم میں
مقدس کتابوں کی بے حرمتی	۲۰،۰۰۰	
وقف کی جائدادوں کی ضبطی	۲،۰۰۰	
سرکاری اداروں سے برطرفی	۱۰،۰۰۰	
لاپتہ	۲۰،۰۰۰	
بے روزگار	۱۵،۰۰۰۰	حکومت کا اعلان ہے کہ انہوں نے ملک چھوڑ دیا ہے

خون آلود فسادات: ۱۹۴۲ء سے لے کر سرزمین ارکان سے مسلمانوں کے پورے استیصال کرنے کے

لئے برمی درندوں نے مقامی بودھ مگھوں کے ذریعے سینکڑوں فسادات کرائے، چونکہ برمی اوباشوں کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس سرزمین سے مسلمانوں کے پورے استیصال کرکے بودھ مگھوں کو آہستہ آہستہ برمی قومیت میں ضم کرلیا جائے، ایک طرف برمی حکام کی چاہت یہی تھی اور ہے کہ مسلمانوں کے نام ونشان اس سرزمین میں نہ رہنے پائے تو دوسری طرف ان کی پوری کوشش اس میں بھی صرف ہورہی ہے کہ یہاں کے مگھ بودھوں کو برمی قومیت میں ضم کرکے مگھ نام کی قومیت کو دنیا کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل کردیا جائے۔

درحقیقت ہر قوم میں سمجھ دار اور دانشور افراد کے ساتھ ساتھ جاہل اور مفاد پرست افراد کی کمی نہیں ہوتی، اس کے علاوہ جذباتی قسم کے افراد سے کوئی قوم خالی نہیں ہوتی ہے، ویسے برمیوں نے مقامی بودھ مگھوں کے بعض انتہا پسند اور جذباتی قسم کے افراد کو ہر وقت چڑھا وادے کر ان کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف مختلف قسم کے فسادات کرائے ہیں۔جن کی تفصیل روہنگیا سالیڈاریٹی آرگنائزیشن کے مطابق کچھ یوں ہے:

شمارہ	متاثرہ علاقہ	سال
۱	اکیاب (دارالحکومت آف ارکان)	۱۹۶۷ء- ۱۹۷۶ء
۲	کیاکپرو	مارچ/ ۱۹۷۶ء
۳	سانڈوے	۱۹۷۸ء- ۱۹۸۴ء
۴	تونگو	مئی/ ۱۹۸۴ء
۵	گوا	مئی/ ۱۹۸۴ء
۶	رحمری	مارچ/ ۱۹۷۶ء
۷	راسیدنگ	۱۹۷۶ء-۱۹۷۸ء-۱۹۸۴ء-۱۹۸۵ء
۸	منگڈو	۱۹۶۷ء-۱۹۷۶ء-۱۹۷۸ء-۱۹۸۵ء
۹	چیڈوبا	مئی/ ۱۹۸۴ء

مکتوبہ گوشوارہ میں ۱۹۶۷ء سے لے کر ۱۹۸۵ء تک ان بڑے بڑے وقعات کا تذکرہ ہے جنھوں

نے کم سے کم پڑوسی ممالک کے مسلمانوں کی نظروں کو ان کی طرف پھرایا، ورنہ چھوٹے چھوٹے خون ریز حادثات اور بھی بہت سے ہیں، جن کی حد ہے نہ حساب، جن کی تفصیلات اگر لکھنی ہیں تو ایک موسوعہ قسم کی کوشش کرنی ہوگی، ورنہ احاطہ نہیں ہوگا-

۱۹۸۲ء کا قانونِ شہریت: یوں تو دنیا میں ایسے واقعات کی مثالیں بہت ہیں کہ فاتح قوم مفتوح قوم کی جائداد ومتاع، عزت وآبرو لوٹتی اور اسے غلام بناکر ان کے مال ومتاع سے اپنا پیٹ بھرتی اور اسے اپنی مرضی کے کام میں استعمال کرتی جاتی ہے، مگر ایسی مثال بہت کم دیکھنے میں آئی ہے کہ اجنبی دخلاء کسی ملک میں داخل ہوکر خود وہاں کے باشندوں کو ایسے کہتے ہوں کہ تم یہاں کے نہیں ہو، تم اس سرزمین سے چلے جاؤ، تمہارے یہاں کسی قسم کے حقوق نہیں ہیں، کیوں کہ تم یہاں گھس بیٹھے ہو۔

ویسے برمی درندے ارکان میں ناجائز طریقوں سے گھس کر ہمیشہ یہی بات کہتے رہے ہیں کہ ارکان کے مسلمان اجنبی ہیں، ان کے یہاں کسی قسم کے حقوق نہیں ہیں، اسی قسم کے بے شمار پروپیگنڈے مسلمانوں کے خلاف کئے گئے اور اب بھی کئے جارہے ہیں، جیسا کہ ۱۹۸۲ء میں مخصوص طور پر ارکانی مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچانے کے لئے ایک نام نہاد قانون لاگو کیا گیا، جس کے تحت برما کے کل شہریوں کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا-

(۱) NATIONALS (مکمل شہری)

(۲) ASSOCIATE(نیم شہری)

(۳) NATURALIZED (شہریت اختیار کرنے والے شہری)

اس حوالے سے جناب مولانا الیاس صاحب نے امپیک انٹرنیشنل کے حوالہ سے بہت خوب لکھا ہے کہ:

''اس کی دفعہ تین کے تحت جو کہ اس کے باب دوم میں درج ہے، تمام نسلی گروہ جو ۱۸۶۳ء سے پہلے برما میں آباد ہوئے تھے، انہیں برما کی شہریت دی گئی، اور انہیں NATIONALS کہا گیا، جو برطانوی نوآبادیاتی دور میں آباد ہوئے انہیں ASSOCIATE شہری کہا گیا بشرطیکہ انہوں نے ۱۹۴۸ء کی یونین سٹیزن شپ ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کروائی ہو اور جنہوں نے اس ایکٹ کے تحت رجسٹریشن نہیں کروائی تھی

یانہیں کروائی ہے انہیں ایسے شہری قرار دیا گیا جو قومیت اختیار کرنا چاہتے ہیں، اور انہیں NETURALIZED کا نام دیا گیا بقیہ تمام لوگ غیر ملکی قرار دیئے گئے، لیکن دفعہ ٦ ر کے مطابق اس بات کا فیصلہ کونسل آف اسٹیٹ کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ کسی نسلی گروہ کے بارے میں فیصلہ کرے کہ آیا وہ NATIONALS ہے یا ASSOCIATE ہے یا NATURALIZED ہے۔

اسی طرح انتہائی جانب دارانہ اور متعصّبانہ اور قابل مذمت قانون کے تحت روہنگیا مسلمانوں کو NATIONALS کا درجہ رکھنے والے شہریوں سے خارج کر دیا گیا تھا، اس کے لئے یہ دلیل دی گئی کہ وہ ۱۸۸۳ء سے بعد کے آبادکار ہیں حالانکہ روہنگیا ارکانی مسلمان صدیوں سے ارکان میں رہتے آرہے ہیں، اب اس بے بنیاد قانون کے ذریعے روہنگیاؤں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ خود کو NATURALIZED کے درجہ دلوانے کے لئے کونسل آف اسٹیٹ سے رجوع کر دیں، اس سازش کے پس پردہ یہ گھناؤنا مقصد کارفرما تھا کہ ارکانی مسلمان روہنگیاؤں کو غیر ملکی قرار دیا جائے اسی قانون کو اس قدر غیر ذمہ داری سے بنایا گیا ہے کہ اگر ارکانی مسلمان شہریت کی درخواست بھی دیں تو وہ کبھی بھی اس پیچیدہ طریقۂ کار کی شرائط پر پورا نہیں اتر سکیں گے، جو اس کے لئے اختیار کیا گیا ہے، مزید ستم یہ ہے کہ قانون NATURALIZED کو فوج اور منتخب حکومت بنانے کے حق سے محروم کرتا ہے انہیں جماعت سازی اور اقتصادی سرگرمیوں میں اپنے وجود کے اظہار کرنے کی شرکت سے محروم کرتا ہے''۔

اس ناجائز اور بربریت کے ثبوت دینے والے قانون کا نام دے کر اب تک لاکھوں مسلمانوں کو بے گھر کیا گیا ہے اور ہزاروں کو قید خانے کی اندھیری میں غرق کر کے اور ہزاروں کو دریا میں ڈبو کے، اور ہزاروں کو بے دردی سے قتل کر کے برمی حکام نے اپنی درندگی کا ثبوت دیا ہے، اور اس قانون کا نام دے کر ارکانی مسلمانوں کو ہر وقت ہراساں کیا جاتا ہے، آج بھی ارکانی مسلمانوں کو کہا جاتا ہے کہ تمہیں حکومت جس وقت بھی چاہی اس ملک سے باہر کر سکتی ہے یا قیدی بنا سکتی ہے، آج کل اس قانون کا نام لے کر ارکانی مسلمانوں کے علاوہ برمی مسلمانوں کو بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے، اس قانون کے در پردہ قومی عصبیت کے علاوہ اسلام دشمن فکر کام کر رہی ہے، برمی حکام کی بس خواہش یہی ہے کہ پورے ملک سے

کسی بھی دوسرے مذہب کو نکال کر اس ملک کو ایک بودھ ملک میں تبدیل کر دیا جائے، تاہم آج تک برمی حکام اس مقصد میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے، انشاءاللہ یہ امید کبھی بر نہ آئے گی۔اشتراکی دور میں ملک کی داخلی صورت حال: برما کی اشتراکی حکومت کا فکری اور عملی معمار جنرل نیون اپنے کو ایک آزمودہ سیاست دان اور تجربہ کار لیڈر اور دور اندیش قائد تصور کرتا تھا، لیکن رفتار زمانے سے یہ بالکل ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا سارا تجربہ برما کی سیاست اور ثقافت، معیشت اور معاشرت میں غلط اثرات مرتب کر چکا ہے، جس کے نتیجے میں عوام میں مایوسی، احساس کمتری، اداس پن، سماج میں غربت اور افلاس پیدا ہو کر ملک معاشی طور پر بالکل مفلوج اور دیوالیہ بن گیا ہے، برما دنیا میں کبھی امیر ترین اور ذی ثروت ملکوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن نیون کے بعد معاشی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا ہے، جس کے سبب سے برما نے خود کو دنیا کے غریب ترین ممالک میں شمار کرانے کے لئے اقوام متحدہ میں درخواست پیش کی اور ظاہر ہے کہ کسی بھی ملک کو غریب ترین ممالک کی فہرست میں شمار کرنے کے لئے دو بنیادی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(۱) غربت و افلاس۔

(۲) بچوں کی شرح اموات میں زبردست اضافہ۔

جس کے بعد اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ۴۲/ ویں نشستوں میں یہ طے ہوا کہ یہ ملک کبھی دنیا میں امیر ترین ممالک میں شمار ہوتا تھا، باوجود اس کے کہ برما میں وسائل بہت زیادہ ہیں پھر بھی ایشیا کے ممالک میں اس کا شمار غربت کے لحاظ سے ۱۱/ ویں نمبر پر ہے اور دنیا میں اکتالسویں نمبر پر، یہ برما کے لئے بڑی شرم کی بات ہے، اگر برما کے وسائل پر اندازہ لگایا جائے تو برما کو غریب ترین ممالک میں شمار کرنے کے لئے کوئی جواز نہیں نکلتا ہے۔

یوں تو تعلیم کے اعتبار سے برما میں ایسے تعلیم یافتہ افراد کی بہت کمی ہے جو ملکی ترقی میں ہاتھ بٹا سکیں، اندازے کے مطابق تعلیم یافتہ افراد بیس فیصد سے بھی کم تھے، ایک اور اندازہ کے مطابق ملک میں صرف ۱۰/ فیصد افراد کو شہری سہولتیں میسر تھیں، اور صرف سترہ فیصد عوام کو صاف پانی پینے کو ملتا تھا، ملک کی بڑی فصل چاول ہے، برآمد تو کجا سٹرکیں صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں چاول اچھی طرح تقسیم نہیں ہو سکتا تھا، حالانکہ کسی زمانے میں برما کی آمدن کا اسی فیصد حصہ چاول کی برآمد سے حاصل ہوتا تھا،

درحقیقت نیون اوراس کے چیلوں نے ملک کولوٹ کھایا، ملک ترقی کی طرف جائے یانہ جائے لیکن ان کی ذاتی ترقی کواور بھی یقینی بنانے کے لئے ملک میں طرح طرح کے پروپیگنڈے چلائے گئے تھے، باوجوداس کے کہ برما میں قدرتی ذخائر بڑے پیمانے پرموجود ہیں لیکن اس سے استفادہ کرنے کے لئے نیون حکومت نے کوئی بھی کام نہ کیا، برما میں بجلی، گیس، تیل اورخام تیل کے بے پناہ ذخائرموجود ہیں لیکن ان ساری چیزوں کوٹیکنیک نہ ہونے کی وجہ سے برآمد نہیں کیا جاسکا تھا، علاوہ ازیں قیمتی ہیروں اور موتیوں کی کانوں سے ملک بھراپڑا ہے، ادھرلکڑیوں اورساگوان کا کیا کہنا! لیکن برما کے قیمتی جنگلات پر مخالفین کے قبضے ہونے کی وجہ سے اس سے بھی اچھی طرح فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا، اور جنگلات کوکاٹ کاٹ کرباغیوں نے تھائی لینڈسمگل کیا تھا-

بعض صحافیوں کے مطابق خودرنگون کودیکھ کرایسا معلوم ہوتا کہ ہم ابھی اٹھارویں صدی کے ابتدائی دور سے گذررہے ہیں، سڑکوں میں جنگ عظیم میں بچی ہوئی بوسیدہ گاڑیوں، ہوٹلوں میں برتن بھی ملکہ وکٹوریہ کی یادگاروں اورکمروں میں لگے ہوئے رینگتے ہوئے پنکھوں سے ایسا لگتا تھا کہ اب ہم کسی عظیم میوزیم میں گلاریوں کا معاینہ کررہے ہیں-

عرض ملک کی معیشت کی حالت ابتر سے ابتر ہوگئی، تو جناب نیون کواپنا پرانہ مگرازمودہ نسخہ یاد آ گیا کہ اس نے پرانی کرنسی واپس لینے کا اعلان کیا، جسے وہ ۱۹۶۲ء سے ہردوسرے سال آزماتارہااور جس سے اپنی لولی لنگڑی معیشت کودوقدم آگے بڑھانے کی کوشش کرتا تھا، لیکن ۱۹۸۸ء میں اس پرانے نسخہ کا الٹا اثر ہوااور ملک بھرمیں ہڑتالیں ہوئیں، جس میں ہزاروں افراد مارے گئے تھے، اوراسی کے بعدعوام اورطلبہ نے نیون کے خلاف ایک مستحکم اورمؤثر اتحاد بنالیا، جس سے نیون بڑے خائف ہوکر ملک میں برما اورمسلم کا فتنہ اٹھایا تھا اوراپنے لالے پالے غنڈوں اور(BSPP) کے ممبروں کوسادہ لباس میں ملبوس کرکے ان کے ذریعے مسلمانوں کی درسگاہوں، مسجدوں اوربستیوں میں حملہ کرایا تھا، جنہوں نے مساجد کوشہیداور مدارس اوربستیوں کواجھاڑااورسینکڑوں مسلمانوں کوموت کی نیند سلادی، یہاں تک کہ مسلم خواتین کی عزت وآبرو سے لے کر بوڑھے بچے کوئی ان کے حملوں سے محفوظ نہ رہ پائے، نعوذباللہ من ذالک کہ قرآن حکیم کو پھاڑا، جلایا، اوراپنی ناپاک اورغلیظ جوتیوں سے روندا، مسلمان

تومسلمان برما کے ظالم حکمرانوں نے اپنے ہم مذہب شہریوں پربھی بڑے پیمانے پرظلم وتشدد کیا، حتی کہ کم سن طالبات کوپولیس اورملٹری فورس نے اجتماعی زنابالجبر کیا، جس سے سینکڑوں کم سن طالبات اپنی زندگی سے ہاتھ دھوبیٹھیں، جس کے بعد حکومت نے یونیورسٹیاں بند کردیں، مگراس کے بعداوربھی زبردست ہنگامہ ہوااورطلبہ نے آوازاٹھائی کہ طلبہ یونین کوکام کرنے کی اجازت دی جائے اورنیون فوراحکومت سے مستعفی ہوجائے، طلبہ اورعوام کے علاوہ بچوں اوربچیوں نے بھی مسلح فورسز کے سامنے کھڑے ہوکر ڈھٹ کرمقابلہ کیا، جس کے سبب سے بہت سے بچے مارے گئے تھے، امن وامان کی حالت جب قابوسے نکل چکی تو جنرل نیون نے ۲۳/جولائی/۱۹۸۸ء میں پارٹی کے جنرل کونسل کا اجلاس بلایا اوراپنا استعفی پیش کردیا اوراس عفریت کی جگہ اورایک اوباش کوپایۂ تخت کا مالک بنایا گیا، جسے صدرمملکت اور پارٹی کے چیرمن کا خطاب دیا گیا تھا-

نیون کی مسلسل جدوجہد: یہ ایک سورج کی طرح عیاں حقیقت ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فوجی ڈکٹیٹروں کی طرح نیون بھی ایک ڈکٹیٹر تھا، اوریہ بھی ظاہر ہے کہ ڈکٹیٹر برسراقتدار آتے ہی چاہتا ہے کہ ملک کے ہرشہری تمام داخلی اورخارجی مسائل کواسی کی عینک سے دیکھے، جس چیز کووہ حق سمجھتا ہے ملک کے دانشورطبقہ اس سے اختلاف نہ کرے، جسے وہ باطل جانتا ہے لوگ بھی اسے باطل کہنے لگ جائیں، اگرچہ اس کی خواہش ملی روایات، عوامی احساسات، پرانی اقدار کے خلاف کیوں نہ ہو- چونکہ ڈکٹیٹر کے ہاتھ میں ایسی طاقت آجاتی ہے جس سے لوگوں کے دلوں میں وہ خوف وہراس کی کیفیت طاری کرسکتا ہے، ان کے مال واسباب ہڑپ سکتا ہے، چاہے تو انہیں جیل خانے کی اندھیری میں غرق کر سکتا ہے، خوف ناک سزائیں دے سکتا ہے اور وہ طاقت کے سہارے سے اپنے خیالات اورنظریۂ حیات کے مطابق عوامی زندگی کوتبدیل کرکے رکھ دیتا ہے-

لیکن نیون ملک کے عوامی زندگی کوتبدیل کرنے میں اتنا کامیاب نہ ہوسکا جتنے فوج کواپنانے اور ان کے ذہن کواپنی فکروخیالات کے سانچے پرڈالنے میں کامیاب ہوا تھا، البتہ یہ الگ بات ہے کہ اس کی فکرونظر جواس نے دنیا کے دیگرملکوں سے مستعارلی تھی وہ بھی انسانیت کوچونکادینے والی تھی، بظاہر ایسی فکرونظررکھنے والے کودنیا میں چند برسوں کے لئے کامیاب نظرآتا ضرور ہے مگراس کے غلط نظریہ کی

وجہ سے برما اندر ہی اندر میں کھو کھلا ہوکر صرف نصف صدی کے اندر ساری دنیا کے سامنے رسوا ہوگیا ہے- نیون نے اپنی زندگی میں پورے ملک اور ساری اقلیتوں کی سالمیت اور خوشحالی کا خواب شاید دیکھا ہوگا، مگر اس نے اپنے پیش روؤں کی طرح برمی قوم اور فوج کی خوشحالی کو یقینی بنانے کی ایک طویل اور انتھک جدوجہد کی، جس میں اسے زبردست کامیاب کہا جاسکتا ہے، اس نے برما کی دوسری اقلیتوں کے مال ومتاع اور خصوصا مسلمانوں کی جائدادوں کو ہڑپ ہڑپ کر برمی قوم کو دے دیا تھا، اور برمی قوم کو ساری اقلیتوں کے اس وسیع وعریض سلطنت میں اعلی اور برتر بنانے کے لئے اس نے اپنی زندگی میں جان توڑ کوشش کی، سچ کہا جائے تو اس کی زندگی کا اصل مقصد اور نصب العین صرف برمی قوم کو اس وسیع وعریض چراگاہ میں چرا کر تروتازہ کرنا اور ملک کی دوسری اقلیت وقومیت کی سالمیت، حقوق، زندگی اور قومیت کو نگل لینا تھا، بس برمی لوگ پھولے پھلے اور دوسری قومیں صرف ان کی خدمت کرتی رہیں، اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوتا یا کم سے کم فوج کے ساتھ ساتھ اپنے عوام کی اکثریت کو بھی اس غلط فکر وخیالات کے سانچے میں ڈالنے میں کامیاب ہوجاتا تو دنیا کی تاریخ میں اور ایک عالمی فرعون، چنگیز، نپولین، ہٹلر کا اضافہ ہوگیا ہوتا، البتہ صرف ملک کی حدود تک اس نے کچھ کامیابیاں حاصل کیں، جس کا تصور ہٹلر اور چنگیز کی زندگی میں کیا جاسکتا ہے، ہٹلر نے یہودیوں پر جتنا ظلم ڈھایا، نیون کا استبداد بھی مسلمانوں پر اس سے کسی طرح کم نہ تھا-

فدائین محاذ (RPF) مہاجرین کی خدمات میں:

۱۹۷۸ء میں داخلی اختلافات اور خلفشاریوں کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) مالی اعتبار سے بہت ہی کم زور ہوچکی تھی، یوں ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں آنے والے مہاجرین کو کسی بھی اعتبار سے سنبھالا دینا اس کے بس کی بات نہ تھی، تاہم محمد جعفر حبیب کے حکم سے محاذ نے ایک کام یہ کیا کہ آنے والے مہاجرین کے ریلوں کو کسی قدر جانی مدد کے بطور ان کی رہنمائی کی، ان کو سہارا اور دلاسا دیا، اور جہاں جہاں ان کو ٹھہرانا تھا وہاں ان کو ٹھہرایا گیا، اس حوالے سے بنگلادیشی حکومت اور عوام نے بھی کافی تعاون اور مدد کی تھی۔

دوسری جانب روہنگیا فدائین محاذ نے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت میں ایک میڈیکل ٹیم تشکیل دی، جس نے ان مہاجرین کو مقدور بھر علاج ومعالجہ کا فریضہ انجام دیا، اس حوالے سے نہ صرف محمد جعفر حبیب کے ساتھ روہنگیا فدائین محاذ بلکہ ڈاکٹر محمد یونس باغگونوی صاحب بھی لائق تعریف ہیں، جنہوں نے ان مہاجرین کے علاج ومعالجہ اور معاینہ میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور ان مہاجرین کی خدمات پر دن رات کو ایک کردیا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ کی کوششوں کے نتیجے میں رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ سعودی عرب نے مریچہ پالنگ کے مقام پر ایک مستقل اور باضابطہ ہسپتال کی بنیاد رکھی، جو آج تک ماشاء اللہ جاری ہے، جس سے اس وقت بھی اور بعد میں بھی روہنگیا مسلمانوں کے علاوہ علاقہ باسیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا، اس حوالے سے میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی کی زبانی یہ بات سنی تھی کہ "یہ ہسپتال روہنگیا فدائین محاذ کی مسلسل کوشش سے روہنگیا مہاجرین کی تشخیص وعلاج کے لئے رابطہ نے کھولا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ روہنگیا مہاجرین کی واپسی کے بعد علاقے کے باشندوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اب بھی اٹھا رہے ہیں"۔

اس ہسپتال سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ اس سے چند روہنگیا مجاہدین اور غیر مجاہدین نے بھی میڈیکل تعلیم اور تربیت حاصل کی، جن میں میرے بہت سارے احباب بھی ہیں، جو روہنگیا مجاہدین ومہاجرین وغیرہ کے کام آئے اور اب بھی آرہے ہیں۔

عسکری اقدام کی ناکام کوشش:

اندرون ارکان میں ناگامن اپریشن (کنگ ڈراگون اپریشن) کی وجہ سے اندازے سے کہیں زیادہ روہنگیا مسلمانوں کی تباہی، ان کی لٹی پھٹی حالت میں بنگلادیش آمد، برمی درندوں اور مگھ شرپسندوں کے مسلسل مظالم نے عام روہنگیا مسلمانوں کے دلوں میں دینی غیرت، قومی حمیت اور ظالموں سے بدلہ لینے کی آگ کو مزید سلگا دیا تھا، لیکن ان عام روہنگیا مسلمانوں کو کیا اندازہ تھا اور کیا خبر تھی کہ ان کی واحد نمائندہ تنظیم "روہنگیا فدائین محاذ" کس مصیبت اور کس بلا کی شکار تھا، اس کے اندر کیا

کچھ چل رہا تھا، اس کے پاس قوت واستعداد کے حوالے کیا کچھ تھا، آیا اس کے لیڈروں کے مابین ہم آہنگی تھی یا اس کے برعکس ان کے مابین ذہنی انتشار، فکری دوری پیدا ہو چکی تھی؟ اس بے خبری کے عالم میں روہنگیا عوام کی امید بھری نظریں ان کی واحد نمائندہ تنظیم کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ ان کی اس مصیبت کی گھڑی میں روہنگیا فدائین محاذ ظالموں کے خلاف کوئی عملی اقدام کرے گی۔

دوسری طرف خود روہنگیا فدائین محاذ کے کچھ ناتجربہ کار، کام کی طبیعت سے بے خبر جوشیلے نوجوانوں نے مطالبہ پر مطالبہ شروع کر دیا کہ قوم کی اس بری حالت میں محاذ کی طرف سے لازمی طور پر عملی اقدامات ہونے چاہئے۔

تیسری طرف ''ارکان ہسٹریکل سوسائٹی'' جو اتنے دنوں تک اس قافلہ سخت جان کے لئے اپنے تن، من، دھن لٹا رہی تھی، وہ بھی کافی حرکت میں آگئی اور روہنگیا فدائین محاذ سے مطالبہ کر دیا کہ قوم کی اس المناک اور بری حالت میں روہنگیا فدائین محاذ کو عملی اقدام کرنا ضروری ہے، ورنہ تنظیم کس کام کے لئے ہے؟۔

ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب بڑے مخمصے میں پڑ گئے تھے، آپ کو تو اپنے علم وآگہی اور ماضی کے طویل تجربات کی بنیاد پر اندازہ تھا کہ عسکری اقدامات کس چیز کا نام ہیں، پھر بھی مسلسل دباؤ کے نتیجے میں آپ نے مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا، جس میں طول طویل مشورے ہوئے، مجاہدین کے فرنٹ لائن کمانڈر مونا محمد کبیر صاحب نے اپنے علم وآگہی، اپنے ماضی کے تجربات اور تنظیم کی قوت واستداد کو سامنے رکھتے ہوئے عسکری اقدامات کے حوالے سے میدان میں اترنے کی سخت مخالفت کی، یوں ایک باوثوق روایت کے مطابق محمد جعفر حبیب نے بھی مولانا محمد کبیر کی ہم نوئی کرتے ہوئے اپنی ذاتی تجاویز اس طرح رکھیں کہ:

۱۔ ظاہر ہے کہ تنظیم کے لیڈروں کے مابین ہم آہنگی کا شدید فقدان ہے، تنظیم ذہنی اور فکری طور پر داخلی خلفشار کی شکار ہے۔

۲۔ تنظیم فی الحال اتنی استعداد واستطاعت نہیں رکھتی، جس کی بنیاد پر کوئی عسکری اقدامات کئے جا سکیں، یوں بھی ان ٹوٹی پھوٹے اسلحہ جات کے بل بوتے پر ایک حیثیت سے طاقتور دشمن سے مقابلہ نہیں

کیا جا سکتا۔

۳۔ لیڈروں کے مابین پائے جانے والے عدم اعتماد کی فضا نے اسے کھوکھلا بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے بجٹ میں کوڑی تک جمع نہیں ہے، چوں کہ عسکری اقدامات کے اخراجات کے لئے ایک بڑی بجٹ کی ضرورت ہے، لیکن ہمارے ایسے حالات میں اس کی فراہمی بھی آسان نہیں۔

مذکورہ ان سارے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے محمد جعفر حبیب نے بحیثیت تنظیم کے صدر حکم کے بجائے یہ سفارش کی کہ:

''بھائیو! عسکری اقدامات کے حوالے سے فی الحال جذباتیات سے پرہیز کرتے ہوئے حقیقت پسندی سے کام لیا جائے، نرے جذبات سے مشکلات کو تو بلایا جا سکتا ہے لیکن کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا، ابھی سب سے پہلے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مابین پائی جانے والی قلبی دوری کو دور کرتے ہوئے قومی وملی یک جہتی کے جذبات کو فروغ دیا جائے، اب میری شفارش ہے کہ آپ حضرات صبر وثبات سے کام لیتے ہوئے تھوڑے انتظار کریں، اپنے اندر طاقت، استعدا اور صلاحیات پیدا کرنے کی کوششیں کیا کریں''۔

لیکن قومی ہمدردی اور ملی حمیت سے شرشار اکثر لیڈروں اور جوانان اسلام کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے، آخر کار ان کے جذبات کو دیکھ کر محمد جعفر حبیب نے فیصلہ دیا کہ ٹھیک ہے، سردست مجاہدین کے دو دستے میدان میں اتر جائیں، ویسے تھوری تیاری کے بعد دو دستے میدان میں اتار دیے گئے تھے۔

دونوں دستے میدان کارزار میں چند دن اپنی حد تک ہاتھ پیر مارنے کے بعد کسی بھی عملی اقدامات کئے بغیر دنگل سے واپس لوٹ آئے، بعد ازاں جن لیڈروں اور جوانوں نے مولانا محمد کبیر صاحب پر بزدل ہونے کا طعنہ دیا تھا انہیں سمجھ آ گیا کہ میدان کارزار میں اترنا کتنا آسان اور کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔

مولانا محمد کبیر کی محاذ سے علیحدگی:

ادھر مجاہدینِ ''روہنگیا فدائین محاذ'' کے دو دستے عسکری اقدامات کے حوالے سے اندرونِ وطن جا چکے تھے، ادھر محاذ کے اندر عدم اعتماد، انتشار اور ذہنی خلفشاریوں کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہو چکا تھا، بالآخر مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی اور آپ کے قریبی ساتھی وہم خیال جناب انعام اللہ کیلا دنگی نے محاذ سے علیحدگی اختیار کر لی اور انہوں نے چند دن کے بعد روہنگیا لبریشن فرنٹ (RLF) کے نام سے ایک علیحدہ تنظیم کا اعلان کر دیا، یاد رہے کہ یہاں سے روہنگیا فدائین محاذ کے عملی انتشار کی ابتدا ہوئی تھی، جس کا سہرا بہرحال مولانا محمد کبیر صاحب کا سر باندھا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد کبیر کی اس غیر دانشمندانہ حرکت کی وجہ سے محمد جعفر حبیب کو بڑا دکھ ہوا اور آپ کے دل میں بڑی تکلیف پہنچی، وہ اس لئے بھی ہے کہ مولانا محمد کبیر صاحب محمد جعفر حبیب کے دیرینہ اور قریبی ساتھی ہونے کے ساتھ ایک بے تکلف دوست بھی تھے، ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۸ء تک کے اس اٹھارہ سالہ طویل عرصے میں دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے، دونوں نے تین تین تنظیمیں روہنگیا یوتھ فیڈریشن (RYF) اور روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) پھر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں مل جل کر کام کئے، اس دوران دونوں تقریباً ہر کام میں ایک دوسرے کے شریک وسہیم تھے۔

جس طرح عرض کی جا چکی ہے کہ مولانا محمد کبیر محمد جعفر حبیب کے بڑے بے تکلف دوست تھے، ایک دوسرے کو ہر کہیں نام لے کر پکارا کرتے تھے، اگرچہ روہنگیا فدائین محاذ کے دوران مولانا نے محمد جعفر حبیب کے خلاف الزامات کے علاوہ طرح طرح کی سازش اور پروپیگنڈے کئے تھے، لیکن ہر حال میں محمد جعفر حبیب نے آپ کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ معاف بھی کر دیا تھا، مولانا قائد حبیب کے ساتھ کتنی بھی سختی سے پیش آتے لیکن محمد جعفر حبیب ہر حال میں اپنی شرافت ونجابت کے مظاہرے کرتے رہے تھے، کیوں کہ آپ مولانا کی علمی لیاقت واستعداد، فکری قابلیت اور طویل تجربات سے بخوبی واقف اور معترف تھے اور آپ جیسی ہستی کی ایک تنظیم میں موجودگی کو ہر حال میں باعثِ خیر سمجھا کرتے تھے، علاوہ ازیں محمد جعفر حبیب مولانا کے افتادِ طبع سے بھی بخوبی آگاہ تھے، یوں ان کے لئے مولانا کی آئے دن کے گلے شکوے کو سہنا آسان ہو چکا تھا، اس لئے بھی اب مولانا کا اس طرح روٹھ جانا محمد جعفر حبیب کے

لئے بڑی تکلیف کا باعث بن چکا تھا۔

مولانا نے روہنگیا فدائین محاذ اور اپنے دیرینہ دوست اور بے تکلف ساتھی سے اس طرح روٹھ کر کیا پایا اور کیا کھویا وہ تو ہمارے سامنے ہے، جس پر تبصرہ کرنا بھی اپنی جگہ ایک اہم ضرورت ہے، تاہم یہاں سر دست اتنی سی بات عرض ہے کہ آپ نے روہنگیا لبریشن فرنٹ کے اعلان کے معاً بعد حضرت مولانا عبد القدوس صاحب مظاہری (لیڈر ورہنما جمعیت علمائے ارکان) کے سامنے دوستی کا ہاتھ بڑھایا، بعد میں یہ دونوں حضرات خطیب اعظم حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے یہاں گئے، حضرت کو روہنگیا فدائین محاذ کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت نے سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات کا پورا پورا ثبوت دیا کہ ایسے حالات میں ایک امت کے عظیم اسلامی ومومن قائد کو کیا کرنا چاہئے۔

افسوس ہے کہ ۱۹۸۸ء میں روہنگیا لبریشن فرنٹ کے اعلان کے بعد مولانا محمد کبیر صاحب سے کچھ ایسی ایسی حرکات صادر ہوئیں جنہوں نے قومی زندگی کی تاریخ کو داغ دار بنا دیا، ویسے اس باب میں آپ کی ذات وشخصیت کو قوم کے ساتھ وفاداری اور بے وفائی کے تناظر میں مطالعہ کیا جانے لگا تھا، یوں اس حوالے سے میں بھی شرم وحیا سے چور اور کافی حد تک رنجور ہوں، خاکم بدہن وگستاخی معاف!۔

محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے کی دوسری کوشش:

مولانا محمد کبیر اور جناب انعام اللہ صاحب کی روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی کے بعد بقیہ اراکین عاملہ اور سرکردہ لیڈروں کے درمیان اختلافات کے شعلے بھڑک اٹھے، یہاں ہر کوئی تو ماشاء اللہ بے گناہ اور صاف وشفاف تھے، مگر ایک گنہگار تھے ان کی نظر میں، وہ تھے صرف اور صرف محمد جعفر حبیب، یہاں آپ پر ناروا الزامات کی بارشیں برسائی گئیں، آپ کے حوالے سے بدنامی اور دشنام طرازی کی ساری حدیں پار کی گئیں، عوام کی نظروں سے گرانے کی ہر چند کوششیں کی گئیں، لیکن آپ نے ہر حال میں صبر وثبات کا مظاہرہ کیا اور کبھی بھی اف تک نہیں کیا تھا۔

اب اختلافات کی تندی وتیزی کو دیکھ کر محمد جعفر حبیب نے روہنگیا مسلمانوں کے چار بزرگ ترین اور سن رسیدہ ہستیوں کے ہاتھوں پر تمام اختیارات سونپ دینے کا فیصلہ کیا، وہ ہستیاں یہ ہیں:

۱۔ اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی سابق برمی پارلیمنٹری سکریٹری۔

۲۔ حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔

۳۔ جناب (DEO) مظفر احمد صاحب خیر فاروی سابق ممبر آف ریاست ارکان کونسل۔

۴۔ جناب الحاج ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی۔

ہمارے ان قومی بزرگوں کی اس وقت کی سرگرمی اور کارکردگی کے حوالے سے دو قسم کے متضاد آراء پائی جاتی ہیں:

(الف) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان بزرگوں نے ہر چند کوشش کی تھی کہ روہنگیا فدائین محاذ کے نمایاں لیڈروں کے درمیان ہم آہنگی اور اعتماد بحال کیا جاسکے، لیکن ان کی ساری کوششیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

(ب) لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت ہمارے ان قومی بزرگوں نے اپنی قومی ذمے داری کو نبھانے میں قدرے تساہل یا پہلوتہی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس درمیانی مدت میں سب سے بڑے دکھ کی بات یہ ہوئی تھی کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغلونوی نے مجلس عاملہ کے تین اہم اور فعال اراکین:

۱۔ جناب حبیب الرحمٰن صاحب سائندہ فاروی۔

۲۔ جناب کمانڈر عبدالرحمٰن صاحب خائندہ فاروی۔

۳۔ جناب رشید احمد صاحب (کراٹے)

کو اپنا کران کے ذریعے محمد جعفر حبیب کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا تھا، لیکن اب بھی لطف کی بات یہ سامنے آئی کہ جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ہم خیالوں نے شاید ان کے اشارے پر ہو کہ اگلے ممکنہ صدر کے لئے آں جناب کا نام پیش کیا تو مخالفین کی صف میں اختلاف رونما ہوگیا، جس کی وجہ سے محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے یا آپ کو بزور طاقت مستعفی کرنے کی ساری کوشش ناکام ہوگئی، یاد رہے کہ اس دوران مولانا محمد کبیر اور سید عالم صاحب کو ناکردہ جرم کی پاداش میں بنگلا دیشی حکومت نے حراست میں لے رکھا تھا۔

محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے کی تیسری کوشش:

۱۹۷۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی ہجرت نے پوری دنیا میں ہلچل مچادی تھی اور جس نے پوری دنیا کی نظروں کو روہنگیا مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کی طرف متوجہ کردیا تھا، ویسے یہاں کے حالات نے ہمارے ایک دردمند اور روشن ضمیر وخیال دانشور جناب الحاج امام حسین داروغہ شقدار فاروی کے دل ودماغ کو شدید متاثر کیا، دراں حالیکہ وہ ولایات متحدہ امریکہ میں خوش حال اور ایک اعلی سرکاری عہدے پر فائز تھے۔

جناب امام حسین صاحب کی پیدائش شقدار فارہ منگڈو میں ایک معزز خاندان میں ہوئی، ابتدائی، متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم علاقے میں پاکر رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ڈگری حاصل کی، اس کے بعد آپ امریکہ پہنچے اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعبہ فلکیات کے مشہور ومعروف ادارہ ''ناسا'' میں نوکری حاصل کرلی، جس میں عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے تھے۔

۱۹۷۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات موت وزیست نے آپ کو مجبور کیا کہ میدان میں اتر کر قومی ذمے داری اور دینی فرائض انجام دیے جائیں، یوں آپ امریکہ سے براہ سعودی عرب بنگلا دیش پہنچے اور روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہوگئے، اس حوالے سے آپ نے ایک بیان میں کہا کہ:

''ہم نے دنیا میں دولت، شہرت اور عزت بہت کمائی ہے، لیکن ان تمام چیزوں سے میرے دل کی تسکین نہیں ہوسکی، اب ہم اپنی زندگی کے آخری مراحل میں ملت وقوم کے کام آنا چاہتے ہیں، خدا معلوم ہماری تقدیر میں کیا لکھا جاچکا ہے؟ اور خدا کرے کہ ہم ملت وقوم کے کام آسکیں''۔

اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جناب امام حسین صاحب ایک دل دردمند اور فکر ارمند کے مالک دانشور رہے تھے، دین داری اور پرہیز گاری کے علاوہ آپ کی قومی ہمدردی کی بات بہت ہی مشہور ہے، جناب ماسٹر ابوالفیاض جیلانی کے بیان کے مطابق آپ ذہین تو تھے ہی، اس کے ساتھ عنفوان شباب سے ہی آپ کے اندر حد درجہ کی قومی ہمدردی اور دینی حمیت وغیرت دیکھی گئی تھی۔

۱۹۷۸ء میں آپ امریکہ کے عیش وآرام کو چھوڑ کے بڑے کشادہ دلی کے ساتھ یہاں آئے ہوئے

تھے،لیکن چنددن گزرتے نہ گزرتے یہاں والوں کی داخلی سیاست کےبھنور میں بری طرح پھنس چکے تھے، یہاں آپ کی تشریف آوری نے روہنگیا فدائین محاذ کےبعض اعلیٰ ممبروں کے دل موہ لئے تھے،اور آوازاٹھی یااٹھائی گئی تھی کہ روہنگیا فدائین محاذ کے منصب قیادت آپ کوسونپ دیا جائے، ورنہ معاملہ مزید بگڑ جائے گا۔

محترم جناب نورالاسلام اورمحترم ڈاکٹرمحمد یونس صاحب اوران کےہمنوااورہم خیال حضرات اس بات پرڈٹ گئے تھے کہ ہر قیمت پرمنصب قیادت امام حسین کا حوالہ کیا جائے،لیکن محمد جعفرحبیب کو چاہنے والےکسی بھی قیمت میں امام حسین جیسےاس میدان میں نوآوردہ انسان کے ہاتھ پرزمام قیادت دینامناسب نہیں سمجھ رہے تھے۔

آخرکارمعاملہ یہاں تک پہنچا تھا کہ جناب امام حسین کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں، روہنگیا فدائین محاذ کےاندر سےایک گروپ نے ان پرلعنت وملامت کی بوچھارکرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ''امام حسین صاحب ہی اب کی بار کے فتنے وفسادکا جڑ ہیں،انہیں ہرحال میں یہاں سے باہر کردیا جائے، ورنہ معاملہ اوربھی خراب ہونے کا شدیداندیشہ ہے''۔

لیکن ایسےحالات میں بھی محمد جعفرحبیب کی زبان سے جناب امام حسین کےخلاف کوئی حرف غلط صادرنہیں ہونا تو دورکی بات بلکہ آپ نے بڑےصبروتحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے ماحول کوپر سکون رکھنے کی کوشش کی،صرف یہی نہیں بلکہ جن لوگوں نے جناب امام حسین کے خلاف ہرزہ سرائی کی تھی ان سے کہا کہ'' آپ حضرات امام حسین صاحب کےخلاف نازیباالفاظ نکالنے سےگریز کریں،اور جہاں تک میں جانتاہوں کہ وہ ایک مخلص اورکام کے رسیاانسان ہیں،شاید یہاں ان کے نام پر بلیک میلنگ ہورہی ہو''۔

اب اختلافات کے وسیع وعریض خلیج اورآئے دن ہونے والی افراتفری کودیکھتے ہوئے چند بڑے بڑوں نےمحمد جعفرحبیب کومشورہ دیا تھا کہ سردست مناسب یہی لگتا ہے کہ زمام قیادت جناب امام حسین کا حوالہ کردیا جائے،جس پرخوشی خوشی سے محمد جعفرحبیب نے رضامندی کا اظہار کردیا تھا، چنانچہ اس حوالہ سے جناب عبدالغفارصاحب نکھوروی لکھتے ہیں کہ:

''میں نے خود جناب محمد جعفرحبیب کومشورہ دیا تھا کہ آج تک دنیاروہنگیا مسلمانوں کے حالات زاراورمصیبت وآزمائش کے خلاف اٹھ کھڑی ہونے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ سے واقف ہوچکی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وقت اور حالات کے پیش نظر آپ کوکچھ دن آرام کرنا چاہئے، آپ سے میرامشورہ یہی ہے کہ آپ امام حسین کو قیادت کا لگام حوالہ کردیں،موصوف کومیرایہ مشورہ پسندآیا تھا، مجھےان کے ساتھ امام حسین کے پاس لےگیااوران سے کہا کہ آپ میرے بھی ایک مربی ہیں،قوم کوآپ پراعتماد ہے،اب میری خواہش یہی ہے کہ آپ روہنگیافدائین محاذ کا لگام ہاتھ لیں اور مجھے آرام کرنے کی اجازت دیں، امام حسین نے جواب میں جھٹ سے کہہ دیا کہ میں تو صرف روہنگیا فدائین محاذ کوتعاون کرنے آیااورصدارت ولیڈرشپ ہاتھ لینےنہیں آیاہوں ، پھرمحمد جعفرحبیب نے کہا کہ یہاں آپ کے نام کی خرید وفروخت ہورہی ہیں، جب کہ آپ منصب قیادت سے معذرت کررہے ہیں، جواب میں امام صاحب نے کہا کہ وہ لوگ خیالات کا گھوڑا دوڑارہے ہوں گے، بالآخروہ قیادت اپنے ہاتھ لینے کوراضی نہ ہوئے اورخودمحنت ومشقت کرکے چنددن کےاندرروہنگیافدائین محاذ کےایک دستورالعمل کا مسودہ تیارکرکے چلے گئے''۔

ظاہر ہے کہ اس وقت یہاں جناب امام حسین صاحب کے نام پرگھناؤنا کھیل کھیلا گیا تھا، جب کہ وہ اس قسم کے کھیل سے بڑے ناراض تھے، بہرحال آپ نے روہنگیافدائین محاذ کے دستورالعمل مرتب کرنے کے بعدمحمد جعفرحبیب کومشورہ دیا کہ اب اس دستور کے مطابق کانگرس بلایا جائے، پھرمزید کہا کہ وہ روہنگیافدائین محاذ کے چندحضرات کوعالم اسلام کے دورہ پرلے جائیں گے بشرطیکہ کانگرس اس پرراضی ہواورمنظوری مل جائے۔

محمد جعفرحبیب نے اس دستور کے مطابق ۲۷/اگست ۱۹۷۸ء کومعسکر میں کانگرس کا اجلاس بلایا، جس میں اٹھارہ اراکین نے حاضری کی رسم ادا کی،جس میں ہرایک رکن کی خدمات کا جائزہ کے ساتھ مذکورہ دستورالعمل کوتھوڑےاضافہ وترمیم کرکے پاس کرلیا گیا تھا۔

۲۹/ آگست/ ۱۹۷۸ء میں منصب صدارت کے حوالے سے رائے لی گئی تو بھاری اکثریت کی رائے سے محمد جعفر حبیب اگلے تین سال کے لئے صدر منتخب ہوئے، اب صدر نے اراکین عاملہ کے اسمائے گرامی سامنے لائے تو کانگرس نے اس کی بھی منظوری دے دی تھی۔

جناب محترم نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہم خیالوں کی تمنا تھی کہ عہدۂ صدارت سے محمد جعفر حبیب کو ہٹا کر آپ کہ جگہ امام حسین صاحب کو لایا جائے، لیکن امام حسین صاحب کی امریکہ واپسی کی وجہ سے ان کی آرزو دھری کی دھری رہ گئی، اب ان کی یہی امید تھی کہ اب کی بار شاید کانگرس محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے ہٹا کر کسی اور ایک کو عہدۂ صدارت پر فائز کرے گا، لیکن اب کی بار ان کی یہی امید بھی بھر نہیں آئی، یوں کانگرس کے اجلاس کے اختتام کے بعد جناب نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور ان دونوں کے سارے ہم خیال روہنگیا فدائین محاذ سے نکل بھاگے، اور اس کے چند دن بعد انہوں نے ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) نامی ایک تنظیم کا اعلان کر دیا، جس نے آگے چل کر روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں سدھار:

اڈووکٹ محترم نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ کی روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے علیحدگی کے بعد محاذ نے دوبارہ مجلش شوری (کانگرس) کا اجلاس بلایا، جس میں حالات حاضرہ پر طویل مذاکرات ہوئے اور تنظیم کے داخلی امور پر خاصی گفت وشنید کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ مجلس عاملہ کی دوبارہ تشکیل دی جائے، چنانچہ دستور آساسی کے مطابق صدر کے انتخاب پر رائے لی گئی تو اب بھی محمد جعفر حبیب بھاری اکثریت کی رائے سے صدر منتخب ہوئے، اس کے بعد مجلس عاملہ کی تشکیل ہوئی تو درج ذیل نو اراکین پر مشتمل عاملہ کمیٹی سامنے آئی:

۱۔ محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی: صدر۔
۲۔ جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی: نائب صدر۔
۳۔ جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب دھودائنگی: جنرل سکریٹری۔

۴۔ جناب یونس احمد صاحب پیر خالوی: رکن مجلس عاملہ۔
۵۔ جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی: رکن مجلس عاملہ۔
۶۔ جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی: رکن مجلس عاملہ۔
۷۔ حضرت مولانا محمد سعید صاحب تمبر ووی: رکن مجلس عاملہ۔
۸۔ جناب رواسوگری سجاد حسین صاحب کوانچی بنگی: رکن مجلس عاملہ۔
۹۔ جناب محمد عالم صاحب: رکن مجلس عاملہ۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) جناب نورالاسلام وغیرہ کی علیحدگی کے بعد بظاہر ایک طرف رجال کار کے حوالے سے قدرے کم زور ہوگئی تھی، لیکن دوسری طرف باہمی تناؤ اور رسہ کشی ختم ہونے کی وجہ سے طاقتور ہو چکی تھی، اب کی مجلس عاملہ اور مجلس شوری/ روہنگیا نیشنل کانگرس (RNC) اور مجاہدین کے درمیان کسی بھی قسم کی دورائے اور اختلافات نہیں تھے، ویسے چند قابل قدر ساتھیوں کی مسلسل کوششوں کے ساتھ محمد جعفر حبیب کے اخلاص وللّٰہیت اور انتھک محنت اور جدوجہد کے نتیجے میں قافلۂ سخت جان اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو چکا تھا، مجلس عاملہ، شوری اور مجاہدین نے تنظیم کی ترقی اور کامیابی کے لئے دن رات کو ایک کر دیا تھا۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جناب شبیر حسین فوئما لوی صاحب نے پچھلے اختلافات کے دوران اپنے آپ کو تنظیم سے قسما علیحدہ رکھا تھا، لیکن اب تنظیم میں سدھار آیا تو محمد جعفر حبیب نے ان کو تنظیم میں بلا کر چیف آف اسٹاف کے عہدہ پر فائز کر دیا، شبیر صاحب کی شمولیت کی وجہ سے تنظیم کافی طاقتور ہوگئی تھی۔

۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) نے بڑی بڑی سیاسی اور انقلابی کامیابیاں حاصل کیں، اس دوران اگرچہ تنظیم سے بچھڑ جانے والوں نے بھی ایک علیحدہ محاذ قائم کر لیا تھا، لیکن ان بچھڑنے والوں کی پیہم مخالفت بلکہ کسی حد تک مسلسل دشمنیوں کے باوجود روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لیڈروں اور جان نثاروں کی راہ روکی نہیں جا سکی تھی، ویسے جوں جوں وقت گزرتا گیا محاذ ترقی کی طرف گامزن ہوتی گئی تھی، جس کی تفصیلات اگلی سطور میں نظر آئیں گی۔

ار پی ایف کے مطالبات:

(۱) بنیادی حقوق اور انسان کی فطری آزادی کی بحالی۔

(۲) پرامن اجتماع کے اختیار کے علاوہ مذہب، ضمیر، تہذیب وثقافت کی آزادی۔

(۳) جان اور مال کے تحفظ کی ضمانت۔

(۴) ملک کی حدود کے اندر چلنے پھرنے کی مکمل آزادی، اور بود وباش پر نافذ کردہ پابندیوں کی تنسیخ۔

(۵) ظالمانہ گرفتاری کے شکار ہو جانے سے بے خوفی، عدل وانصاف کے نام سے فریب دہی کا ازالہ، جائداد کی ضبطی اور اقرباء کو بیہودہ پریشان کرنے سے نجات۔

(۶) شخصی، خانگی اور خاندانی زندگی کا احترام، خط وکتابت اور مراسلات میں بے جا مداخلت سے گریز۔

(۷) مذہب، زبان، نسل، سیاسی یا غیر سیاسی نظریہ، قومی یا سماجی اصلیت، کسی اقلیت سے میل جول، جائداد، ولادت یا کسی اور حیثیت کی آزادی اور حقوق سے مستفید ہونے پر لگائی گئی پابندی سے مکمل رہائی۔

(۸) تمام معاملات میں عدل ومساوات، فطری اور قدرتی مصائب اور مشکلات اور ہنگامی حالات میں جب جان اور مال خطرے میں ہوں تو حکومت کی طرف سے ملنے والے تعاون اور امداد کی تقسیم میں مساوات۔

(۹) اظہار رائے اور فکر ونظر کی آزادی، خصوصا اطلاعات اور فکری لین دین میں ملکی حدود کا قید نہ ہو، اور نہ ہی ان معاملات میں حکام کی مداخلت ہو۔

(۱۰) وقتی اور نسلی امتیازات جیسے غلط نظرئے کا مکمل قلع قمع، نسلی تفوق کو فروغ دینے والے طریق کار کا انسداد، عوام میں نسلی منافرت پیدا ہونے والے قول وعمل کی روک تھام، نسلی امتیازات کو ہوا دینے والی قوتوں پر مکمل پابندی۔

(۱۱) بودھ قوم پرست، رجعت پسند، انتہا پسند جماعت کی ایسی قولی اور عملی کاروائیوں کا انسداد، جن کے ذریعے نسلی تفوق، تفرقہ، منافرت، قتل عام اور دیگر خلاف انسانیت اعمال کے رواج پانے کا امکان ہو۔

(۱۲) عزت اور نیک نامی کی بقا، غیر جانب دار اور آزاد عدلیہ کے ذریعے حقوق کی حفاظت۔

(۱۳) حق رائے دہی اور انتخابات میں آزادانہ حصہ لینے کا اختیار۔

(۱۴) ملک کے اندر اور باہر قوانین نافذ کرنے والے سرکاری ملازموں اور عام بودھ مذہب والے برمی

شہریوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف متعصّبانہ، خودغرضانہ، معاندانہ، وحشیانہ، گمراہ کن اور بے بنیاد پروپیگنڈے نہ ہونے کی ضمانت۔

(۱۵) بنیادی انسانی حقوق اور آزادی کے خلاف سازش نہ ہو پانے کا موثر اقدام اور انتظام، اگر کوئی مظلوم اس قسم کے مظالم کا شکار ہو تو اس کو مناسب اور معقول معاوضہ دینے کا قانونی بندوبست۔

(۱۶) مسلمان خواتین کو بزور بازو نہ لے جانے اور ان کی عصمت دری اور ناموس سے ہولی نہ کھیلنے اور ان کو قتل نہ کرنے کی ضمانت۔

(۱۷) ہر شہری کے لئے بلا امتیاز مذہب وملت برابر تعلیم حاصل کر پانے کا استحقاق۔

(۱۸) مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں، دیوانی ہو یا دفاعی بلا تفریق وترجیح مناسب حصہ۔

(۱۹) مساوی طور پر عمل کے مواقع، پسند کی ملازمت اختیار کرنے پر پابندی سے گریز، مناسب وموافق اجرت یا معاوضہ پانے کا حق، یونین اور جمعیت سازی میں شرکت کی آزادی، جبری محنت لینے سے مکمل اجتناب۔

(۲۰) سیاسی، معاشی، معاشرتی تحفظ۔

(۲۱) مساوی طور پر قوانین کی حفاظت۔

(۲۲) اجتماعی اور ثقافتی امور میں تعاون کی ترقی مختلف فرقوں میں مفاہمت اور ان کے درمیان مکمل سمجھوتہ۔

۱۹۴۷ء میں محمد جعفر حسین قوال صاحب کی قیادت میں ارکان کی مسلم تحریک جو اٹھی اس کا مطالبہ شمالی مغربی ارکان کو مرکز کے تحت ''خود مختار ریاست'' بنانے کا تھا، اسی طرح محمد قاسم راجا اور محمد جعفر ثانی کا بھی وہی مطالبہ رہا، لیکن روہنگیا فدائین محاذ نے اس مطالبہ میں تبدیلی لائی تھی، جس کا مطالبہ ''حق خودارادیت'' تھا، جسے ار پی ایف کے منشور میں دیکھا گیا ہے۔

حافظ حامد حسین اور محمد جعفر حبیب کے مابین تعلقات:

اس سے پہلے کہ حضرت مولانا حافظ حامد حسین آل نبیو صاحب گودام فاروی بوسیدنگی اور محمد جعفر حبیب کے تعلقات اور ان کی نوعیت پر کچھ لکھا جائے، ضروری ہے کہ حافظ صاحب مرحوم پر کچھ خامہ فرسائی کی جائے۔

حافظ حامد حسین آل نبیو جنوبی بوسیدنگ کی مردم خیز بستی گودام فارہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب نور احمد صاحب ایک دین دار، پرہیزگار اور علماء دوست بزرگ تھے (یاد رہے کہ نور احمد صاحب مرحوم میرے نانا جناب مفضل احمد صاحب کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے، اسی اعتبار سے مولانا حافظ حامد حسین میرا ماموں لگتے ہیں) اور آپ کی والدہ بھی ہمارے بزرگوں کے بیان کے مطابق ایک نیک سیرت اور بلند اخلاق والی خاتون تھی، نیکی، سچائی اور سادگی کے حوالے سے یہ دونوں بزرگ بستی میں کافی شہرت کے حامل تھے۔

حافظ صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے مکتب میں ہوئی، قرآن کریم کا ناظرہ مکتب میں ختم کیا، کچھ بڑے ہوئے تو مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ میں داخلہ لیا، یوں ابتدائیہ اور متوسطہ کی دینی تعلیم آپ نے اس درسگاہ میں پائی، حافظ صاحب غضب کے ذہین تھے، آپ کی ذہانت کی شہرت آپ کے طالب علمی کے زمانے میں عام ہو چکی تھی، اس حوالے سے مشہور ہے کہ انہوں نے متوسطہ کی تعلیم کے دوران قرآن کریم کا مکمل حفظ کرلیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ برمیز وانگریزی میں مٹرک کا امتحان بھی بڑے شاندار نمبرات کے ساتھ پاس کرلیا تھا، جو بظاہر ایک انہونی سی بات لگتی ہے، جس کے بعد لوگوں میں آپ یہاں تک مشہور ہو چکے تھے کہ آپ انسان نہیں ایک جن کا بچہ ہیں، میں نے اپنے بچپن میں آپ کی ذہانت کی خاصی باتیں سن رکھی تھیں، طوالت کا خوف ہے، ورنہ یہاں ضرور لائی جاتیں۔

اس کے بعد حافظ صاحب جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں داخل ہوئے، یہاں سے آپ نے جلالین، مشکوۃ المصابیح اور فقہ میں ہدایہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اعلی تعلیم کی نیت سے مغربی پاکستان پہنچے، مشہور روایت کے مطابق جہاں آپ نے ایک دینی درسگاہ میں داخلہ تو لیا تھا، لیکن تعلیم مکمل نہیں کرسکی تھی، تاہم وہاں آپ نے اردو، عربی، انگریزی زبانوں کے علاوہ ہندی میں بھی

کافی مہارت حاصل کرلی۔

فراغت کے بعد آپ نے قومی کاموں کے میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا، اس حوالے سے آپ نے پاکستان میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے ارباب فکر سے مشورہ کیا، بالآخر ۱۹۷۵ء میں برمیز مسلم آرگنائزیشن (BMO) کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، جس میں آپ ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۷ء تک جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز رہے۔

اس دوران حافظ صاحب نے وہاں قوم کے ارباب فکر و دانش کو اپنی تنظیم کے پرچم تلے جمع کرنے کی کوششیں کیں، پھر قومی کاز کے سلسلے میں ۱۹۷۶ء کے دوران مغربی پاکستان سے براہ بنگلا دیش ارکان آئے تھے، اور اندرون وطن کا طویل دورہ کیا تھا، آپ اپنے علاقے گودام فارہ، سندی فرانگ، یونگ چنگ اور فوئما لی گئے، دراں حالیکہ میں مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ میں زیر تعلیم تھا، حافظ صاحب نے چندروز میری حقیقی خالہ گلہار وز کے گھر میں قیام کیا تھا، میرے خالو جناب فضل احمد صاحب نے آپ کو گھر کے تہ خانے میں چھپا رکھا تھا، اور گھر والوں کو حکم دیا گیا کہ اگر حافظ صاحب کے متعلق کوئی پوچھے تو کوئی جواب نہیں دیا جائے، اس دوران راقم سطور سے آپ کی ملاقات ہوگئی تھی، حافظ صاحب دن میں گھر چھپے رہتے اور رات کو اپنے کام کو چلے جاتے تھے، ویسے عرصہ دراز تک مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ، مدرسہ محی العلوم یونگ چنگ اور مدرسہ مدینۃ العلوم فوئما لی کے علماء کے علاوہ علاقے کے دیگر علمائے کرام سے مشورے کرتے رہے تھے، ایک وقت حکومت کو آپ کی آمد ورفت کا صحیح صحیح علم ہوا تو میرے خالہ کے گھر کی تلاشی لی گئی تھی، لیکن خدا کا فیصلہ تھا اس دن آپ گھر میں نہیں تھے، یوں آپ کی جان بچ گئی۔

حافظ صاحب کے اس دورے کے بعد معلوم ہو کہ ارکان کے علمائے کرام کی طرف سے انقلاب کے حوالے سے مثبت جواب نہ پا کر آپ خاصے مایوس ہوئے بنگلا دیش چلے گئے، وہاں سے بھی کچھ دن کے بعد مایوسی کے عالم میں پاکستان کی راہ لی۔

۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۷ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ اور برمیز مسلم آرگنائزیشن (BMO) کے مابین خوش گوار تعلقات تھے، جن میں ایک طرف محمد جعفر حبیب تو دوسری

طرف حافظ حامد حسین کے مابین کے روابط کارفرما تھے، جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ حافظ صاحب محترم محمد جعفر حبیب کے بڑے عقیدت مند تھے، محمد جعفر حبیب کے کاغذات کی فائل میں راقم کو حافظ صاحب کے چند خطوط ملے، جن سے ایک طرف برمیز مسلم آرگنائزیشن کی طرف سے روہنگیا فدائین محاذ کو تعاون کئے جانے کا پتہ ملا تو دوسری طرف اس بات کا بھی پتہ چلا کہ حافظ صاحب کی خواہش تھی کہ روہنگیا فدائین محاذ انقلابی میدان میں کام سرانجام دے جب کہ برمیز مسلم آرگنائزیشن سیاسی اور ڈپلومیٹک میدانوں میں قومی فریضہ انجام دینے کے ساتھ محاذ کو مالی تعاون کرے۔

برمیز مسلم آرگنائزیشن کے صدر اگر چہ کراچی میں مقیم مولانا عبدالسلام نامی ایک بزرگ تھے، لیکن اس کی روح رواں حافظ حامد حسین ہی متصور تھے، برمیز مسلم آرگنائزیشن نے کراچی کو مرکز بنا کر نمایاں خدمات انجام دیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ برمیز مسلم آرگنائزیشن نے ممکنہ ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے برمی مسلمانوں کے عموماً اور ارکانی مسلمانوں کے خصوصاً حالات اوران پر ہونے والے مظالم سے دنیا کو آگاہ کیا تھا۔

۲۔ برمیز مسلم آرگنائزیشن نے دنیا کے امن پسند ممالک اور بطور خاص پاکستان اور عالم اسلامی سے درخواست کی تھی کہ ارکان اور برما کے مسلمانوں کی مدد کی جائے، اسی طرح انسانیت سے ہمدردی رکھنے والی تنظیموں اور فورموں سے بھی تعاون وامداد کی اپیل کی تھی۔

۳۔ برمیز مسلم آرگنائزیشن نے اقوام متحدہ سے درخواست کی تھی کہ وہ ارکانی مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے، ساتھ ہی ساتھ اپیل کی تھی کہ یہاں کے مسلمانوں کی حمایت اور تعاون کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

کہتے ہیں کہ برمیز مسلم آرگنائزیشن کی روح رواں مولانا حافظ حامد حسین ایک غضب کے ذہین و فطین ہونے کے ساتھ بڑے بالغ نظر اور دل دردمند سیاست دان تھے، قوم کے بعض اہل نظر کو آپ کی ذات سے بڑی امید تھی کہ وہ قومی مفاد کے حوالے سے کچھ کرسکیں گے، لیکن مسلسل مایوسی اور پے درپے ناکامی نے ان کو نڈھال بنا چھوڑا تھا، ویسے آپ نے ایک طویل مدت تک خاموشی کے عالم میں زندگی بسر کی اور کراچی میں انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جمعیت علماء اور روہنگیا فدائین محاذ:

برطانوی دورِ حکومت میں سرزمین میں ارکان اور برما میں بہت سارے مسلم دانشوران حکومت کے عہدوں میں فائز تھے، جن میں سے چند حضرات برطانوی برمی حکومت کے کلیدی عہدوں میں بھی تھے، جیسا کہ بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (سابق مرکزی وزیر برائے امور صحت حکومت برما) اور مسٹر عبداللطیف وغیرہ، چونکہ برطانوی حکومت کے عہدے داروں پر سیاست گویا حرام تھی، اسی لئے ارکان کے چوٹی کے مسلم قائدین جو حکومت کے وظیفہ خوار ہونے کی وجہ سے سیاسی سرگرمیوں میں قانونی طور پر کھل کر حصہ نہیں لے سکتے تھے، یہ دیکھ کر سرزمین ارکان کے چند دوراندیش علماء نے جمعیت علماء شمالی ارکان (مولانا محمد امین ندوی صاحب کی تحقیق کے مطابق جمعیت علمائے اسلام شمالی ارکان) نامی ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی اور جس کی تاریخ تاسیس کا جہاں تک پتہ چلا کہ اس کی تاسیس ۱۹۳۳ء میں ہوئی تھی۔

یہاں اس تنظیم کے موسسین کے حوالے سے ایک بات کہہ دینا ضروری ہے کہ راقم سطور نے اپنی تالیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' میں یہ جو لکھا تھا کہ ''اس تنظیم کے بانی مولانا غلام قادر ارکانی تھے اور حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب گرجنڈیاوی مرحوم اور ماسٹر حبیب اللہ صاحب کیلا دنگی مرحوم اس تنظیم کے اوّلین میں سے تھے'' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مرحوم غلام قادر صاحب اس تنظیم کے بانی تو نہ تھے البتہ وہ جنرل سکریٹری کے عہدہ پر فائز تھے، اس کا اصل بانی حضرت مولانا عبد السبحان صاحب گرجنڈیاویؒ اور ان کے چند ہم خیال رفقائے کار اور احباب تھے، راقم سطور کو جن ذرائع سے یہ معلوم ہوا تھا کہ مولانا غلام قادر صاحب اس تنظیم کے بانی تھے، بعد میں تحقق ہوا کہ وہ ذرائع ہی غلط تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض جاننے والوں نے راقم سطور کو یہ معلومات بھی بہم پہنچائیں کہ مولانا غلام قادر جو اس زمانے میں منگڈو کے پوسٹ ماسٹر تھے، ان کے عقیدے میں بڑا خلل تھا، حتی کہ بعض حضرات نے یہاں تک دعوی کیا ہے کہ مولانا کا تعلق بدنام زمانہ قادیانی فرقہ سے تھا۔

جہاں تک راقم سطور کے معلومات ہیں، ان کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے کہ جمعیت علمائے اسلام ارکان کی تاسیس جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے نہج پر ہوئی تھی، اس تنظیم کا تصور پان اسلام ازم کا تصور تھا، اس تنظیم کے برخلاف ''کونسل برائے امور دینیات (برما)'' کا تصورسیکولر جو سراسر برمی قومیت پر مبنی تھا،

تو وجہ یہی تھی کہ موخر الذکر اس کونسل نے ہمیشہ سیاجی عبدالرزاق کے سیاسی خیالات کی حمایت کی تھی ، اور سیاسی عبدالرزاق کے واسطے سے گویا (AFPFL) (جو جنرل اونگ سان کی قیادت میں چل رہی تھی) کی حامی بعض مسلم اور غیر مسلم تنظیموں میں یہ جماعت بھی شامل تھی ، اور بعد میں بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ کونسل اور اس کے لیڈران ہمیشہ ہمیشہ حکومت برما کے حمایت کرنے والوں میں سے تھے، حکومت کا سایہ اس پر ہمیشہ برقرار رہا تھا ، جب کہ جمعیت علمائے اسلام کا تصور پان اسلام ازم کا تصور تھا ، اور سرزمین ارکان کے حوالے سے اس جماعت کی سیاست ہمیشہ ارکانی مسلمانوں کی حمایت میں تھی ۔

پھر یہاں اس بات کا بھی تذکرہ کردوں کہ جہاں تک راقم سطور کے معلومات کا تعلق ہے کہ سرزمین ارکان میں جمعیت علمائے اسلام پہلی تنظیم تھی جس نے امت مسلمۂ ارکانیہ کے سیاسی مفاد کے حوالے سے بڑھ چڑھ کر میدان سیاست میں حصہ لیا تھا، اور اس سرزمین کی سیاسیات کے حوالے سے یہ جماعت باضابطہ طور پر سب سے پہلے بنی تھی، ڈاکٹر ایوب علی صابر مرحوم نے لکھا ہے:

> ’’مگھوں نے ارکانی مسلمانوں کی قومی زبان کو مٹانے کے لئے مسٹر زین الدین کو خوب استعمال کیا تھا۔ کیوں کہ وہ پہلے ہی سے اردو کے مخالف تھے، آخر کار موصوف کو آلۂ کار بنا کر اردو زبان اور مسلم اسٹیٹ کے مطالبہ کو دبایا گیا تھا، اور ارکانی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی خفیہ سازش کا محاذ کھول رکھا تھا، اسی طرح شر پسند مگھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنرل اونگ سان کا کان بھی بھر دیا تھا، چنانچہ اونگ سان نے ایک بیان میں کہا تھا کہ ’’شمالی مغربی ارکان کے مسلمانوں کے طرز معاشرت ، تہذیب وثقافت مگھوں سے مختلف ہے، لہٰذا ان کے مطالبے تب تک قبول نہیں کئے جائیں گے، جب تک ان کو ملک کے اصل باشندوں کی طرح حقوق نہ حاصل ہو جائیں‘‘ اب جمعیت علمائے اسلام حرکت میں آگئی اور حقوق شہریت کے حصول کی جدوجہد تیز سے تیز کر دی تھی ، چنانچہ جمعیت علماء نے شاندار جلسہ کرایا تھا، جس میں حصول آزادی (برطانیہ سے) اور مسلم اسٹیٹ کا مطالبہ کیا گیا تھا‘‘۔

اسی زمانے میں جمعیت علمائے اسلام ارکان ارکانی مسلمانوں کی بڑی فعال اور حساس تنظیم تھی ،

ظاہر ہے کہ یہ تنظیم ۱۹۳۳ء میں وجود میں آئی تھی ، چنانچہ جہاں تک پتہ چلا کہ ۱۹۴۲ء کے خون آشام قتل عام کے دوران اس تنظیم کے رہنماؤں اور کارکنوں نے مگھ خون خواروں اور برمی شاطروں کے مظالم سے مسلمانوں کو بچانے کی بڑی حد تک کوشش کی تھی ،بعض حضرات کا یہاں تک کہنا ہے کہ جن مسلم رہنماؤں نے ۱۹۴۲ء میں ارکانی مسلمانوں کی رہنمائی اور قیادت کی تھی ان کی اکثریت یا تو جمعیت علمائے اسلام کے لیڈران تھی ، یا حساس کارکن ، جنہوں نے مگھ برموں کے خلاف کئے جانے والے جہاد کا پرچم تھام کر مسلمانوں کو مزید مظالم سے بچایا تھا۔

۱۹۴۲ء کے بعد مگھ خون خواروں اور برمی شاطروں نے مل کر ارکانی مسلمانوں کی سیاست کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں، مگر جمعیت علمائے اسلام کے لیڈروں نے ہمت نہیں ہاری، دریں اثنا یہ سن کر کہ برما کا معروف شہر میمو میں ایک برطانوی کمیشن آپہنچا ہے، تو اس کمیشن سے ملاقات کے لئے جمعیت علمائے اسلام نے ایک وفد ترتیب دیا، جس میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

(۱) حضرت مولانا ثناء اللہ بن انوار علی سوداگر باریٹ لا، رنگیا دنگی، بوسیدنگی۔

(۲) جناب سلطان احمد (BABL) بالوکھالوی، منگڈوی۔

(۳) جناب محمد ہاشم (BA) وکیل فاروی، منگڈو۔

(۴) حضرت مولانا عبدالغفار (BABT) رنگیا دنگی، بوسیدنگی۔

چنانچہ اس وفد نے اس برطانوی کمیشن کے سامنے ایک میمورنڈم پیش کیا، جس میں کئے جانے والے مطالبوں میں سب سے نمایاں مطالبہ شمالی مغربی ارکان کو مسلم اسٹیٹ کے درجہ دینے کا مطالبہ تھا۔ یہ ۷/مارچ/۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا، برطانوی کمیشن کی قیادت سر رس ولیم کر رہے تھے۔

مذکورہ میمورنڈم کے ساتھ جمعیت کے وفد نے میمو میں رس ولیم سے ملاقات کی اور میمورنڈم کے ساتھ زبانی طور پر بھی ’’مسلم اسٹیٹ‘‘ کا مطالبہ کیا تھا، مگر سر رس ولیم نے بڑے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ ’’ہم تو صرف سرحدی معاملات کے سلسلے میں آئے ہوئے ہیں، لہٰذا آپ حضرات کے مطالبات پر حامی بھرنے کے اختیارات ہمارے پاس نہیں ہیں‘‘۔

اس کے بعد جمعیت کے وفد نے رس ولیم سے استفسار کیا کہ کیا آپ نارتھ ارکان کو چن پہاڑی

علاقے سے ملاسکتے ہیں؟ سرولیم نے اس کے جواب میں حامی بھری اور کہا کہ آپ حضرات اسی مطالبہ پر مشتمل ایک درخواست پیش کردیں ،مگر اب ایک مصیبت آن پڑی تھی کہ جمعیت علمائے اسلام کے وفد کے پاس ''مسلم اسٹیٹ'' کے مطالبہ کے علاوہ اور کسی قسم کے مطالبہ کرنے کا اختیار نہ تھا، چنانچہ وفد نے سرس ولیم سے یہ کہتے ہوئے رخصت لی کہ ہم مشورے کرکے عریضہ پیش کریں گے، بعد میں جمعیت کا وفد ارکان پہنچا اور مشورے کرتے کرتے سرس ولیم اپنے مشن کو تکمیل کرتے ہوئے لندن چلے گئے، یوں نارتھ ارکان کو چن پہاڑی علاقے سے ملانے کا کام بھی نہیں ہوسکا۔

دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر برطانوی حکومت نے برما کو پھر قبضہ کرلیا، تاہم اس نے اس خطے کی دیگر سامراجی کالونیوں کی طرح برما کو بھی آزادی دینے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کردی، ویسے ۱۹/اپریل/۱۹۴۷ء کو ملک بھر میں قانون ساز اسمبلی کے لئے عام انتخابات کرائے گئے، اور منگڈ و بوسیدنگ کے لئے دو امیدواروں کا اعلان ہوا تو جمعیت (جو اس زمانے میں ارکانی مسلمانوں کی واحد سرگرم جماعت تھی) نے ان دونوں نشستوں کے لئے حضرت مولانا عبدالغفار رنگیادنگی (فارغ التحصیل مدرسہ محسنیہ چاٹگام سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ ارکان) اور جناب سلطان احمد (BABL) بالوکھالوی کے نام پیش کردیئے، جو کامیاب ہوئے تھے۔

ادھر اسماعیل داؤدشاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب جو ۱۹۴۲ء کے مجاہدین کے رہنما تھے نے بحیثیت آزاد امیدوار اپنا نام پیش کیا، لیکن جب الکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو عبدالغفار اور سلطان احمد یا دوسرے الفاظ میں جمعیت کی کامیابی پر تنبیہ صاحب بڑے نالاں ہوگئے تھے، جمعیت علماء اسلام نے اپنے دونوں منتخب شدہ ممبران کو ہدایت دی تھی کہ برمی ایوان کے پہلے اجلاس میں نارتھ ارکان کو برمی حکومت کے تحت ایک ''مسلم اسٹیٹ'' کے درجہ دینے کا مطالبہ کیا جائے، لیکن یہ دونوں ممبران اس پہلے اجلاس میں شرکت سے قاصر رہے، وجہ مواصلات کی خرابی تھی، پھر بھی دونوں حضرات نے بعد میں برما کے بڑے بڑے بااثر لیڈران سے مسلم اسٹیٹ کے حوالے سے گفتگو کی تھی، اس سلسلے میں کوشش بہت ہوچکی تھی، لیکن ہر آن ان کی کوشش کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا، لیڈروں سے ان کی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا تھا، انہوں نے اس دوران ارکانی لیڈر اونگ زین وے اور سیاجی عبدالرزاق سے بھی ملاقاتیں

کی تھیں، اونگ زین وے نے ان کو ارکانی مگھوں سے مل جل کر رہنے کا مشورہ دیا، جب کہ سیاجی عبدالرزاق صاحب مرحوم نے بس اتنی سی بات پر اکتفاء کی کہ'' میں بھی تو ایک مسلمان ہوں نا''

ایک طرف ارکانی مسلمانوں کے دونوں خیرخواہ لیڈروں کی کوشش جاری تھی تو دوسری طرف ارکان کے مگھ لیڈروں نے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور پروپیگنڈوں کا جال رکھا تھا، ان مگھوں نے برما بھر کے چوٹی کے لیڈروں کے کان یہ کہہ کر بھر دیا تھا کہ سرزمین ارکان کے طول وعرض میں بنگالی اور ہندوستانی نژاد کے لاکھوں مسلمان گھسے ہوئے ہیں، جو ارکان کو پاکستان بنانے کے خواہش مند ہیں ،اب مسٹر عبدالغفار اور سلطان احمد کے لئے زمین تنگ ہوگئی تو ان دونوں نے بھانپ لیا کہ ہماری آخری کوشش مسٹر اونگ سان سے ملاقات کو یقینی بنانے پر ہونی چاہئے، تاکہ ان سے شمالی ارکان کو مرکزی حکومت برما کے تحت ''مسلم اسٹیٹ'' کا درجہ دینے کی بات طے ہوسکے، لیکن اونگ سان عدم فرصت کے بہانے تراشتے رہے، تاہم اس نے اپنے سکریٹری کو حکم دیا تھا کہ ان دونوں مسلم لیڈروں کی درخواست کو فرصت میں ان کے سامنے پیش کردیا جائے، یوں ارکانی مسلمانوں کے ان دونوں لیڈروں نے میمورنڈم کی شکل میں اپنے جائز مطالبات کو اونگ سان کے سکریٹری کا حوالہ کیا تھا، اور سکرٹیری نے ان دونوں کو عندیا دیا تھا کہ ۱۹/جولائی کو آپ حضرات اونگ سان سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں، چناں چہ ۱۹/جولائی کو دونوں حضرات اونگ سان سے ملاقات کرنے کے لئے رہائش گاہ سے نکلے، تو سارے کے سارے راستوں پر سناٹا چھایا ہوا دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ اونگ سان اور ان کے چھ ساتھی بشمول سیاجی عبدالرزاق اس دنیا میں نہیں ہیں، خون خوار حملہ آوروں نے سکریٹریٹ میں اچانک گھس کر ان کو ہلاک کردیا ۔

مسٹر اونگ سان اور ان کے ساتھیوں کی ہلاکت کے بعد مسٹر اونو کو برما کا وزیر اعظم بنایا گیا، ۱۹۴۷ء میں برمی ایوان کی دوسری سشن شروع ہوئی، جس میں شان، کچن، مون وغیرہ ریاستوں کے متعلق طویل گفتگو ہوئی تھی، لیکن شمالی مغربی ارکان کو مسلم اسٹیٹ کے درجہ دینے کی کوئی بات نہ ہوئی تو مسٹر عبدالغفار اور سلطان احمد صاحبان نے اس کی وجہ دریافت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ:

''ہم نے اپنا جائز مطالبہ ''مسلم اسٹیٹ'' کا ایک میمورنڈم اونگ سان کے حکم سے ان کے سکرٹیری

کا حوالہ کیا تھا، لیکن آج اس پر کسی بھی قسم کی گفتگو نہ سن کر ہم آپ سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں؟ ان دونوں کے اس استفسار پر اسپیکر نے کہا کہ اونگ سان نے اپنی ہلاکت کے قبل نارتھ ارکان کے مسلم علاقہ کے بارے میں کہا تھا کہ:

''منگڈو اور بوسیدنگ جو شمالی مغربی ارکان کا ایک مسلم علاقہ ہے، جہاں پانچ لاکھ کی مسلم آبادی ہے، اگر اس علاقہ کو مسلم اسٹیٹ کا درجہ دیا جائے گا تو ملک بھر میں اس قسم کی ریاستیں بہت زیادہ ہو جائیں گی، جس سے حکومت بہت کم زور ہو جائے گی،،۔

برمی پارلیمنٹ کے اسپیکر کا مایوس کن جواب سن کر ارکان کے لیڈران مزید پریشان ہو گئے، لیکن کوئی بھی ان دونوں کی پریشانی پر دادرسی کرنے والا نہ تھا۔ یاد رہے کہ برمی پارلیمنٹ میں اس وقت تین سو سے زیادہ ممبران تھے۔

پھر برما کی آزادی کے حوالے سے اونو لندن گئے، جہاں انہوں نے اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹلی سے گفتگو کی، جس کے نتیجے میں بالآخر ایک معاہدہ پر دستخط ہو گیا، جس کے بعد برطانیہ نے ۶ رجنوری ۱۹۴۸ء کو برما کی مکمل آزادی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن برمی نجومیوں نے اس دن کو منحوس قرار دیا تو ۴ رجنوری ر ۱۹۴۸ء کی صبح چار بج کر ۲۰/منٹ میں برما کے برطانوی گورنر نے آزادی کا اعلان کرتے ہوئے لندن کی راہ لی اور اونو برما کا پہلا وزیر اعظم اور شوے سا تائک صدر بن گئے تھے۔

برما کی آزادی کے بعد اونو دور حکومت میں ارکانی مسلمانوں کے حوالے سے بہت ساری تنظیمیں بنیں، سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشی، دینی و ثقافتی تنظیموں کے علاوہ چند طلبہ تنظیمیں بھی وجود میں آئیں، لیکن آزادی کے قبل سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے قومی سطح پر صرف اور صرف ایک تنظیم تھی، جس نے اپنی تاسیس کی ابتدا سے مسلمانان ارکان کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، آزادی کے قبل سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے قومی سطح پر صرف اور صرف ایک یہی تنظیم تھی جس نے اپنی تاسیس کی ابتداء سے مسلمان ارکان کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، آزادی کے قبل سرزمین ارکان کے حوالے سے صرف اس تنظیم کی سیاست چلی تھی، جس میں ارکان کے تقریباً بڑے بڑے نامور علماء کے علاوہ دانشوران بھی شامل تھے۔

علمائے ارکان کو اس بات پر فخر و ناز ہونا چاہئے کہ ان کے اسلاف نے سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی، کامرانی اور نجات کے لئے جمعیت علمائے اسلام ارکان جیسی ایک تنظیم کی تاسیس کر کے اس بات کا ثبوت پیش کر دیا کہ علماء نے دیگر امور دینیہ کے علی الرغم سیاست وقیادت اور جہاد جیسے اہم دینی فریضہ کی ادائگی میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کی، جب کہ بعض ہمارے دانشوران علماء پر الزام دیتے نہیں تھکتے کہ علماء سیاست میں بہت پیچھے ہیں، تو ان دانشوروں کو سوچنا چاہئے کہ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے سیاست وقیادت کے فرائض انجام دینے کے لئے سب سے پہلی قومی سطح کی تنظیم کس طبقہ نے بنائی تھی؟ کہنے میں تو اسے جماعت علماء نے بنائی، اور نام بھی جمعیت علمائے اسلام دیا گیا، مگر دیکھئے کہ علماء کتنے فراخ دل تھے کہ اس جماعت میں وقت کے تقریباً تمام دل جلے دانشوران کی شمولیت بھی انہوں نے ضروری سمجھی، علماء میں صرف بعض تنگ نظروں کی تنگ نظری انہیں کھٹکتی ہے، ان کو یہ نظر کبھی نہیں آتا کہ علماء کتنے فراخ دل، بالغ نظر اور دور اندیش بھی ہو سکتے ہیں۔

میرے ان معروضات سے کسی دانشور بھائی کا دل دکھے تو معذرت!! مگر حقیقت جو کہوں بھی تو حقیقت اور نہ کہوں تو وہ بناوٹ کبھی نہیں ہو سکتی، فرمایئے کہ تاریخ ارکان کی سب سے اوّلین تاریخی اور قومی و دینی جماعت علماء نے تاسیس کی تھی یا دانشوران نے؟ جواب بس وہی نکلے گا جو حقیقت ہے۔ علمائے اسلام ارکان ہی قومی سطح پر اس میدان میں سب سے پہلا مسابقہ جیتے ہیں، پھر ساتھ ہی ساتھ سرزمین ارکان کے علماء، طلبہ اور دینی و ایمانی حوالے سے پروان چڑھنے والی آنے والی نسلوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے اسلاف نے ان کے لئے کیا ورثہ چھوڑ چلا ہے، اور ان کی چھوڑی ہوئی اس وراثت کو کس طرح اور کس آن بان سے سنبھلنا ان کا دینی ایمانی، قومی اور ثقافتی فریضہ ہے، اور میرے ان معروضات سے یہ مقصد بالکل نہیں ہے کہ میں سرزمین ارکان کے حوالے سے اور ایک فتنہ کھڑا کر رہا ہوں، علماء اور دانشوروں میں تفریق کی بنیاد ڈال رہا ہوں، میں اس کا سراسر مخالفت ہوں کہ علماء اور دانشوروں کی تفریق کی جائے، میں صرف دانشوروں کو تاریخی حقائق بتا کر یاد دلا رہا ہوں کہ آپ نے جو علماء پر الزام عاید کیا ہے کہ علماء سیاست وقیادت میں پیچھے ہیں، یہ سراسر ایک غلط الزام ہے۔

یہاں ایک اور حقیقت کا تذکرہ بہت اہم ہے کہ اگر چہ جمعیت علمائے اسلام ارکان اور جمعیت

علمائے اسلام برما ایک جیسی دو جماعتیں لگتی تھیں اور ہیں، مگر ان دونوں میں بعض چیزوں کے حوالے سے ہم آہنگی ہونے کے باوجود کچھ نمایاں فرق بھی موجود تھا، اول تو مولانا محمد امین ندوی کے مطابق برصغیر میں جمعیت علماء نامی تین تاریخی مصادر پائے جاتے ہیں:

۱۔ جمعیۃ علماء ہند: جس کے قائدین میں سے حضرت مولانا سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست تھے، یہ جمعیت علی العموم کانگرسی سائڈ میں رہتی ہے، جس کے سیاسی تصور میں سے ایک تصور قوم مذہب سے نہیں بلکہ وطن سے بنتی ہے، اور جس کے خلاف اور تو اور علامہ سر محمد اقبال کو بھی منہ کھولنا پڑا تھا کہ:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں۔

۲۔ دوسری جمعیت علمائے اسلام: جس کا سیاسی تصور پان اسلام ازم کا تصور تھا اور آج بھی ہے، جس کے سرخیل حضرت مولانا مفتی محمود صاحب تھے، اور آج بھی ان کے صاحب زادۂ گرامی قدر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس کا رہنما ہیں، تو ارکان کی جمعیت علماء اس دوسری جمعیت علماء اسلام کی سیاست کی حامی تھی، جس کا نام کبھی جمعیت علمائے شمالی ارکان تھا، اور کبھی جمعیت علمائے اسلام ارکان، اور کبھی روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان رہا تھا اور اب بھی ہے۔

۳۔ اور تیسری ایک اور جمعیت علماء بھی تھی اور شاید اب بھی ہو، وہ ہے بریلوی مکتب فکر کی جمعیت علماء، جس کا سرخیل برصغیر ہند و پاک میں ماضی قریب و بعید میں کون کون تھا تو معلوم نہیں، البتہ اس کا ایک سلسلہ یا کڑی ارکان میں بھی موجود تھی، ماضی میں جس کا رہنما اسماعیل داؤد شاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب اکیابی تھے، جن سے کسی سیاسی سلسلے میں ہمارے بزرگوں میں سے مولانا عبد القدوس مظاہری مرحوم وغیرہ نے ملاقات بھی کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام برما کل برمی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت متصور تھی، جس کا دعوی تھا کہ جمعیت اسلام برما کل برمی مسلمانوں کی خیر خواہ جماعت ہے، مگر جمعیت علمائے اسلام ارکان کا سب سے بڑا ہدف اس زمانے میں شمالی مغربی ارکان کو ''مسلم اسٹیٹ'' کا درجہ دینا یا دیا جانا تھا، تا کہ یہاں کے مسلمان آزادی کے ساتھ جی سکیں تاکہ مگھوں کے مظالم سے بچنے کا سروسامان ہو جائیں، مگر جمعیت

علمائے اسلام ارکان کو اس ہدف کے حصول کے لئے جمعیت علمائے اسلام برما نے کھل کر حمایت نہیں کی تھی، یہ اور دیگر امور کو سامنے رکھتے ہوئے بعض کا کہنا ہے کہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان اگر چہ نام میں خاصی یکسانیت ہے مگر فکر و نظریات کے حوالے سے ان دونوں میں نمایاں فرق بھی تھا۔

بہر حال برما کی آزادی سے لے کر اقتدار پر برمی فوجوں کے قبضہ تک جمعیت علمائے اسلام ارکان نے قانونی طور پر ارکانی مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، بطور خاص ثقافتی اور تعلیمی میدان میں اس کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، اس جماعت کی اس زمانے کی خدمات کے حوالے سے راقم سطور کی تالیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

'' آزادیٔ برما کے بعد ارکان میں بعض دوسری اسلامی منظمات ابھر آئیں، لیکن آزادی سے پہلے اسی تنظیم (جمعیت علمائے اسلام ارکان) کی خدمات ارکان میں دیکھی گئیں، جو کبھی بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، اور آزادی کے بعد بھی بڑی مدت تک اس جماعت کی خدمات قومی سیاست کے افق پر نمایاں طور پر نظر آئی ہیں، خصوصاً وزیز اعظم اونو کے دور حکومت میں اس تنظیم نے جو خدمات انجام دیں وہ قطعًا نا قابل فراموش ہیں،،۔

برما پر فوجی ڈاکٹیٹر جنرل نیون کا قبضہ ہوگیا تو ملک بھر کی تمام جماعتوں کی طرح جمعیت علمائے اسلام ارکان کو بھی معطل کر دیا گیا تھا اور میدان سیاست کے تمام مسلم اور غیر مسلم ارباب سیاست وقیادت کے منہ پر تالے لگا دیئے گئے تھے، یوں جمعیت علمائے اسلام کے شیران پلنگ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا تھا، تاہم جمعیت علمائے اسلام کے پرچم تلے اب تک قوم وملّت کے کام سرانجام دینے والوں نے ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر اس بات پر سوچا کہ آیا ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق یہاں ملک وملّت کی کوئی خدمت بھی انجام دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جمعیت کے ارباب بست وکشاد میں سے چند بزرگوں کی رائے تھی کہ ملک کی اس بدلتی ہوئی سیاسی حالت کے پیش نظر جتنا ممکن ہو سکے ملک وملّت کی خدمات انجام دینا چاہیے، لیکن اس کے برعکس چند بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ اب جمعیت علمائے اسلام کو زیر زمین جا کر انقلابی انداز میں کام کرنا ناگزیر ہے۔ اور:

سرانجام دی جائیں، باوجود یکہ کوششیں بہت ہوئیں لیکن ۵

''جمعیت اپنی تمام کوشش میں بظاہر ناکام رہی، یہ وہ زمانہ تھا جب ایک طرف ملک بھر میں برمی شوشلست پروگرام پارٹی کے کارندے بھوکے شیر کی شکل میں دھندناتے پھر رہے تھے، تو دوسری طرف ارکانی مسلمان مسلسل سیاسی وانقلابی بحران کے شکار ہوجانے کے بعد ناامید اور مایوس ہو بیٹھے تھے، جمعیت علمائے اسلام کے لیڈروں نے جب دیکھا کہ ملک میں علانیہ کوشش کی گنجائش باقی نہیں ہے، تو ۱۹۷۵ء میں انہوں نے زیرزمین جانے کو مناسب سمجھا، جس وقت ارکان کا میدان سیاست بالکل سرد ہو چکا تھا تو اسے پھر سے گرمانے کی جمعیت علمائے اسلام کے اراکین ہی نے بڑی تیزی سے کوشش شروع کردی تھی، اور ارکان کا زیرزمین رہنے والا گروپ جو آخر تک محمد جعفر حبیب کی قیادت میں چل رہا تھا، وہ بھی چاٹگام میں دم واپسیں لینے پر مجبور ہو تھا، تو ۱۹۷۵ء میں جمعیت علمائے اسلام ارکان کے ارباب بست وکشاد میں سے چند افراد جن میں مولانا عبد القدوس مظاہریؒ، مولانا حبیب اللہ سمبویؒ، جناب مولانا محمد زکریا صاحب محدث مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ پارویؒ اور جناب ماسٹر عبد الغفار صاحب نکھورویؒ سرفہرست تھے نے چاٹگام میں بیٹھے بیٹھے دم واپسیں لینے والے انقلابیوں کو پھر سے میدان میں اتارلانے کی کوشش کو ناگزیر سمجھا تھا، یوں مذکورہ حضرات اس سلسلے میں چاٹگام تشریف لائے اور چاٹگام میں اس حوالے سے چند اجلاس ہوئے، بالآخر بات یہاں تک طے ہوئی تھی کہ اگلی جماعت کے ایک قائد منتخب کرنے کے لئے علمائے ارکان میں سے چند صاحب رائے بزرگان دین کو اس کا ذمے دار بنایا جائے، جس کی تفصیلات ارپی ایف کے باب میں گزرچکی ہیں، بالآخران بزرگوں جن کے اسمائے گرامی یہاں لانا مناسب نہیں سمجھا جارہا ہے کی اتفاق رائے سے حضرت پیر صاحب (حضرت مولانا مظفر احمد منگیزوی، خلیفہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ) نے محمد جعفر حبیب مرحوم کو اجازت قیادت دیتے ہوئے ایک تحریری اجازت نامہ لکھ بھیجا تھا۔ یوں علمائے ارکان اور دانشوران عظام کے تعاون سے ارپی ایف (روہنگیا فدائین محاذ) کی دوبارہ تجدید واحیاء ہوگئی تھی،،۔

آپ نے اس اقتباس میں ملاحظہ کیا کہ اس زمانے میں چند ارکانی علماء اور دانشوران نے حضرت پیر صاحب کو اس بات کا ذمے دار بنایا تھا کہ آپ علمائے ارکان کی طرف سے اگلی ہونے والی انقلابی جماعت کا ایک قائد منتخب کریں، جس کی بنیاد پر حضرت پیر صاحب نے محمد جعفر حبیب کو میدان انقلاب کا قائد منتخب فرمایا تھا، اور جن حضرات علمائے کرام نے حضرت پیر صاحب کو اتنے عظیم کام کا ذمے دار بنایا تھا، اور جن کے اسمائے گرامی اس وقت کے حالات کی نزکت کے پیش نظر سامنے نہیں لائے جاسکے تھے، ان چوٹی کے بزرگ ترین علمائے ارکان میں حضرت مولانا سید الامین صاحبؒ سرفہرست تھے۔ ان دونوں مذکورہ بزرگوں کے علاوہ اور دو شخصیتیں بھی تھیں، ان میں سے ایک حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ بانی مدرسہ دار العلوم میاں جان پور اور دوسرا حضرت مولانا عبد السبحان صاحب گرھا خالویؒ۔

تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ سارے حضرات حین حیات تھے، اسی لئے ان کے سمائے گرامی کا تذکرہ اس زمانے میں ممکن نہیں ہوسکا تھا، آج کل تو سارے کے سارے بزرگان دین متین اس جہاں فانی سے رخصت لے چلے، اسی لئے ان کے نام گرامی کا تذکرہ ممکن ہوسکا ہے۔ یاد رہے کہ سرزمین ارکان کے یہ وہ بزرگان دین تھے، جنہیں اپنے زمانے میں مرجعیت کا درجہ حاصل تھا اور تو اور انہیں ہمارے بعض حلقوں نے ''مشائخ اربعۃ'' کا نام بھی دیا تھا۔

اب ان تمام باتوں سے کیا پتہ چلتا ہے؟ یہی ہے نا کہ علمائے ارکان ایک طرف جمعیت علمائے اسلام ارکان کے پرچم تلے ممکنہ خدمات اندرون ارکان میں بھی ادا کررہے تھے، تو دوسری طرف انہوں نے زیرزمین ایک انقلابی جماعت کی بھی سرپرستی کی تھی، مگر یہاں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علمائے اسلام ارکان کی یہی سرپرستی روہنگیا فدائین محاذ پر تادیر نہیں رہ سکی، اور ۱۹۷۸ء کے بعد ہماری زیرزمین سیاست نے اور ایک انگڑائی لی، جس کا قدرے اجمال راقم سطور کی مذکورہ تالیف کے اس اقتباس میں ملاحظہ کیجئے:

''۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک ارپی اپنے مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی قومی سطح پر جہاد کی خدمات انجام دے رہی تھی، ادھر ۱۹۷۸ء کو بڑی تعداد میں روہنگیا مہاجرین بنگلہ دیش پہنچے، تو ادھر ارپی ایف میں سیاسی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی، جمعیت علمائے اسلام ارکان کے ارباب بست وکشاد نے ارپی

ایف کے لیڈروں کے درمیان ہونے والی رسّہ کشی کو ختم کرانے کی کوشش کی، مگر ان کی تمام کوششیں آخر کار ناکام ہوگئی تھیں، بالآخر جناب نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا سمیت بہت سے لیڈران ارپی ایف سے نکل بھاگے اور آگے چل کر مولانا محمد کبیر اور ان کے ہم خیال چند حضرات بھی ارپی ایف سے بچھڑ گئے تھے، اب جمعیت علماء نے ہر مرحلہ میں خود کو نامراد اور ناکام پایا تو اپنی تئیں مسلح ہونے کو مناسب سمجھا، یوں مولانا عبدالقدوس مظاہری کے اشراف اور مولانا عقیل احمد قاسمی کی صدارت میں ۱۹۷۹ء میں جمعیت علمائے اسلام ارکان کی مسلح جد جہد کا آغاز ہوا تھا۔

اب یہاں جمعیت علمائے اسلام ارکان کا ایک گروپ مسلح ہوجانے اور زیرزمین چلے جانے کے بعد بظاہر یہ معلوم ہورہا تھا کہ اب جمعیت علمائے اسلام ارکان دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے، مگر حقیقت میں بات ایسی نہیں تھی، ارباب جمعیت کی حکمت وبصیرت تھی کہ انہوں نے ایک طرف اندرون ارکان میں بھی کسی نہ کسی حد تک جمعیت کی ساکھ کو بحال رکھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی جماعت کی ایک خاص تعداد کو بھی زیرزمین پہنچا کر انقلابی سرگرمی کا آغاز کر دیا تھا۔ اللہ تعالی حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہر ی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عقیل احمد قاسمی رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے، دونوں کے دونوں بزرگ بڑے جید علمائے ارکان میں شمار تھے، ایک قاسمی دوسرے مظاہری، بڑے دور بین، حساس، فعال اور صاحب حماست وبصیرت لیڈر تھے، یہ اور ان کے رفقائے کار نے ہر ممکنہ کوشش کی تھی کہ جمعیت علماء اسلام کے زیر سائے سرزمین ارکان اور وہاں کے مظلوم مسلمانوں کو ظالموں کی چنگل سے نجات دلائیں، مگر کیا کہوں کہ ان کا ایک قصور علماء ہونا تھا، ظالموں نے اپنے مشترکہ دشمن سے لڑنے کے بجائے اپنے خیر خواہ علماء کا تعاقب کیا، ظالم دشمن سے کیا خاک لڑتے، انہوں نے اپنی ساری توانائیوں کو علماء کے تعاقب میں صرف کر دیا تھا:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

جب کہ جمعیت علمائے اسلام کے قائدین بڑے دور اندیش اور بڑے فراخ دل تھے، بظاہر یہ تو دیکھا جارہا ہے کہ یہ علمائے اسلام کی ایک جماعت ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاسیس سے لے کر ہر دور میں اس میں بڑی تعداد میں دانشوران بھی شامل تھے، مثال کے طور پر سلطان احمد صاحب

بالوکھالوی کو دیکھئے! ۱۹۴۷ء میں منگڈو اور بوسیدنگ کے لیمنٹ ممبروں میں سے ایک آپ بھی تھے، اور دوسرے ایک عالم دین حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رنگیادنگی۔ ادھر جمعیت علمائے اسلام مسلح ہوجانے کے بعد اس میں شامل دیگر دانشوروں کا کیا شمار، صرف مجلس عاملہ کے دس اراکین میں سے تین حضرات کا شمار سرزمین ارکان کے بلند نگاہ اعلی دانشوروں میں سے تھا، ملاحظہ کیجیے:

(۱) مشرف اعلی : حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہریؒ۔ وفات کراچی۔
(۲) صدر: حضرت مولانا عقیل احمد قاسمی رحمہ اللہ۔ وفات کاکس بازار۔
(۳) سکرٹیری جنرل: حضرت مولانا قاری بدرالاسلام صاحبؒ بن حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ۔
(۴) نائب سکرٹیری: جناب سیّد لطیف پوئما لوی۔ (دانشور)
(۵) خازن : حضرت مولانا کرامت علی صاحب ۔ مقیم حال کاکس بازار۔
(۶) رکن: حضرت مولانا محمد حنیف راغب صاحب فرندگی۔
(۷) رکن: جناب شہید لطیف بلی بازاری (دانشور)۔
(۸) رکن: جناب شاہِ عالم صاحب مرحوم (دانشور)۔
(۹) رکن: حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب۔

دیکھیے کہ بات صرف اتنی سی کہہ کر ختم نہیں ہوجاتی، جمعیت علمائے اسلام کے عہد ہائے جلیلہ تو صدر اور اراکین عاملہ سنبھالتے تھے، جب کہ چیف اف کمانڈر جیسے حساس عہدہ پر ایک ارکانی دانشور کو فائز کیا گیا تھا، جن کا نام مایورے رشید (باموںگ) تھا۔ چند سال پہلے رشید صاحب کا انتقال کاکس بازار میں ہوگیا، جہاں تک میں جانتا ہوں کہ آپ ایک افسانوی زندگی کے حامل دانشور تھے، اللہ تعالی ان کو درگزر فرمائیں، آمین۔

بہرحال جمعیت علمائے اسلام ارکان (جواب مسلّح ہوچکی تھی) نے بنگلہ برما سرحد پر ریزو کے مقام میں ایک معسکر بنایا تھا، جہاں رشید صاحب کی قیادت میں مجاہدین منتظر فرداتھے، چونکہ جمعیت علمائے اسلام ارکان مسلمانان ارکان کو بیدار کر کے جہاد میں اتارلانے کے ساتھ ساتھ ارکانی مگھوں سے مل کر سرزمین ارکان کو برمی غاصبوں سے مکمل آزاد کرنے کی خواہشمند تھی، اسی لیے نیون حکومت کے

خلاف مسلح جدوجہد کرنے والی غیر مسلم تنظیمون سے متحد ہوجانے کو مناسب سمجھا تھا، اب تنظیم نے دیکھا کہ ان مسلح جدوجہد کرنے والی جاعتوں میں برما کمیونسٹ پارٹی (BCP) ہر اعتبار سے بقیہ تمام تنظیموں سے آگے ہے، تو جمعیت نے بی سی پی سے ایک معاہدہ کرلیا، اور بی سی پی نے بھی جمعیت علمائے اسلام جیسی ایک تنظیم کو پاکر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا، یوں بی سی پی نے جمعیت کو بیس رائفل، تین ہلکے مشین گن، تین روسی ساخت کے اسٹین گن اور دو پستولوں سے تعاون کیا تھا۔

اسی طرح جمعیت علمائے اسلام نے دوسری مگھ تنظیموں سے چند معاہدے کرلئے تھے جن میں رامالا پانامی تنظیم قابل ذکر ہے، باوجو یکہ یہ سارے معاہدے سرد خانے کے شکار ہوگئے تھے، مگر بی سی پی کے تعاون سے جمعیت علمائے اسلام ایک مسلح گروپ یا جماعت میں تبدیل ہوچکی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہریؒ کے پاکستان چلے جانے کے بعد مولانا عقیل احمد قاسمیؒ کی زیر قیادت منزل کی طرف رواں دواں تھی، مگر بڑی حد تک مالی کمزوری کی شکار تھی، اور آگے چل کر اسی کم زوری نے ایک بحران کی حالت اختیار کرلی تھی، مولانا عقیل احمد قاسمی سمیت تنظیم کے بڑے بڑوں نے ہر چند کوشش کی تھی کہ کسی بھی طریقے سے تنظیم کو اس مالی بحران سے نکالا جاسکے، مگر ساری کوششیں ایک طرح کی رائگاں گئیں، ایسے حالات میں چیف آف کمانڈر جناب رشید باموںگ صاحب نے مولانا عقیل صاحب سے تنظیم کو جلد از جلد مالی بحران سے نکال باہر کرنے کا پر زور مطالبہ کردیا تھا، مولانا اوران کے رفقائے کار نے ہر چند کوشش کی تھی، مگر ضرورت کی حد تک رشید صاحب کے مطالبہ کو پورا نہ کیا جاسکا، اتنی بڑی مصیبت اور آزمایش کے دوران بھی مولانا عقیل اوران کے رفقائے کار نے ہمت نہیں ہاری اور تنظیم رینگتی رگڑتی ۱۹۸۵ء کے اواخر تک پہنچی، اور تنظیم کے ایسے حالات پر راقم سطور کا ایک ریمارکس ملاحظہ کیجئے کہ :

’’ادھر ہمارے تجربہ اور مطالعہ نے ایک بات سورج کی طرح عیاں کردی ہے کہ ہماری تاریخ جہاد میں دیکھا گیا کہ جبھی منظمات مالی بحران کی شکار ہوجاتیں تو یہاں افراتفری، پہلوتہی اور بغاوت کو سر اٹھانے کا موقع ہوجاتا تھا، باوجودیکہ ارکان کی جہادی تاریخ میں سوائے دو ایک نام نہاد منظمات کے ہر تنظیم کی بنیاد اخلاص وللّٰہیت پر پڑی تھی، مگر ان اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر بنائی گئی تنظیم میں بھی وقت

کے ساتھ ساتھ حرص وجاہ طلبی جیسی مہلک اور جان لیوا بیماری رونما ہوگئی تھی، بالآخر نہ صرف افراد بلکہ تنظیم بھی خود خلوص وللّٰہیت کی دنیا سے سرمو انحراف کرکے مادیت کی دنیا میں قدم رکھ دی تھی، بالآخر بات یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ مال وجاہ ہے تو سب کچھ ہے، نہیں ہے تو دین ودھرم عقیدہ ومذہب سب کو نیلام کردینے میں کوئی بھی کسر باقی نہیں ہوتی، جس کے نتیجے میں کبھی بغاوت نے سر اٹھایا تو کبھی نافرمانی نے حملہ کردیا، کبھی باہم ٹکراؤ اور قتل وخون کا عالم ہوا تو کبھی نازیبا حرکات وسکنات کی روایات قائم ہوئیں، آخر کار نہ صرف تنظیم ختم ہوئی بلکہ دین ومذہب اور قوم وملت کے تمام کام دھرے رہ گئے، دیسے جمعیت علماء کو بھی مالی بحران کے گھن نے اندر ہی اندر کھا کر کھوکھلا بنادیا تھا‘‘۔

ہر چند کوششوں کے باوجود تنظیم کو مالی بحران سے نکالا نہ جاسکا، یوں ۱۹۸۶ء کے اواخر میں رشید باموںگ صاحب نے اپنے تمام رفقاء اور ہم نوا سمیت قائدین سے بغاوت کی اور تنظیم کو کالعدم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے مکمل علیحدگی اختیار کرلی تھی، اور اگلے سال ۱۹۸۶ء کی ابتدا میں محترم نورالاسلام صاحب کے ارایس او گروپ اور مرحوم شبیر حسین صاحب کے ار پی ایف گروپ کے متحدہ محاذ (ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں رشید صاحب نے بھی انضمام کرلیا تھا، یوں جمعیت علمائے اسلام کی مسلح جدوجہد ختم ہوگئی تھی۔

رشید صاحب اسلامک فرنٹ میں چند سال رہے، بعد میں وہ روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن سے منسلک ہوگئے تھے، اور یہاں بھی جب بغاوت اور نافرمانی شروع ہوگئی تو انہوں نے اپنی جان بچا کر راہ فرار اختیار کی، اس کے بعد وہ بنگلہ دیش خبر رساں ایجنسی سے منسلک ہوگئے اور مرتے دم تک اس خبر رساں ایجنسی کے کارکن بنے رہے تھے۔

دراصل بات یہ ہے کہ علمائے دیوبند کی قیادت میں چلنے والی دو تنظیمیں ’’جمعیت علمائے ہند‘‘ اور ’’جمعیت علمائے اسلام‘‘ برصغیر ہندوپاک کے سیاسی افق پر خاص کردار ادا کررہی تھیں، جمعیت علمائے ہند کانگریسی سیاست کی حامی تھی، جب کہ جمعیت علمائے اسلام لیگ یا جمعیت اسلام پاکستان کی حمایت میں تھی، اوّل الذکر تنظیم کی قیادت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے ہاتھ میں تھی تو ثانی الذکر کے روح رواں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی یا مولانا مفتی محمود صاحب صاحبان تھے، دونوں کی

قیادات کے مواقف اپنی اپنی جگہ پر صحیح تھے۔ ظاہر ہے کہ دونوں تنظیموں کی قیادت علمائے دیوبند سنبھال رہے تھے، نہ جمعیت علمائے ہند کا سیاسی موقف غلط تھا اور نہ جمعیت علمائے اسلام کی سیاست محل نظر تھی، ان کے درمیان تطبیق کی کافی گنجائش تھی۔

پھر ارکان اور برما میں ان دونوں تنظیموں کی خوشہ چین دو جماعتیں بنیں۔ ایک جمعیت علمائے اسلام اور دوسری کونسل برائے امور دینیات یا امور مذہبی۔ اوّل الذکر کا سیاسی تانا بانا جمعیت علمائے اسلام (پاکستان) سے تھا تو ثانی الذکر کا سیاسی انداز اور طرز فکر جمعیت علمائے ہند جیسا تھا، برصغیر ہندو پاک کی طرح یہاں بھی دونوں جماعتوں کی قیادت مجموعی طور پر علمائے دیوبند کررہے تھے، جمعیت علمائے اسلام ارکان اور برما کے سیاسی موقف وکردار پر راقم سطور کا کوئی کلام نہیں، جس کی قدرے تفصیلات پچھلی سطور میں بھی گزر چکی ہیں، تاہم کونسل برائے امور دینیات پر جہاں تک اطلاعات ہیں، ان کے تناظر میں عرض ہے کہ اگر چہ اس کی قیادت بھی مجموعی طور پر مدرسہ دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے فضلائے عظام کے ہاتھ میں تھی، مگر اس کونسل نے بعض ملّی اور قومی امور میں انحراف سے کام لیا تھا، البتہ یہ الگ بات ہے کہ یہ کونسل شروع ہی سے حکومت برما کی وزارت برائے امور مذہبی کے زیر اثر یا زیر سرپرستی رہ چکی تھی، اسی لئے ممکن ہے کہ اس انحراف میں اس کی خاص مجبوریاں بھی اور معذوریاں بھی رہ چکی ہوں ۔

پھر جہاں تک پتہ چلا کہ ان دونوں جماعتوں کے تصورات میں اپنی اپنی تاسیس کے زمانے سے اونو کے جمہوری دور حکومت کے روز آخر تک بڑی وسعت اور ایک معنی میں آفاقیت تھی، اس آفاقیت و وسعت کی بنیاد پر خاص طور سے جمعیت علمائے اسلام نے بڑی بڑی دینی اور قومی خدمات انجام دیں، مگر ملک پر فوجی ڈکٹیٹر نیون کے تسلط یعنی ۱۹۶۲ء کے بعد دونوں کی دونوں جماعتوں کی سرگرمیاں بالکل محدود ہوگئیں، بس مسلمانوں کے چند عائلی یا معاشرتی امور تک ان کی سرگرمیاں تھیں، ویسے برما بھر کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا، یہاں ارکان میں دیکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کے عائلی یا معاشرتی امور کے حوالے سے کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو دونوں جماعتوں کے اصحاب حل وعقد نکل پڑتے تھے، اور دونوں طرف سے فتاوی بازی کا دوڑ شروع ہوجاتا تھا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کبھی کبھار دیکھا گیا تھا کہ ان دونو

جماعتوں کے مابین ہونے والے الجھاؤ کو سلجھانے کے لئے حکومت کے عہدیدروں کو بیچ میں لایا جاتا تھا، جو حکم بن کر فیصلہ کردیتے تھے۔

جمعیت علمائے ارکان کے حوالے سے الحمدللہ مجھے بہت کچھ لکھنے کی توفیق ہوئی ہے، جن میں سے کچھ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ میری تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' کا ایک باب تقریباً جمعیت علماء پر وقف ہے۔

۲۔ اسی طرح میری اور ایک حالیہ تصنیف ''تذکرۂ علامہ سید الامینؒ'' کا بھی پورا ایک باب جمعیت علماء کے حوالے سے وقف ہے، تاریخی اعتبار سے اول الذکر تصنیف میں جن چیزوں کی کمی محسوس کی گئی تھی ثانی الذکر میں انہیں پوری کرنے کی کوشش کی گئی، علاوہ ازیں قابل قدر اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

۳ ان دونوں تصانیف کے علاوہ جمعیت علماء پر ایک خاص رسالہ ''علماء اور جمعیت علمائے اسلام ارکان'' کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، جو منظر عام پر آچکا ہے۔

میری ان مذکورہ کوششوں کے علاوہ صدیق مکرم مولانا محمد امین ندوی صاحب نے جمعیت علمائے ارکان پر ماشاءاللہ بہت کچھ لکھا ہے، شک نہیں ہے کہ مولانا محترم ایک خبیر، مبصر مورخ ہونے کے علی الرغم ان کی معلومات خصوصا جمعیت علمائے ارکان کے حوالے سے بہت وسیع اور گہری ہیں، اللہ تعالی ان کو مزید توفیق عطا کرے۔

یہاں میرا مدعا یہ ہے مذکورہ چیزوں کے ہوتے ہوئے جمعیت علمائے ارکان پر مزید لکھنا دراصل وقت کا ضیاع ہے، تاہم جمعیت علمائے ارکان (مسلح) اور روہنگیا فدائین محاذ کے حوالے سے بعض چیزوں کی طرف اشارہ کردینا بھی موضوع کی نسبت سے بہت اہم ہے، ورنہ ان دونوں منظمات کی کارکردگی اور سرگرمی کے حوالے سے کافی خلا رہ جائے گا۔

یہ بات عنوان بدل بدل کر بیان کی جاچکی ہے کہ ۱۹۷۵ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ کو احیاء کرنے اور بطور خاص محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کو مستعد ومتحرک کرنے میں جمعیت علمائے ارکان کے رہنماؤں کا سب سے بڑا حصہ رہا ہے، اگر اس وقت ان روشن دل وضمیر علماء کی کوشش نہ ہوتی تو شاید روہنگیا فدائین محاذ کی احیاء بھی ہو پاتی، اللہ تعالی حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری،

حضرت شاہ مظفر احمد صاحب منگیزوی اور مولانا محمد زکریا صاحب محدث مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ قارہ کے درجات بلند فرمائے، یہ اور ان جیسے دیگر علمائے اسلام کی مسلسل جدوجہد نہ ہوتی تو شاید محمد جعفر حسین قوال کا یہ سنہرا تحریکی سلسلہ کب ہی تمام ہو چکا ہوتا۔

بہرحال ارکان اور برما کے اندر جمعیت علماء نے قومی کام کرنے کی ساری راہیں مسدود دیکھیں تو ۱۹۷۸ء کے دوران اس کے ایک گروپ نے مسلح جدوجہد کی ٹھان لی، پھر اس گروپ کے ساتھ مولانا محمد کبیر خواندگی کا گٹھ جوڑ ہوا تو جمعیت علماء (مسلح) اور روہنگیا فدائین محاذ کے مابین کچھ سیاسی اور فکری تناؤ اور اختلافات سامنے آئے، ان اختلافات کے پیچھے بہت سارے حقائق موجود ہیں، جن میں چند چیزیں حاضر خدمت ہیں:

۱۔ محمد جعفر حبیب/ روہنگیا فدان محاذ کا موقف یہ تھا کہ روہنگیا فدائین محاذ کے ہوتے ہوئے جمعیت علماء کو باضابطہ مسلح ہونے کی ضرورت ہی نہیں، جب کہ محاذ کو تجدید واحیاء کرنے میں علمائے اسلام ارکان کی کوششیں شامل حال ہیں، جنہوں نے اسے متحرک کیا ہے۔

۲۔ روہنگیا فدائین محاذ کا کہنا تھا کہ جمعیت علماء مسلح ہونے کے بعد یہ بات سورج کی طرح عیاں ہو چکی کہ روہنگیا مسلمانوں کے مابین اب تفرقہ رونما ہو چکا ہے، جس کے نتیجے شدید برے نکلنے کا خطرہ ہے، اب علمائے اسلام ارکان بذات خود یہ جانتے ہوئے بھی قوم کے اندر اختلافات کا شوشہ تک چھوڑنا شرع اور قانون کی رو سے نازیبا حرکت اور مکروہ عمل ہے، ویسے ہمارے ساتھ کام کرنے کے بجائے ان علماء نے ایک علیحدہ مسلح تنظیم کی کیوں ٹھان لی ہے؟ قوم اندھی نہیں ہے کہ یہاں ان اختلافات کی شروعات ہزار منع کرنے کے وجود کن کی طرف سے ہوئی ہیں؟

۳۔ آخر کار روہنگیا فدائین محاذ اور جمعیت علماء (مسلح) کے مابین سخت سیاسی وفکری اختلافات رونما ہو چکے تھے، جمعیت علماء کا موقف یہ تھا کہ اگر ارکان اور وہاں کے باشندوں کی بہبودی اور نجات کے لئے کام کرنا ہے تو برمی مخالف مگھ مسلح گروپوں سے ہاتھ ملانا ہوگا، ورنہ کامیابی ممکنات میں سے نہیں ہے، جب کہ تنظیم ''روہنگیا فدائین محاذ'' اس موقف کا کلی طور پر مخالف بھی نہیں تھی، تاہم اس حوالے سے اس کا کہنا بس یہی تھا کہ:

''ہم جمعیت کے اس موقف کے کلی طور پر مخالف نہیں ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ اگر برمی مخالف مگھ مسلح گروپوں سے کسی مثبت نتیجہ کی امید پر معاہدہ کرنا ہے تو جمعیت علماء اکیلی کیوں، کیا اس حوالے سے ہمیں اعتماد میں لینا ضروری نہیں تھا؟ کیوں جمعیت علماء نے اس قسم کے حساس معاہدہ پر اکیلی دستخط کرنے کو مناسب سمجھا ہے؟؟ علاوہ ازیں حالات کے تقاضے اور وقت کی نزاکت ہمیں کہاں تک اجازت دیتی ہے کہ ان مگھ مسلح گروپوں سے ہاتھ ملا کر کام کریں، جب کہ ماضی اور حال اس بات کا علانیہ شاہد ہے کہ تمام مگھ مسلح گروپ کبھی بھی روہنگیا مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں تھے''۔

۴۔ مولانا محمد کبیر کی روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی اور اس کے بعد آپ کے روہنگیا لبریشن فرنٹ (RLF) کا اعلان پھر روہنگیا جمعیت علماء سے آپ کی قربت روہنگیا فدائین محاذ والوں کو عموماً اور محمد جعفر حبیب کو خصوصاً ناگوار تھی، اس وقت کے حالات پر مطالعہ کیا جائے تو کوئی بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکے گا کہ کاش مولانا کی قربت جمعیت سے نہ ہوئی ہوتی تو شاید جمعیت اگرچہ مسلح ہو چکی تھی پھر بھی محاذ سے قربت ممکن ہوتی، ان مذکورہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ایک بات کا تذکرہ بہت اہم ہے کہ کہتے ہیں کہ ۱۹۷۸ء میں ایک طرف نیون حکومت اس بات پر اٹل تھی کہ مہاجرین کو کسی بھی حالت میں واپس نہیں لیا جائے گا، جس کے بعد بنگلا دیشی صدر ضیاء الرحمٰن نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر برمی حکومت ان روہنگیا مہاجرین کو واپس نہیں لے گی تو بنگلاش کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ روہنگیا نوجوانوں کو مسلح کر کے ان کا کام ان کے ہاتھ پر سونپ دیا جائے۔

اس کشمکش کے دوران کہا گیا ہے کہ صدر ضیاء الرحمٰن نے خطیب اعظم حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کو یہ ذمہ دیا تھا کہ آپ روہنگیا لیڈروں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کریں، ویسے آپ نے مسلح گروپوں کے تمام لیڈروں کو ایک پلیٹ فارم میں جمع کرنے کی کوشش کی، یاد رہے کہ اس زمانے میں روہنگیا مسلح متحرک دو ہی گروپ تھے، ایک روہنگیا فدائین محاذ اور دوسرا روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان۔

کہتے ہیں کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب نے ان مذکورہ دونوں گروپوں کے لیڈروں کو اپنے پاس بلایا تو جمیعت علماء کے لیڈران حاضر ہوئے، جب کہ روہنگیا فدائین محاذ کے بھی ایک وفد نے ماسٹر عبدالغفار نکھوروی کی قیادت میں حاضری دی، جس میں طے ہوا کہ اگلا اجلاس جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں ہوگا، جس میں محمد جعفر حبیب کی شرکت ضروری ہوگی۔

وقت مقررہ پر جمیعت کے لیڈران حاضر ہوئے، جب کہ روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے ماسٹر عبد الغفار صاحب کی قیادت میں ایک وفد نے حاضری کا رسم ادا کیا تھا۔

اب مولانا صدیق احمد صاحب نے ماسٹر عبدالغفار صاحب سے پوچھا کہ محمد جعفر حبیب کہاں ہیں اور کیوں نہیں آئے؟ تو جواب میں نکھوروی صاحب نے بتایا کہ:

''حضرت! ہم محمد جعفر حبیب/ روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے آئے ہوئے ہیں، ویسے ہمارا ذمہ صرف بات سننا اور ان سنی ہوئی باتوں کو محاذ تک پہنچانا ہے''۔

ماسٹر صاحب کی زبان سے مذکورہ بات نکلنے کی دیر تھی کہ خطیب اعظم حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مشتعل ہوگئے، اور فرمایا کہ جاؤ سب چلے جاؤ تم جیسے۔۔۔۔۔لوگوں سے کچھ بھی ہونے والا نہیں ہے۔اس واقعہ کے بعد الزام لگایا گیا تھا کہ محمد جعفر حبیب کی غیر حاضری کی وجہ سے اتحاد واتفاق کی یہ کوشش ناکام ہوگئی تھی، جو سراسر غلط تھا۔

اب سوال آتا ہے کہ مذکورہ اجلاس میں محمد جعفر حبیب نے بذات خود شریک ہونے کے بجائے جناب عبدالغفار نکھوری کی قیادت میں ایک وفد کو کیوں بھیجا تھا؟ یہ ایک حل طلب معمہ ہے، اس حولے سے بظاہر صراحت سے کوئی بات سامنے نہیں آئی، تاہم ان مذکورہ روہنگیا گروپوں کے انداز واطوار اور طرز ادا سے یہ ضرور اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ:

۱۔ محمد جعفر حبیب کو اس بات پر ہی شک تھا کہ ہمارے لوگوں کی زبان پر یہ جو بات مشہور ہوئی کہ حضرت خطیب اعظم صاحب کو صدر ضیاء الرحمٰن نے یہ ذمے داری دی کہ روہنگیا مسلح جماعتوں کے لیڈروں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، کیوں کہ اس بات کا کوئی ثبوت سرے سے نہیں تھا کہ حضرت کو اتنے بڑے کام کا مکلّف بھی بنایا گیا ہو۔

۲۔ محمد جعفر حبیب کو روہنگیا جمیعت علماء کے مذکورۃ الصدور سرگرمیوں پر کافی ملاحظات تھے، علاوہ ازیں آپ کو جمیعت اور مولانا محمد کبیر صاحب کے گٹھ جوڑ نے حد درجہ شکوک وشبہات میں مبتلا کردیا تھا کہ کہیں مولانا محمد کبیر اور جمیعت کی یہ کوشش کسی بڑی ساش کا حصہ تو نہیں؟ بعد ازاں آپ کے اندر یہ شک بھی کام کررہا تھا کہ کہیں مولانا محمد کبیر اتحاد کے نام پر یہ سازش تو نہیں رچا رہے تھے کہ روہنگیا فدائین محاذ کے عہدۂ صدارت سے آپ کو ہٹا کر کسی دوسرے کو لایا جائے؟؟۔

۳۔ جمیعت علمائے اسلام ارکان کا رابطہ بعض با وثوق اطلاع کے مطابق بنگلا دیش اسلامی سیاسی جماعتوں سے تھا، یوں محمد جعفر حبیب ارکانی سیاست وانقلاب کے لئے اس قسم کے یک رخا پن پر مبنی روابط کو مضر سمجھتے تھے، آپ کا کہنا تھا کہ ارکانیوں کی کسی اسلامی بنگلا دیشی تنظیم کے ساتھ براہ راست وابستگی یہاں کی غیر اسلامی جمہوریت نواز جماعتوں کی ناپسندیدگی کا باعث بن سکتی ہے، جو کاز کے لئے خطرناک ثابت ہونے کا شدید اندیشہ ہے، اس حوالے سے آپ کا مزید کہنا تھا:

''ہم ارکان کے مظلوم مسلمان ہیں، بنگلا دیش کے تمام عوام، حکومت اور تمام سیاسی، نیم سیاسی، سماجی، ثقافتی اور رفاہی تنظیموں کی حمایت یکساں طور پر حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو ہم ارکانیوں کی ضرورت ہے، اگر ہماری کسی مخصوص اسلامی جماعت سے وابستگی ہوجائے گی تو ظاہر ہے کہ جمہوریت نوازوں کے علاوہ بھی ساری جماعتیں ہماری مخالف ہوجائیں گی''۔

اب رہی مؤدبانہ گزارش حضرت خطیب اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، حضرت مخدومی! آپ حکومت بنگلا دیش کی جانب سے مکلّف ہوں یا نہ ہوں اس سے قطع نظر، کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ بذات خود ایک عظیم عالم دین، راز دار شریعت وطریقت، رہبر ملت وامت اور مسلمانان عالم بشمول ارکانی مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں، آپ کو بس ایک ہی اجلاس میں محمد جعفر حبیب کی غیر حاضری نے اتنے جذباتی، مشتعل اور غصیلے کیوں بنا دیا تھا؟ جب کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ارکان کے مقہور مسلمانوں کے حالات زار ہیں، محمد جعفر حبیب کی ایک مرتبہ کی غیرضری پر آپ کو اتنی جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی، کیوں آپ سے صبر وتحمل کا مظاہرہ نہیں ہوپایا، کیوں آپ نے دوبارہ سہ بارہ کوشش کرنے کی

ضرورت تک نہیں محسوس کی، کیا آپ کے جوش وجذبے سے ارکانی مظلوموں کے پیچیدہ سے پیچیدہ ترین مسائل حل ہو چکے ہیں، ان مسلمانوں کی ساری جماعتیں ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر سرگرم عمل ہو گئے ہیں؟ آپ تو نہ صرف بنگلا دیش بلکہ عالم اسلام کی ایک جانی مانی شخصیت ہیں، قائد ہیں لیڈر ہیں، کیا سیاسی اور ڈپلومیٹک کاموں کو سرانجام دینے کا طریقہ اتنے جذبات بھرا ہوتا اور ہوسکتا ہے؟؟ نہیں حضرت کبھی نہیں!!۔

کیا کہوں اور کس سے کہوں! افسوس ہے کہ ہمارے چھوٹوں کو چھوڑیے! بڑے بڑوں کے مخصوص افتادِ طبع ہی کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے بات بننے کی جگہ مزید بگڑتی اور سلجھنے کے بجائے الجھتی جاتی ہے۔ خاکم بدہن اور گستاخیاں معاف!

برمی حکوت مخالف چند غیر مسلم ارکانی تنظیمیں:

یہاں اس بات کا تذکرہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ ارکان کے عظیم قائد محمد جعفر حبیب کے دور سرگرمی کے آگے پیچھے خود ارکان کے حوالے سے اٹھنے والی غیر مسلم تنظیمیں کتنی تھیں؟ تا کہ اندازہ کیا جا سکے کہ روہنگیا فدائین محاذ یا محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کس سیاسی بھنور وگرداب کا سامنا کرتے ہوئے منزل کی طرف تدریجاً آگے بڑھنے کے لئے کوشاں تھے۔

روہنگیا فدائین محاذ کی سرگرمی سے پہلے ہماری بعض ناقابل فراموش تنظیموں نے بعض ارکانی غیر مسلم تنظیموں سے معاہدے کئے تھے، لیکن ان معاہدوں پر کوئی بھی عمل درآمد نہیں ہو سکا تھا، جس کے مختلف وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خود جن غیر مسلم تنظیموں سے معاہدے کئے گئے تھے ان کے اندر معاہدوں کا پاس ولحاظ رکھنے کی عدم صلاحیت کے علاوہ استقراریت کا شدید فقدان تھا، تو محمد جعفر حبیب کے سامنے ماضی کے ان معاہدوں کے علاوہ ان غیر مسلم تنظیموں کی باقیات کی سرگرمیاں اور کارکردگیاں سورج کی طرح عیاں تھیں، علاوہ ازیں ماضی کے تجربات سے آپ کے سامنے یہ بات بھی کھل کر سامنے آچکی تھی کہ اگر چہ ان غیر مسلم تنظیموں نے بعض وجوہات کی بنیاد پر مسلم ارکانی تنظیموں سے معاہدے کئے تھے، لیکن فرصت ملتے ہی انہوں نے ان معاہدوں کا پاس ولحاظ کئے بغیر مسلمانانِ

ارکان سے عداوت کرنے میں برمی ظالموں کا ساتھ دیا تھا، تو نتیجہ یہی نکلا ہے کہ اگر چہ ان تمام غیر مسلم تنظیمیں برمیوں کی شدید مخالف تھیں لیکن روہنگیا مسلمانوں پر مظالم ڈھانے کا مسئلہ آیا تو آپس میں ہم آہنگ ہو جاتی تھیں، یہ تھی ان کی منافقت، تو ان سارے حقائق نے ان سے معاہدے کے حوالے محمد جعفر حبیب کو ہزار بار سوچنے پر مجبور کر رکھا تھا، آیا ان غیر مسلم تنظیموں سے قریب ہونے یا ان کو قریب لانے میں کوئی فائدہ بھی ہے یا نقصان؟ ورنہ آپ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اگر ارکان کے مسائل حل کرنا ہے تو ان غیر مسلم تنظیموں کا عموماً اور مگھ گروپوں کا خصوصاً تعاون بہت ضروری ہے، ساتھ ہی ساتھ آپ کو اس بات کا بھی بخوبی علم تھا کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے انسانوں کا عموماً اور جیران کا خصوصاً لحاظ کی تلقین کی ہے کہ ان کو کتنے حقوق ومراعات دینا ہے، تو ظاہر ہے کہ محمد جعفر کا سیاسی نظریہ کسی بھی عصبیت سے بالاتر بقائے باہمی، رواداری اور برداشت پر مبنی تھا، یعنی جیو اور جینے دو کا نظریہ، لیکن کیا کہوں غیر مسلم تو غیر مسلم ہوتے ہیں، افسوس ہے کہ آپ کو خود اپنوں نے ہی جینے نہیں دیا، ویسے آپ حسرت ویاس کی ایک دنیا سمیٹے اس دنیا سے رخصت لے چلے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ناقابل فراموش ہے کہ ارکان کی قومیں اور نسلی گروہیں ماضی میں باہم شیر شکر تھے، ایک دوسرے کی کلفت، مصیبت اور دکھ درد میں شریک ہو کر باہمی تعاون اور وطنی اتحاد کے مظاہرے کرتے تھے، ماضی قریب وبعید میں ارکانی قوموں اور نسلی گروہوں کے مابین جنگ وجدال، حرب وضرب اور نفرت وعداوت کی جتنی بھی دلدوز ودلخراش داستانیں ہوئیں، تقریباً سب کی سب برمی وحشیوں اور دہشت گردوں کی انسانیت دشمن فکر وعمل کا نتیجہ تھیں، ان برمی بربر وحشیوں نے سرزمین ارکان کی سرسبز وشاداب چراگاہ میں چرنے کے لئے یہاں کی قوموں اور نسلی گروہوں کو نفرت وعداوت کی اندھیری وادی میں دھکیل دیا تھا، جس کے نتیجے میں برمی شرپسند لوگ اپنے ناپاک عزائم میں اب تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں، بطور خاص آج ارکان کے مسلمان اور مگھوں کے مابین نفرت وعداوت کی جو ہوائیں چالو ہیں ان سے بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ ارکان کی ان دو قوموں نے قیامت تک کے لئے فیصلہ کر لیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ہمیشہ ہمیشہ دشمن ہی رہیں گی۔

بہر کیف ماضی قریب وبعید میں غیر مسلم ارکانیوں کی برمی مخالف تنظیمیں تھیں، جو ہماری طرح بنیں

اور بگڑیں، آج کل تو ارکان آرمی (AA) نامی ایک غیر مسلم تنظیم نے برمی وحشیوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں، آج ۲۰۲۲ء کے دوران بتایا جا رہا ہے کہ اس تنظیم کے پاس باضابطہ تربیت یافتہ مسلح پینتیس ہزار جنگجو موجود ہیں، جو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں، پچھلے چند سالوں سے اس تنظیم نے جس انداز سے برمیوں کے خلاف ارکان کے مختلف مقامات میں چھاپے مار کاروائیاں کی ہیں، وہ بڑے حیران کن ہیں، اس کی مختلف سرگرمیوں سے ایسا لگتا ہے کہ اس تنظیم کے ذریعے مگھوں نے ارکان کو برمیوں سے آزاد کر ہی لیا ہے، ارکان میں ہر کجا اس کی او بھگت ہو رہی ہے، مگھ اس کے بھرپور تعاون کر رہے ہیں، اب ارکان کے موجودہ حالات کے تناظر میں کہا جائے تو یہاں کے مسلمانوں کے حالات آئے دن پیچیدے اور گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں، برمی وحشیوں کا وحشیانہ رویہ ارکان کے مسلمانوں کے حوالے سے تو ظاہر ہے، لیکن ارکان آرمی کا موقف بھی ان مسلمانوں کے حوالے سے کچھ واضح نہیں ہے، شاید اس تنظیم کا موقف بھی وہی ہو جو اس کے پیش رووں کا تھا، اس حوالے سے راقم کی ایک تحریر شاید دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ:

> ''یوں تو ارکانی بودھوں کو برمیوں کے ساتھ رہنا بڑا اگراں گزر رہا ہے، لیکن ان کے دل میں ایک خلش بھی ہے کہ ارکان کو برمیوں سے علیحدہ کر لیا جائے گا تو یہاں کے مقامی بودھوں کے وجود کو مسلمان جلد ختم کر دیں گے، برمیوں سے علیحدگی کی صورت میں مگھوں کے سر سے برمیوں کا سایہ بھی اٹھ جائے گا تو مسلمان بڑے ہی طاقتور ہو جائیں گے، یوں بھی ادھر بنگلا دیش کے کروڑوں مسلمانوں کی حمایت ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کو حاصل ہے، تو یہ ارکانی مسلمان بنگلا دیش کے ان کروڑوں مسلمانوں کی حمایت، مدد اور تعاون سے ارکان پر قبضہ کر کے مقامی بودھوں کو خاک میں ملا دیں گے''۔

ماضی قریب و بعید کی طرح اب بھی ارکانی مگھ لوگ وحشی برمیوں سے زیادہ ارکان کے روہنگیا مسلمانوں سے خائف ہیں اور ان کو اپنا خطرناک دشمن سمجھتے ہیں، چنانچہ اس حوالے سے میرے یہ تحریر بھی ملاحظہ ہو کہ:

> ''چوں کہ ارکانی مگھ بھی بودھ مذہب کے پیرو اور برمی بھی بودھ مذہب کے پرستار ہیں، اسی وجہ سے ارکانی بودھ مذہب کے پیرو ''مگھ'' مسلمانوں کے بجائے برمیوں سے مل کر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، وہ لوگ برمیوں کے سائے میں رہ کر یہاں ان کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے کسی بھی قیمت پر ارکان سے مسلمانوں کے وجود کو ختم کر دینا چاہتے ہیں، تا کہ مستقبل میں یہاں ان کے لئے ایک مگھ بوڈھسٹ حکومت قائم کرنے کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ باقی نہ رہے، یہ لوگ کسی بھی قیمت میں ارکان کو ایک مگھ بوڈھسٹ ریاست دیکھنا چاہتے ہیں، اور مگھ باغی گروپوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ چاٹگام کو بنگلا دیش سے کاٹ کر ارکان میں ملایا جائے اور اس علاقے میں ایک وسیع وعریض آزاد مگھ ریاست قائم کی جائے، اس حوالے سے بعض ارکانی مگھ باغی گروپوں کا چاٹگام کے چکمہ قبائلی باغیوں سے خفیہ اور کبھی کبھار علانیہ روابط بھی تھے اور اب بھی ہیں، یہ دونوں قومیں اس علاقے میں ایک مستقل بودھ ریاست دیکھنے کی بڑی خواہشمند ہیں، شاید اس کی خبر بنگلا دیش کی خفیہ سروس کو بھی ہے، اس شکل میں آج کل ایک اور بڑا خطرہ بنگلا دیش کی فضاء میں منڈلا رہا ہے، جس سے نمٹنا حکومت بنگلا دیش کے لئے بے حد ضروری ہے''۔

بہر حال جو کچھ بھی کیوں نہ ہو کہ محمد جعفر حبیب کے دور سرگرمی میں ارکان کی آزادی کی نسبت سے اٹھ کھڑی ہونے والی کوئی آدھا درجن سے زائد برمی مخالف غیر مسلم تنظیمیں تھیں، جن کی تفصیلات اور وضاحت چونکہ یہاں میرا مقصد نہیں، تاہم چند تنظیموں کا تذکرہ اجمالی طور پر کر دیتا ہوں:

(۱) برما کمیونسٹ پارٹی (BCP) درحقیقت یہ آل برما کمیونسٹ پارٹی کی ایک شاخ تھی، جن کی کوشش صرف ارکان میں خانہ جنگی اور یہاں امن وامان کا خون کرانا ہوتی تھی، ان لوگوں کو روایتی انسانیت دشمن تصور کیا جاتا تھا، جن سے کسی بھی قسم کی بھلائی کا تصور مینڈک سے پانی مانگنے کا مترادف تھا، یہ تنظیم دوسو افراد پر مشتمل تھی، جس میں کوئی ایک سو پچاس لوگ مسلح تھے، آج کل اس نے ہتھیار ڈال دیا ہے۔

(۲) ارکان کمیونسٹ پارٹی (ACP) درحقیقت اے سی پی اور بی سی پی ایک ہی نظریہ کے دو گروپ ہیں، البتہ فرق اس میں صرف اتنا ہے کہ ان دونوں تنظیم کے کسی حد تک نام الگ اور قائدین الگ ہیں، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ارکان کی کمیونسٹ پارٹی اپنے مستقبل میں ارکان کو برما سے الگ تھلک ایک آزاد کمیونسٹ ریاست دیکھنا چاہتی ہے، اور بی سی پی کی کوشش اس سے ذرا ہٹ کر ہے کہ یہ پارٹی پورے برما کے اقتدار پر کنٹرول کر کے روس کی طرح اسے کمیونسٹ نظریات کا حامل ملک دیکھنا چاہتی ہے، اس مقام پر جا کر دونوں کے درمیان کسی حد تک قوم پرستی کا نظریہ ابھرنے لگتا ہے، جس نے ان دونوں تنظیموں کے درمیان اختلاف کی فضا بھی پیدا کر دی ہے، حتی کہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں تنظیم ایک دوسرے کی دشمن ہے۔

(۳) ارکان انڈی پنڈنٹ آرگنائزیشن (AIO) اس تنظیم کی افرادی قوت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس تنظیم کے پاس صرف تیس افراد موجود ہیں، جن میں بس صرف پندرہ افراد ہی مسلح اور باقی غیر مسلح ہیں، یہ لوگ خود کو ارکان کے سب سے زیادہ اور پرعزم انقلابی ہونے کے دعویدار ہیں، یہ لوگ وائی کونگ اور مون خالی کے علاقہ میں رہتے ہیں، جو دریائے ناف کے قریب واقع ہے، اس تنظیم کے ایک لیڈر کا نام چولینگ تھا۔

(۴) ارکان نیشنل لبریشن پارٹی (ANLP) اس تنظیم کے پاس افرادی قوت اور جنگجو تیس ہیں، جن میں بیس مسلح ہیں اور باقی غیر مسلح، جو سرزمین ارکان کو ایک علیحدہ ریاست بنانے کے خواہش مند ہیں، جن کی چاہت ہے کہ کسی بھی قیمت پر ارکان کو برمیوں کے قبضہ سے آزاد کرنا ہی چاہئے، جسے ایک ریاست کی شکل دے کر امن وامان کو یقینی بنایا جا سکے، یہ لوگ شونا سری مگھ فارہ میں رہا کرتے ہیں، کبھی کبھار ان لوگوں پر دباؤ بھی آتا ہے، مگر اس وقت اپنی صفائی دینے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم انقلابی نہیں ہیں۔ کبھی اس کا لیڈر (MAUNG SEIN NYUNI) تھا۔

(۵) یونائیٹڈ نیشنل پارٹی (UNP) اس تنظیم میں مگھوں کی شمولیت نہیں ہے، جس میں چن، مرونگ اور چکمہ قبائل کے لوگ ہیں، بعض ذرائع کے مطابق ان لوگوں کے پاس خود کار ہتھیار بھی ہیں، جو خود تیار کرتے اور علاقے کے لوگوں کو فروخت کر کے پیسے کماتے اور ان سے اپنی زندگی گذارتے ہیں، افرادی

قوت کے متعلق جہاں تک معلوم ہو سکا کہ اس تنظیم کے اندر چالیس سے پچاس افرادی قوت ہے، جن میں کم سے کم تیس افراد مسلح ہیں، یہ لوگ شیاری کے نزدیک رہتے ہیں۔

(۶) ارکان لبریشن پارٹی (ALP) یعنی ارکان لیبریشن پارٹی، افرادی قوت بیس اور بعض رپورٹ کے مطابق ان میں صرف دس افراد مسلح اور باقی غیر مسلح ہیں، اس تنظیم کا ایک مشہور مگھ لیڈر جس کا نام KHANG REKHAING تھا، شاید وہ اب بھی اس تنظیم کا لیڈر رہے۔

ساتواں باب

قائد حبیب اور رابطۃ العالم الاسلامی:

کون نہیں جانتا ہے کہ رابطۃ العالم الاسلامی دنیائے اسلام کا ایک مؤقر ترین ادارہ ہے، جس کی تاسیس دنیا کی مقدس ترین نگری مکہ مکرمہ میں ہوئی، جس کا صدر دفتر بھی وہیں ہے۔ رابطۃ العالم الاسلامی کی ایک لمبی تاریخ ہے، انسانی خدمات کے میدانوں میں اس ادارہ کی نمایاں ترین اور نا قابل فراموش حصہ رہا ہے، انسانیت کے حوالے سے اس ادارہ کی خدمات کو بھولے سے بھی بھلایا نہیں سکتا۔

۱۹۸۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد بنگلا دیش ہجرت کر کے پہنچی تو اس ادارہ نے ان مظلوم روہنگیا مسلمانوں کی خدمت کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اورتو اور مریچہ پالنگ کے مقام پر ان مہاجرین کی طبی سہولیات یا ان کو طبی امداد دینے کے لئے ایک مستقل شفاخانہ کھولا، جو آج بھی جوں کا توں جاری ہے۔

رابطہ کے سابق جنرل سکریٹری دنیائے اسلام کی معروف شخصیت ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (اللہ تعالی ان کی حیات میں برکت دے) کے عہد سکریٹریٹ میں رابطہ کے ساتھ محمد جعفر حبیب کا خوش گوار تعلق ہوا ، اور یہ تعلق رابطہ کے ساتھ عموما اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کے ساتھ خصوصا آئے دن بڑھتا چلا گیا تھا، ویسے ڈاکٹر صاحب کی انمول سرپرستی میں رابطۃ العالم الاسلامی نے دنیائے انسانیت کو عموما اور روہنگیا مظلوم مسلمانوں کو خصوصا جو محبت دی اور جو پیار دیا وہ تاریخ انسانیت کا ایک نا قابل فراموش باب ہے، رابطہ نے ان روہنگیا مظلوموں (ان کا تعلق اندرون وطن سے ہو یا بیرون وطن سے) کی خدمت اور خیر خواہی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، نہ صرف انسانی خدمات بلکہ سیاسی اور اخلاقی مدد بھی بہم پہنچائی، جس کا سلسلہ تا حال بھی باقی ہے، اللہ کرے کہ مسلمانوں کے اس ادارے کا سایہ انسانیت پر عموما

اور مظلوم روہنگیا مسلمانوں پر خصوصا تادیر باقی رہے۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید واحیاء کے بعد رابطہ نے اس کو بھاری مالی تعاون کیا تھا، اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے تو ایک اطلاع کے مطابق اس کی مکمل کفالت کی بھی سوچی تھی، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

۱۹۸۸ء یا ۱۹۸۹ء کے حج کے دوران رابطۃ العالم الاسلامی کے واسطے سے محمد جعفر حبیب اور آپ کے دو ساتھی جناب عبد الغفار صاحب نکھوروی اور ڈاکٹر محمد علی صاحب دھودانگی کو سرکاری مہمان کے بطور حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی توفیق ہوگئی تھی، جنھوں نے حج وزیارت سے فراغت کے بعد ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب سے خصوصی ملاقات کی اور ان کو روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار سے واقف کرانے کے علاوہ روہنگیا فدائین محاذ کی سرگرمیوں کی روداد بھی سنائی، ڈاکٹر صاحب نے آپ سے مل کر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور روہنگیا فدائین محاذ کے لئے کچھ مالی مدد بھی کی۔

محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھیوں کو اس سفر کے دوران دنیائے اسلام کی اور ایک عظیم عالم دین اور بزرگ ترین شخصیت شیخ عبداللہ بن باز (مفتی عام مملکت سعودی عرب) نے سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض بلایا، چوں کہ آپ اور آپ کے دونوں ساتھی سرکاری مہمان تھے، ویسے ان کو ریاض پہنچنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی، بہرحال محمد جعفر حبیب نے حضرت شیخ سے تفصیلی ملاقات کی اور ان کو روہنگیا مسلمانوں کے حالات زار سے مطلع کیا تھا۔

اس کے بعد محمد جعفر حبیب نے سعودی عرب میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے نامور افراد اور تنظیم کے خیر خواہوں سے تفصیلی ملاقاتیں کیں، اس دوران آپ نے ایک موقع میں کہا تھا کہ:

> ”بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی کیسی حالت ہے، ایسی حالت میں ان کے حولے سے کام کرنے والوں کے مابین اتحاد اور ہم آہنگی کی بڑی ضرورت تھی اور ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے چند قابل قدر بھائیوں نے وقتی جذبات میں آ کر اس ضرورت کا خون کر دیا، پھر بھی میری خواہش ہے کہ وہ دوبارہ متحدہ صف میں آ کر کام کریں، میں اور میرے ساتھی ہمیشہ ان کے منتظر رہیں گے“۔

تنظیم برائے اسلامی تعاون (OIC) سے ہماری توقعات:

سرزمین ارکان کے عظیم قائد محمد جعفر حبیب کو تنظیم برائے اسلامی تعاون (OIC) سے بہت ساری توقعات تھیں، آپ نے ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید واحیاء کے بعد اس تنظیم سے رابطہ استوار کیا، جس میں آپ کو کسی قدر کامیابی بھی ہوئی تھی، کاش ہماری یہ تنظیم داخلی خلفشاریوں کی شکار نہ ہوتی اور قائد کو اطمینان سے کام کرنے کا موقع ملتا، شاید قائد کی اس تنظیم سے جو توقعات وابستہ تھیں، کلی طور پر نہ کہوں تو جزوی طور پر سہی پوری ہوسکتیں، بہرکیف اس رابطے کے حوالے سے راقم سطور نے اپنی ایک حالیہ تصنیف ''ارکان کے روہنگیا مسلمان موت وحیات کی کشمکش میں'' میں یوں لکھا ہے کہ:

> راقم سطور کے علم کے مطابق روہنگیا فدائین محاذ کے صدر ہماری تاریخ کے عظیم مرد مجاہد محمد جعفر حبیب مرحوم کے زمانے سے روہنگیا مسلمانوں کے مفاد کے حوالے سے منظمۃ
>) سے رابطہ شروع ہو چکا تھا، جس کے دیگر مقاصد میں سے
> ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ کی اس بین لاقوامی تنظیم میں روہنگیا مسلمانوں کا ایک مقام حاصل ہوجائے، جس کی آخری شکل یا حیثیت مبصر یا مشاہد ہوسکتی ہے، پھر قائد حبیب کے انتقال کے بعد دیگر جماعتوں اور لیڈروں نے ان کا وہی سلسلہ متواتر جاری رکھا اور قومی مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی ،اس حوالے سے عموماً ہمارے دیگر لیڈروں کے علاوہ خاص طور پر محترم نورالاسلام صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) اور مولانا شیخ دین محمد مرحوم اور مولانا شیخ سلیم اللہ عبدالرحمٰن صاحب مرنگلوی حالیہ رہنما روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کی جدوجہد بھی قابل صدستائش اور ناقابل فراموش ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے مستقل اراکین میں ستاون اسلامی ملکوں کو علاوہ مبصرین/ مشاہدین (OBSERVER) میں بھی پانچ ممالک اور آٹھ تنظیمیں ہیں، ان آٹھ تنظیموں میں سے ایک ''مورو لبریشن فرنٹ (MLF) بھی ہے، اگر روہنگیا مسلمانوں کی جانب سے اس میں ممبرشپ پانے کے حوالے سے بروقت صحیح اقدام ہوتا یا ہوسکتا تو اس میں روہنگیا مسلمانوں کو بھی

ممبرشپ حاصل کرنے میں کامیابی مل جاتی، جس سے مورو کی طرح ہنگیا کے بھی بہت فائدے ہوسکتے، یوں محمد جعفر حبیب نے اس مقصد کے حصول کے لئے اس سے رابطہ استوار کیا تھا۔

علاوہ ازیں محمد جعفر حبیب کا اس حوالے سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ چوں کہ اس بین الاقوامی اسلامی تنظیم کے بڑے مقاصد میں سے ایک مقصد: ''تمام مسلم عوام کے وقار، آزادی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے ان کی جدوجہد کو تقویت دینا'' تھا تو روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بھی تو ارکان کے روہنگیا عوام کی عزت ووقار، آزادی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے اٹھی اور اس میدان میں سر دھڑ کی بازیاں لگا رکھی ہے نا!۔

محمد جعفر حبیب کو اس بین الاقوامی اسلامی تنظیم سے ایک یہ توقع بھی تھی کہ اگر یہ تنظیم مسلمانان ارکان وبرما کے حوالے سے روہنگیا فدائین محاذ کے ساتھ تعاون کرے گی تو ارکانی اور برمی مسلمانوں کی درپیش مشکلات ومسائل حل ہونے کا بہت امکان ہے۔

لیکن بڑا افسوس کا مقام کہ محمد جعفر حبیب اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے، جس کے دیگر اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ نہ صرف روہنگیا فدائین محاذ کا دور بلکہ اس کے بعد بھی آج تک روہنگیا مسلمانوں کی کسی بھی ایک تنظیم نے ایک معقول ادارہ (INSTITUTION) کی شکل اختیار نہیں کرسکی، جب کہ ظاہر ہے کہ ہماری تحریک آزادی کے ہر دور میں ہر ایک تنظیم داخلی اختلاف اور خلفشاری کی شکار رہی ہے، جس کی وجہ سے ہم آہنگی اور اتحاد کے برعکس افراتفری، انتشار فکری وعملی کی کیفیت نمایاں رہی، کاش ہماری مختلف جماعات کے ہوتے ہوئے بھی ہماری باہمی رسہ کشی سے بڑھ کر افتراق وعداوت کا سماں نہ ہوتا تو شاید منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں مورو لبریشن فرنٹ کی طرح روہنگیا مسلمانوں کو بھی ممبرشپ حاصل ہو چکا ہوتا۔

روہنگیا فدائین محاذ ۱۹۷۵ء میں تجدید ہوئی تو محمد جعفر حبیب کی امید بڑھ گئی تھی کہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں فدائین محاذ ضرور ممبرشپ حاصل کرلے گی، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کی تجدید ہوئی ابھی چند مہینے بھی گذرنے نہیں پائے کہ اس کے اندر وہی ہماری تاریخی افراتفری اور باہمی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی کہ جس نے ہماری قومی کشتی کو ڈبا کر رکھ دیا تھا، بس چند ناتجربہ کار، جذباتی

اور جوشیلے بظاہر چند لکھے پڑھوں نے محمد جعفر حبیب کے خلاف نبرد آزمائیاں شروع کر دیں، جن کی وجہ سے ہماری قومی تحریک کا شیرازہ بکھر گیا تھا، اس بارے میں عبد الغفار نکھوروی صاحب کا بیان ہے کہ:

''۱۹۷۵ کے بعد چند نوجوانوں کی نا عاقبت اندیشانہ حرکات کی وجہ سے ہماری قومی تنظیم کا شیرازہ بکھر گیا تھا، محمد جعفر حبیب اور آپ کے چند مخلص ساتھیوں نے ہر چند کوشش کی تھی کہ ہمارے مابین اتفاق واتحاد، یک جہتی اور ہم آہنگی کا فروغ ہو، لیکن ہر چند کوششوں کے باوجود ان کو ناکامی ونامرادی کا چہرہ دیکھنا پڑا، صرف یہی نہیں بلکہ ان کی کوششوں کو سراہنے کے بجائے انہیں داغدار بنانے کی کوششیں کی گئی تھیں''۔

محمد جعفر حبیب کے انتقال ۱۹۸۷ء کے بعد ہماری بہت سی تنظیمیں بنیں اور بگڑیں، جنہوں نے اگر چہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) سے رابطہ استوار نے کی بڑی کوشش کی تھی لیکن ۲۰۰۳ء سے پہلے کسی بھی ایک تنظیم سے کام نہیں ہوسکا تھا۔

اللہ تعالی مرحوم مولانا دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی کو جزائے خیر دے، جبھی انہوں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی قیادت سنبھالی تو ان کو سعودی عرب کی ایک سرکاری دعوت ملی، جس کے بعد منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) سے مؤخر الذکر تنظیم کے رابطے کا سلسلہ شروع ہوا، پھر مولانا کے انتقال کے بعد اس سلسلے کو مولانا سلیم اللہ عبد الرحمٰن صاحب مرنگلوی نے مسلسل جاری رکھا تھا، جس کا سلسلہ اب بھی باقی ہے۔

۲۰۱۱ء میں اوآئی سی کے صدر دفتر جدۃ میں مسٹر ہانگ اونگ شوے (ڈائرکٹر یورو برما آفس) کی زیر صدارت ایک اہم قومی اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں روہنگیا مسلمانوں کی چند نمایاں شخصیات کے علاوہ پچیس متحرک اور غیر متحرک جماعتوں نے حصہ لیا، یہاں کئے گئے دوروزہ اجلاس کے نتیجے میں مجلس تنسیقی کے بطور ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد پڑی اور محترم ڈاکٹر وقار الدین بن ماسٹر مسیح الدین صاحب مقیم حال ولایات متحہ امریکہ ڈائرکٹر جنرل (DG) مقرر ہوے۔ یاد رہے کہ روہنگیا مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں اس جلسے کو اپنی نوعیت کا سب سے بڑا قومی جلسہ سمجھا گیا تھا، اس سے پہلے راقم سطور کے ناقص علم کے مطابق کسی بھی ایک بین الاقوامی ادارہ کے صدر دفتر میں روہنگیا مسلمانوں

کا اور کوئی اس جیسا جلسہ منعقد نہیں ہو پایا تھا، جس میں سعودی عرب میں مقیم روہنگیا برادری کی قیادات کے علاوہ پوری دنیا سے جہاں جہاں روہنگیا قوم کی دل جلی قیادت پائی جاتی ہے نمائندگی کی زحمت گوارہ کی، اسی لئے ایک طرف منظمۃ التعاون الاسلامی کے صدر دفتر ہونے اور دوسری طرف روہنگیا مسلمانوں کے بعض اہم لیڈروں کی موجودگی اور حاضری نے اس اجلاس کی اہمیت میں چار چاند لگا دیئے تھے، بہر حال اجلاس کا اختتام ہوا، جس کے متعلق بعض باخبر حلقوں سے مثبت اور منفی تأثرات سامنے آئے تھے۔ اس اجلاس میں شریک ہونے والی روہنگیا تنظیمیں یہ تھیں:

NO	ORGN	COUNTRY	MAME
1	ARNO	UK	NURUL ISLAM
2	RWF	KSA	IBRAHIM ABDUSSATAR
3	KPN	BANGLADESH	FAYAZ AHMED
4	ARDO	KSA	RASHIDUL HAQUE
5	FWF	TURKEY	MD.AYUB HAN
6	RIWA	PAKISTAN	SHABBIR AHMED
7	BRCA	AUSTRALIA	SHAMSUL ISLAM
8	RSO	BANGLADESH	DR. MD. YUNUS
9	BRAUAE	UAE	DR. MD. ALI
10	BROG	GERMANY	MD. IBRAHIM
11	CRCS	BANGLADESH	NURUL ISLAM
12	ORS	USA	RAZAUDDIN
13	RUC	KSA	MV.ABDUL HAFIZ
14	BRAJ	JAPAN	ZAW MIN HTUT
15	RCN	NORWAY	SAYED HUSSAIN
16	BROUK	UK	MAUNG TUN KHIN
17	RSOR	KSA	USTAD SALIM ULLAH

18	BRANA	USA	DR. WAQAR UDDIN
19	ANC	KSA	IMUM AHMED
20	RMWA	KSA	MD. SALIM
21	ITM	BANGLADESH	MD. RAFIQUE
22	RLDB	AUSTRALIA	MD. HAROON
23	RNP	KSA	DR. BASHIR AHMED
24	AHS	BANGLADESH	A.R.M. ENAMULLAH
25	RSM	MALAYSIA	ABDUL HAMID

۲۰۱۱ء کے اس مذکورہ اجلاس کے بعد اگلے دو سال روہنگیا لیڈروں کے مابین اختلافات، باہم دشنام طرازی اور الزام تراشی میں گزر گئے اور ارکان روہنگیا یونین (ARU) دو مخالف و متحارب گروپوں میں تقسیم ہوگئی، بظاہر ایک گروپ کی قیادت محترم اڈووکیٹ نورالاسلام صاحب مقیم حال لندن کر رہے تو دوسرے گروپ کی قیادت یونین کے ڈائرکٹر جنرل پروفیسر ڈاکٹر وقارالدین صاحب (اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائے) کر رہے تھے، ویسے دو سال افراتفری میں گزر جانے کے بعد یونین کا دوسرا ایک اجلاس ۲۰۱۳ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے صدر دفتر میں منعقد کیا گیا، جس میں معارض تنظیموں کو چھوڑ کر درج ذیل منظمات نے شرکت کی تھی:

NO	ORG	FROM	NAME
1	BRCA	AUSTRALIA	MD. ANWAR
2	ITM	BANGLADESH	MD. AYUB
3	BRAUAE	UAE	TAHER JAMAL NADWI
4	FWF	TURKEY	DR. AYUB HAN
5	RSO	BANGLADESH	DR. MD. YUNUS
6	ANC	KSA	SHEK AHMED
7	ARDO	KSA	RASHIDULLAH
8	RNP	KSA	DR. BASHIR AHMED

9	RSOR	KSA	MV.SALIM ULLAH
10	BRAJ	JAPAN	HAROON RASHID
11	ORS	USA	REZA UDDIN
12	SAWC	BURMA	IBRAHIM
13	RLDB	AUSTRALIA	MD.HAROON
14	AHS	BANGLADESH	MV.ABUL FAYAZ KHALIL
15	RUC	KSA	MV.A.HAFIZ
16	RW	KSA	MV.IBRAHIM.A.SATTAR
17	RMWA	KSA	MONIR AHMED
18	RSA	BURMA	MD. KHAN
19	CEO	BURMA	MD.YUNUS
20	RHD	BURNA	DR.TAHIR MOHAMMED
21	MYBUR	BURMA	TAJUDDIN
22	RSL	BURMA	MUJBURRAHMAN
23	RSAR	BURMA	DEEN MOHAMMED
24	AMC	BURMA	NOOR MOHAMMED
25	RYF	KSA	MUSTAFA FARID
26	MLOB	BURMA	NOOR BASHAR
27	RUC	BURMA	ZAINAL ABDEEN
28	ROJD	BURMA	ABDUL BARI
29	RICA	KSA	DR.ILYAS
30	MRC	KSA	FAROQUE SHAH
31	ROEC	KSA	MD. KABIR AHMED
32	RUC	KSA	ABDUL HAFIZ
33	RHRO	BANGLADESH	MD.YUNUS ABADI

34	AWF	BANGLADESH	MD.WAIS JALAL
35	MKI	BANGLADESH	SALAMAT ULLAH
36	SCS	BANGLADESH	SHAFI ULLAH
37	JASC	BANGLADESH	NV. SALAHUL ISLAM
38	ARAB	BANGLADESH	IBRAHIM
39	RSO	BANGLADESH	ABDURRASHID
40	ITM	BANGLADESH	SHAMSHU
41	IRS	BANGLADESH	NOR KAMAL
42	RF	PAKISTAN	ZABIHULLAH QURESHI
43	FRLK	PAKISTAN	NOOR BASHAR
44	RPA	PAKISTAN	KEFAYAT ULLAH
45	RIWA	PAKISTAN	DR. RAFIQUE
46	BRANA	USA	DR. WAQAR UDDIN
47	RABCD	UAE	DR. MD. ALI
48	UWRO	MALAYSIA	GAYAS UDDIN
49	RSA.IIUM	MALAYSIA	HUSSIN AHMED
50	SRGC	SINGAPORE	MAUNG BA
51	RHRO	CHINA	HAJI. HUSSIN AHMED
52	RNOT	THAILAND	ANWAR MUNIR
53	BRCD	DENMARK	MUJIB AHMED
54	RCHR	SWIZERLAND	AZIZUL HOQUE
55	RCPD	LONDON	ABDULLAH JALAL
56	RCJD	NETHERLAND	MD. ILYAS
57	CBRO	CANADA	NOOR HUSSIN
58	FRC	GERMANI	IBRAHIM SHAH

۲۰۱۱ء سے لے کر ۲۰۲۲ء تک کے اس طویل عرصے میں ڈاکٹر وقارالدین صاحب نے روہنگیا مسئلہ کے حوالے سے منظمۃ التعاون الاسلامی کی مدد سے کتنا کام کیا وہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے، کہنے میں تو ڈاکٹر صاحب کا منظمۃ التعاون الاسلامی کے صدر دفتر میں ہمیشہ آنا جانا رہا تھا، لیکن نتیجہ کیا نکلا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، اس حوالے سے کہتے ہیں کہ منظمۃ التعاون الاسلامی کے تعاون سے افریقہ کے مسلم ملک غامبیا نے برما کے خلاف عالمی عدالت میں جو معاملہ دائر کیا ہے اس میں ارکان روہنگیا یونین کی بڑی معاونت ہے، واللہ اعلم۔

جو کچھ بھی کیوں نہ ہو تا دم تحریر بھی روہنگیا مسلمانوں کی بھاری اکثریت منظمۃ التعاون الاسلامی سے یہی امید رکھتی ہے کہ امت مسلمہ کا اتنا بڑا اور اہم بین الاقوامی ادارہ اس مظلوم قوم کی نجات کے حوالے سے کوئی ٹھوس اقدام کرے گا، اللہ کرے یہ ممکن ہو، اس لئے اب ضروری ہے کہ اس ادارہ کے حوالے سے کچھ ضروری معلومات فراہم کی جائیں، تاکہ ناظرین کرام مستفید ہوسکیں۔

منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کا سبب تاسیس:

۲۱/ آگست/ ۱۹۶۹ء کو ایک اسرائیلی باشندہ نے امت مسلمہ کے قبلۂ اول مسجد اقصی کے ایک حصہ پر آگ لگادی، جس نے مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے دیگر انسان دوست عوام کو صدمہ پہنچایا، تو اس واقعۂ جان سوز پر غور وفکر کرنے کے لئے ۲۲/ تا ۲۵/ ستمبر/ ۱۹۶۹ء میں مراکش کے صدر مقام ''رباط'' میں اسلامی ممالک کے چوبیس سربراہان اکھٹے ہوئے، جس کی صدارت اس وقت کے مراکشی صدر مرحوم شاہ حسین ثانی نے کی، اس کانفرنس میں مسجد اقصی کے سانحے اور مسئلۂ فلسطین پر غور خوض کے علاوہ اسلامی ملکوں کی ایک مستقل تنظیم بنانے پر اتفاق کیا گیا، جس کا مستقل صدر دفتر جدہ میں ہونا بھی قرار پایا، اور اس کانفرنس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کے اگلے اجلاس میں تنظیم کا منشور اور انتظامی ڈھانچہ مرتب کیا جائے گا۔

اس فیصلہ کے مطابق اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کا اجلاس ۲۳/ مارچ/ ۱۹۷۰ء کو جدہ میں منعقد

ہوا، جس کا افتتاح شاہ فیصل بن عبدالعزیز نے کیا، اس اجلاس میں دیگر امور کے علاوہ اسلامی کانفرنس (یاد رہے کہ منظمۃ التعاون الاسلامی کا سابق نام اسلامی کانفرنس تھا) منشور منظور کیا گیا، اور یہ بھی طے پایا کہ وزرائے خارجہ کا اجلاس ہر سال منعقد کیا جائے گا، ویسے اسلامی ممالک کے وزرائے خاجہ کا دوسرا اجلاس ۲۶ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو پاکستان کے معروف شہر کراچی میں منعقد ہوا، جس میں دیگر اہم فیصلوں کے ساتھ جدہ میں مستقل اسلامی سکریٹریٹ قائم کرنے کی تجویز پاس کی گئی تھی۔

او آئی سی کے اراکین کی تعداد ستاون (۵۷) ہے، جو کرۂ ارضی کے بائیس (۲۲) فیصد رقبے پر مشتمل ہیں، دنیا میں ایک ارب پچاس کروڑ مسلمان آباد ہیں، جو عالمی آبادی کا تقریبا پچیس فیصد ہیں، جب کہ دنیا کے ستر فیصد تیل کے ذخائر مسلم ممالک کے پاس ہیں، علاوہ ازیں پچاس فیصد گیس کی پیداوار بھی مسلم ممالک میں ہوتی ہے، بظاہر معاشی اور افرادی قوت کے لحاظ سے مضبوط دنیائے اسلام نے اب تک متحد ہونے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا، تاہم دنیائے اسلام کی اس تنظیم کو مضبوط اور فعال بنانے کے لئے کوششیں بھی کی جا رہی ہیں، خدا کرے کہ یہ کوششیں کامیابی سے ہم کنار ہوسکیں۔

منظمۃ التعاون الاسلامی کے مقاصد:

۱۔ رکن ممالک کے درمیان اسلامی اتحاد کو فروغ دینا۔
۲۔ رکن ممالک کے درمیان اقتصادی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور تمام اہم شعبوں میں تعاون کو مستحکم کرنا، اور دوسری عالمی تنظیموں میں شامل رکن ممالک کے درمیان صلاح و مشورے کا بندوبست کرنا۔
۳۔ نسلی منافرت، امتیاز اور استعمار کی تمام شکلوں کے خاتمے کی کوشش کرنا۔
۴۔ انصاف پر مبنی عالمی امن و سلامتی کی حمایت میں تمام ضروری تدابیر اختیار کرنا۔
۵۔ مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے کوششوں کو مربوط کرنا۔
۶۔ تمام مسلم عوام کے وقار، آزادی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے ان کی جدوجہد کو تقویت دینا۔
۷۔ رکن ممالک اور دوسرے ملکوں کے درمیان تعاون و مفاہمت کو فروغ دینا۔

منظمۃ التعاون الاسلامی کے اصول:

متذکرہ مقاصد کو درج ذیل اصولوں کی روشنی میں حاصل کیا جاسکتا ہے:

۱۔ تمام رکن ممالک کی حیثیت مساوی ہوگی۔
۲۔ رکن ممالک کے حق خود اختیاری کا احترام کیا جائے گا، اور ان کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول پر عمل کیا جائے گا۔
۳۔ تمام رکن ممالک کی آزادی، خودمختاری اور علاقائی سلمیت کا احترام کیا جائے گا۔
۴۔ تمام باہمی اختلافات کو پر امن طریقے سے حل کرنے کے لئے مذاکرات، ثالثی، مصالحت اور مفاہمت کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔
۵۔ رکن ممالک کے خلاف دھمکی، یا علاقائی سلمیت، قومی وحدت اور سیاسی آزادی کے خلاف طاقت کے استعمال سے اجتناب کیا جائے گا۔

منظمۃ التعاون الاسلامی کی تنظیم نے اپنے قیام سے لے کر اب تک طے شدہ اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے بنیادی اصولوں سے رہنمائی حاصل کی ہے اور اس تنظیم نے ایک ایسے بلاک کی تشکیل دی ہے کہ جس کی اہمیت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔

منظمۃ التعاون الاسلامی کے ادارے:

منظمۃ التعاون الاسلامی کے درج ذیل تین ادارے ہیں:

۱۔ اسلامی سربراہی کانفرنس: یہ اس تنظیم کا اعلی ترین اور بااختیار ادارہ ہے، جس میں صرف اہم فیصلے ہی نہیں کئے جاتے بلکہ انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے بعض اقدامات بھی کئے جاتے ہیں، اسلامی سربراہی کانفرنس کا منعقدہ ۱۹۸۱ء کے فیصلے کے مطابق اب اسلامی سربراہوں کی کانفرنس ہر تین سال بعد منعقد ہوتی ہے۔
۲۔ اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس: یہ تنظیم کی عمومی حکمت عملی کا جائزہ لینے اور اس پر عمل درآمد کرانے

کے لئے وزرائے خارجہ کی کانفرنس ہر سال منعقد ہوتی ہے، اور بوقت ضرورت خصوصی کانفرنس بھی بلائی جاسکتی ہے، اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں مختلف ایجنڈے تیار ہوتے ہیں، جنہیں بعد ازاں اسلامی سربراہی کانفرنس میں پیش کیا جاتا ہے، سربراہی کانفرنس میں پاس ہونے کے بعد انہیں عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔

۳۔ اسلامی سکریٹریٹ: منظمۃ التعاون الاسلامی کی تنظیم کا انتظامی شعبہ کو اسلامی سکریٹریٹ کہا جاتا ہے، یہ جدہ میں قائم ہے، جو سکریٹری جنرل کی سربراہی میں کام کرتا ہے، تاسیس سے لے کر ۲۰۱۶ء تک درج ذیل حضرات سکریٹری جنرل بن چکے ہیں:

عدد	اسمائے گرامی	ممالک	مدت خدمات
۱	تنکو عبدالرحمٰن	ملائشیا	۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۳ء
۲	حسن التہامی	مصر	۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۵ء
۳	ڈاکٹر عماد کریم گائی	سینیگال	۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۹ء
۴	حبیب شطی	تیونس	۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۴ء
۵	شریف الدین پیرزادہ	پاکستان	۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۸ء
۶	ڈاکٹر حامد الغابد	نائجیریا	۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۶ء
۷	ڈاکٹر عزالدین لاراکی	مراکش	۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۰ء
۸	ڈاکٹر عبدالواحد بلقزیز	مراکش	۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء
۹	ڈاکٹر اکمل الدین اوغولو	ترکی	۲۰۰۴ء تا ۲۰۱۴ء
۱۰	ایاد بن امین المدنی	سعودیہ	۲۰۱۴ء تا ۲۰۱۶ء
۱۱	ڈاکٹر یوسف العثیمین	سعودیہ	۲۰۱۶ء۔۔۔کے بعد

منظمۃ التعاون الاسلامی کی قائمہ کمیٹیاں:

۱۔ القدس یعنی یروشلم کمیٹی۔
۲۔ قائمہ کمیٹی برائے اطلاعات وثقافتی امور۔
۳۔ قائمہ کمیٹی برائے اقتصادی وتجارتی تعاون۔
۴۔ قائمہ کمیٹی برائے سائنس اور ٹکنیکی تعاون۔
۵۔ قائمہ کمیٹی برائے ثقافتی وسماجی امور۔
۶۔ مستقل مالیاتی کمیٹی۔
۷۔ شعبہ برائے مالیاتی کنٹرول۔

منظمۃ التعاون الاسلامی کے ذیلی ادارے:

۱۔ شماریاتی، اقتصادی ومعاشرتی تحقیق وتربیت کا مرکز برائے اسلامی ممالک، انقرہ، ترکی۔
۲۔ تحقیق برائے اسلامی تاریخ، آرٹ اور ثقافت، انقرہ، ترکی۔
۳۔ اسلامک یونیورسٹی آف ٹکنالوجی، ڈھاکہ، بنگلادیش۔
۴۔ اسلامی مراکز برائے تجارتی ترقی، کاسابلانکا، مراکش۔
۵۔ اسلامی فقہ اکیڈمی، جدہ، سعودی عرب۔
۶۔ اسلامی یک جہتی فنڈ کا ایکزیکیوٹو بیورو، جدہ، سعودی عرب۔
۷۔ اسلامی یونیورسٹی آف نائجیریا، سائے، نائجیریا۔
۸۔ اسلامی یونیورسٹی آف یوگنڈا، امبیل، یوگنڈا۔

منظمۃ التعاون الاسلامی کے ملحقہ ادارے:

۱۔ اسلامی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری۔ کراچی، پاکستان۔

۲۔ اسلامی دارالحکومتوں اور شہروں کی تنظیم، جدہ، سعودی عرب۔

۳۔ اسلامی یک جہتی کھیلوں کی ''اسپورٹ فیڈریشن'' ریاض، سعودی عرب۔

۴۔ بین الاقوامی ہلال احمر کی اسلامی کمیٹی، بن غازی، لیبیا۔۔

۵۔ اسلامی شپ اونرز ایسوسی ایشن، جدہ، سعودی عرب۔

۶۔ اسلامی بنکوں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن، جدہ، سعودی عرب۔

۷۔ عرب اسلامی اسکولوں کی والڈ فیڈریشن، جدہ، سعودی، عرب۔

۸۔ اسلامک کانفرنس یوتھ فورم برائے ڈائلاک اینڈ کواپریشن، استنبول، ترکی۔

اسلامی سربراہی کانفرنسیں:

عدد	اجلاس/کانفرنس	مقام کانفرنس	تاریخ وسنہ
۱	پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس	رباط، مراکش۔	ستمبر/۱۹۶۹ء
۲	دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس	لاہور، پاکستان۔	فروری/۱۹۷۴ء
۳	تیسری اسلامی سربراہی کانفرنس	مکہ مکرمہ، سعودی عرب	جنوری/۱۹۸۱ء
۴	چوتھی اسلامی سربراہی کانفرنس:	کاسابلانکا، مراکش	جنوری/۱۹۸۴ء
۵	پانچویں اسلامی سربراہی کانفرنس	کویت سیٹی، کویت	جنوری/۱۹۸۷ء
۶	چھٹی اسلامی سربراہی کانفرنس	ڈاکار، سینگال	دسمبر/۱۹۹۱ء
۷	بابری مسجد پر ہنگامی اجلاس	ڈاکار، سینگال	جنوری/۱۹۹۳ء
۸	ساتویں اسلامی سربراہی کانفرنس	کاسابلانکا، مراکش	دسمبر/۱۹۹۴
۹	آٹھویں اسلامی سربراہی کانفرنس	تہران، ایران	دسمبر/۱۹۹۷ء
۱۰	نویں اسلامی سربراہی کانفرنس	دوحہ، قطر	نومبر/۱۹۹۹ء
۱۱	عراقی بحران پر خصوصی اجلاس	دوحہ، قطر	مارچ/۲۰۰۳ء
۱۲	دسویں اسلامی سربراہی کانفرنس	پتراجایا، ملائشیا	اکتوبر/۲۰۰۳ء

۱۳	توہین آمیز خاکوں پر غیر معمولی اجلاس	مکہ مکرمہ، سعودی عرب	دسمبر/۲۰۰۵ء
۱۴	مسئلہ لبنان پر خصوصی اجلاس	پتراجایا، ملائشیا	آگست/۲۰۰۶ء
۱۵	غزہ کے مسئلہ پر ہنگامی اجلاس	جدہ، سعودی عرب	فروری/۲۰۰۸ء
۱۶	گیارھویں اسلامی سربراہی کانفرنس	ڈاکار، سینگال	مارچ/۲۰۰۸ء

منظمۃ التعاون الاسلامی کی خدمات کا مختصر جائزہ:

پچھلی سطور میں یہ بات گزر چکی ہے کہ پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس جو مراکش کے شہر رباط میں ہوئی تھی اس میں صرف چوبیس مسلم ممالک شریک ہوئے تھے، جب کہ مارچ ۲۰۰۸ء میں ڈاکار میں منعقدہ کانفرنس میں ستاون اسلامی ممالک نے شرکت کی تھی۔

اسلامی کانفرنس کا مزاج روز اول سے ایک خاص شکل رکھتا ہے، جو ابھی بھی اپنی اصل شکل میں قائم ہے، صرف ۱۹۷۴ء میں دوسری سربراہی کانفرنس منعقدہ لاہور کا انداز ومزاج قدرے مختلف تھا، کیوں کہ اس کانفرنس میں دنیائے اسلام کے چند مخلص سربراہان شریک تھے، جب کہ آج تک ان مخلصین کو راستے سے ہٹایا بھی جا چکا ہے، یوں ان قدآور اور مخلص سربراہاں کے ہٹائے جانے کے بعد اس کانفرنس کا سابقہ مزاج بحال ہو چکا ہے۔

یہ بات سورج کی طرح عیاں ہے کہ سابق اسلامی کانفرنس اور حالیہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) مجموعی طور پر دنیائے اسلام کے لئے ایک مفید تنظیم ہے، یہ دنیائے اسلام کا آج تک سب سے بڑا فورم ہے، جس کے بہت سارے ذیلی ادارے بطور خاص پیشہ وارانہ شعبوں میں کسی قدر کام انجام دے رہے ہیں، یہ اقوام متحدہ اور ناوابستہ ممالک کی تحریک کے بعد اقوام عالم کا ایک بڑا گروپ ہے، جس کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلم ممالک اور اہم تنظیمیں اس فورم میں بطور رکن یا مبصر شامل ہیں۔

لیکن یہ بڑا افسوس کا مقام ہے کہ نہ تو یہ تنظیم مکمل داخلی وحدت (جس کی عالم اسلام اور مسلم امۃ کو

شدید ضرورت ہے) کی نعمت سے مالا مال ہے اور نہ ہی یہ کوئی انقلابی فکر کی حامل ہے، جو عالم اسلامی کے حقیقی اور جوہری ادراک رکھتی ہو، یا یہاں پائے جانے والے مسائل کے حل کی استعداد اور آمادگی سے بہرہ ور ہو۔

یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے یہ ادارہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ایسے طاقتوں کے زیر اثر ہے جو مخصوص بین الاقوامی نقطۂ نظر رکھتے ہوں، اور جن کی خاص عالمی ترجیحات ہیں، پھر اس تنظیم میں ہر طرح کے مسلمان حکمران، بادشاہ، امیر، منتخب اور غیر منتخب حکمران شامل ہیں، جن کی اپنی اپنی ذات اور اپنے اپنے ممالک کے حوالے سے اپنی اپنی داخلی مصلحتیں، ضرورتیں، مجبوریاں اور ترجیحات ہیں، اس لئے یہ تنظیم اپنی ساخت کے حوالے سے شروع ہی سے آج تک ایک غیر انقلابی اور قدامت پرست اسٹیٹس (STATUSGUE) کی محافظ اور حد سے زیادہ اعتدال پسند ہے۔

پھر اس میں تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوتے ہیں، ویسے بھی ظاہر ہے کہ عمومی طور پر اتفاق رائے کا اصول جس تنظیم یا جس ادارے پر لاگو ہو اس سے یہ فائدہ تو ہوتا ہے کہ اس میں بڑے بڑے اختلافات نہیں ابھرتے لیکن اس سے یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ اس کے تمام اراکین کے مصلحتوں کو ملوظ رکھنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے کسی بھی معاملہ میں صرف ایک حد تک ہی پیش رفت ہوسکتی ہے، یوں بارہا دیکھا گیا ہے کہ منظمۃ التعاون الاسلامی اس بحران کی شکار ہے۔

ویسے منظمۃ التعاون الاسلامی کی تنظیم مسلم ممالک کے درمیان یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے، اور مسلم ممالک کے مابین پائے جانے والے مختلف تنازعات میں کوئی بھی فیصلہ کن کام کرنے سے قاصر ہے، ۱۹۸۱ء میں یروشلم اور مقبوضہ فلسطینی علاقوں کی آزادی کی کوششوں کو دگنا کرنے کے ساتھ مسلم ممالک کی طرف سے اسرائیل کی معاشی بائکاٹ کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس زمانے میں خود کئی مسلم ممالک نے اسرائیل کے ساتھ معاشی روابط استوار کر لئے تھے اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی یہ تنظیم ان ممالک کے خلاف کوئی بھی کاروائی نہ کرسکی، صرف یہی نہیں بلکہ رکن ممالک کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کے حل کے لئے بھی کوئی ٹھوس اور کامیاب کوشش نہیں کی جاسکی تھی، چاہے ماضی میں ایران اعراق کی نو سالہ جنگ کا معاملہ ہو یا عراق کی صدام حسین حکومت کی طرف سے

کویت پر حملے کا معاملہ ہو، یہ اور ان جیسے دیگر معاملات میں منظمۃ التعاون الاسلامی کی یہ تنظیم کوئی بھی مؤثر کردار ادا کرتی نظر نہیں آئی، اگر صورت حال ایسی ہے تو اس کے وجود کا جواز کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے ؟ یوں آج اس تنظیم کی افادیت کا سوال ہے۔

بڑے دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اس تنظیم میں شامل چند ممالک ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں، یہ ممالک اپنے مستقبل کو اپنے کردار کی وجہ سے تاریک بنا رہے ہیں اور دنیا کی ساری اسلام دشمن قوتیں ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہی ہیں، ہر چند کہ مسلم ممالک اور مسلمانوں کے آپسی معاملات (ان کا تعلق لبنان، فلسطین، عراق، افغانستان، مصر، لیبیا اور تیونس وغیرہ سے ہو) میں منظمۃ التعاون الاسلامی کی یہ تنظیم بدقسمتی سے کوئی فعال کردار ادا کرنے سے شدید قاصر رہا ہے، حتی کہ وہ سرے سے اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کے آپسی معاملات کو حل کرسکے۔

منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کو اس مذکورہ پس منظر یا حالیہ تناظر میں دیکھا جائے تو اس کا وجود و عدم برابر نظر آتا ہے، اگر موجودہ صورت حال میں اسلامی ممالک اپنی اس بین الاقوامی تنظیم کو امت مسلمہ کی خواہش، توقعات اور امیدوں کے مطابق نہ بنا سکے تو یہ تنظیم ناکامیوں اور نامرادیوں کا داغ لئے (خدانہ کرے) کالعدم ہوجائے گی۔

لیکن اب بھی وقت ہے کہ تمام مسلم ممالک اسلامی اخوت اور باہمی اتفاق و اتحاد کو آواز دیں، اور قرون اولی کی طرح اسلامی غیرت ونخوت اور اسلامی اخوت و جذبات سے سرشار ہوکر اٹھ کھڑے ہوں تو طاغوت کی ساری طاقتیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائیں گی۔

اعلان مکہ ۲۰۰۵ء:

دور حاضر میں اسلام اور مسلم ممالک کے درپیش مسائل سے نمٹنے کے حوالے سے متعین طریقۂ کار اختیار کرنے کے لئے ۷/اور ۸/ دسمبر/ ۲۰۰۵ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کا غیر معمولی اجلاس مکہ مکرمہ میں بلایا گیا تھا، جس کے اختتام پر اعلان مکہ جاری کرتے ہوئے واضح کیا گیا کہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کی تنظیم اسلام کے خلاف سازشوں کا مل جل کر مقابلہ کرے گی، کہیں اور کبھی

بھی اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس اجلاس میں مغربی پریس کی جانب سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ بطور خاص ڈنمارک کے اخبار کی طرف سے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کو افسوسناک فعل قرار دیا گیا تھا۔

اس اعلان میں اسلام کی عظمت رفتہ کے حصول کے لئے جدوجہد کا عندیہ دیا گیا تھا، ساتھ ہی ساتھ مسلم ممالک کی طرف سے دہشت گردی کے خاتمے کے لئے ممکن اقدامات کا وعدہ بھی کیا گیا تھا، پھر نئے تعلیمی نصاب کو رواداری اور برداشت، افہام وتفہیم پر مبنی کرنے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے لائحۂ عمل ترتیب دینے کے علاوہ اعتدال پسندی، مذہبی رواداری جیسی اقدار کو فروغ دینے کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔

اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ دور حاضر میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام اور مغرب کے مابین مکالمہ یعنی ڈائیلاک ہو، تاکہ مختلف تہذیبیں محاذ آرائی کے بجائے مصالحت کی طرف راغب ہوں، اس کے علاوہ اسلامی اور یوروپی ممالک کے ذرائع ابلاغ کے درمیان مراسم اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی جستجو پر بھی زور دیا گیا تھا۔

گیارھویں سربراہی کانفرنس:

گیارھویں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ ڈاکار (سینگال) ۲۰۰۸ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) نے ادارے کی تشکیل نو کرنے اور اس کی فیصلہ سازی کی قوت میں تیزی لانے کے لئے ایسے نئے چارٹر کی منظوری دی جو رکن ممالک کے درمیان برسوں کی بحث وتمحیص کے بعد تیار کیا گیا تھا، پرانے چارٹر میں اس کے تمام فیصلوں کا متفقہ ہونا ضروری تھا، (تذکرہ پچھلی سطور میں کیا گیا ہے) جب کہ نئے چارٹر میں کسی بھی فیصلے کے لئے دوتہائی اکثریت کا ہونا قرار دیا گیا تھا، اس کے علاوہ:

۱۔ فلسطینیوں کا حق خودارادیت کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا تھا۔

۲۔ شام اور ایران پر امریکی پابندی کی مذمت کی گئی تھی۔

۳۔ مسئلۂ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قرارداد کی روشنی میں حل کرنے کو کہا گیا تھا۔

۴۔ دہشت گردی (جو دنیا میں ایک وباء بن کر پھیلی ہے، ہو نہ ہو بہر حال مسلمانوں کو ملزم ٹھہرایا جاتا رہا ہے) کی ہر شکل کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے عالم اسلام اور مسیحی دنیا کے درمیان عالمی سطح پر مکالمہ کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا، جس میں دانشوروں اور مذہبی رہنما اُن کے علاوہ حکومتی نمائندے بھی شامل ہوں، اس سے نہ صرف دو مذہب کے مابین مفاہمت کے عمل کو فروغ ملے گا بلکہ تہذیبوں کے تصادم کا خودساختہ نظریہ بھی اپنی موت آپ مرجائے گا، یہ ایک خوش آئین بات تھی لیکن یہ کتنی آگے بڑھ سکی وہ بھی اس تنظیم کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔

منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے اراکین:

منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے اراکین میں ستاون مسلم ممالک شامل ہیں:

ایشیا کے ستائیس ممالک:

(۱) آذربائیجان (۲) اردن (۳) ازبکستان (۴) افغانستان (۵) انڈونیشیا (۶) ایران (۷) بحرین (۸) برونائی دارالسلام (۹) بنگلادیش (۱۰) پاکستان (۱۱) تاجکستان (۱۲) ترکمانستان (۱۳) ترکی (۱۴) سعودی عرب (۱۵) شام (۱۶) عراق (۱۷) عمان (۱۸) فلسطین (۱۹) قازقستان (۲۰) قطر (۲۱) کرغیزستان (۲۲) کویت (۲۳) مالدیپ (۲۴) متحدہ عرب امارات (۲۵) ملائشیا (۲۶) یمن (۲۷) لبنان۔

افریقہ کے ستائیس ممالک:

(۱) الجیریا (۲) برکینا فاسو (۳) بنین (۴) تیونس (۵) ٹوگو (۶) جبوتی (۷) چاڈ (۸) سودان (۹) سرالیون (۱۰) سینگال (۱۱) صومالیہ (۱۲) کوٹے ڈی آئیوری (۱۳) کوموروس (۱۴) کیمرون (۱۵) گنی (۱۶) گنی بساؤ (۱۷) گیبون (۱۸) غامبیا (۱۹) لیبیا (۲۰) موریطانیہ (۲۱) مالی (۲۲) مراکش (۲۳) مصر (۲۴) موزمبیق (۲۵) نائجیریا (۲۶) نیجر (۲۷) یوگنڈا۔

جنوبی امریکہ کے دو ممالک:

(۱) سرینام (۲) گیانا۔

یوروپ کاایک ملک: (۱) البانیہ۔

مبصرین (OBSERVER) جن میں پانچ ممالک اور آٹھ تنظیمیں ہیں:

(۱) شمالی قبرص (۲) بوسنیا و ہرزگوینا (۳) وسطی افریقہ (۴) تھائی لینڈ (۵) روس (۶) عرب لیگ (۷) اقوام متحدہ (۸) ناوابستہ تحریک (۹) افریقی یونین (۱۰) مورولبریشن فرنٹ (۱۱) اقتصادی تعاون کی تنظیم (۱۲) پارلیمنٹری یونین آف (OIC) ممبر اسٹیٹس (۱۳) اسلامک کانفرنس یوتھ فورم فار ڈائیلاک اینڈ کواپریشن۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے ساتھ لیبیا کا تعلق:

بعض ذرائع کے مطابق روہنگیا فدائین محاذ کا عرب اسلامی ملک لیبیا سے ۱۹۷۵ء میں تعلق ہوا تھا، جس میں محمد جعفر حبیب کی جدوجہد کا نمایاں حصہ رہا، محاذ کی تجدید واحیاء کے بعد محمد جعفر حبیب نے کوشش کی کہ کسی بھی طرح اس وقت کے مشہور انقلابی اور انقلاب حامی عرب اسلامی ملک لیبیا سے تعلق ہوجائے، چنانچہ اس کوشش میں آپ کامیاب ہوچکے تھے، ظاہر ہے کہ لیبیا کے سابق مرحوم صدر معمر القذافی اپنے سیاسی، معاشی اور فکری نظریہ ''النظریۃ العالمیۃ الثالثۃ'' کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ایک مسلم قائد تھے، جنہوں نے دنیا بھر کی مظلوم قوموں کی مدد کی تھی، ویسے اس سلسلے میں اور تو اور روہنگیا مسلمانوں کی فلاح ونجات کے حوالے سے اٹھنے والی تنظیم ''روہنگیا فدائین محاذ'' کے بھرپور تعاون ومدد کی ٹھان لی تھی، اس سلسلے میں انہوں نے قابل قدر خدمات بھی کی تھیں۔

بعد میں روہنگیا فدائین محاذ کے قائد محمد جعفر حبیب نے معمر القذافی سے ملاقات بھی کی، جس میں آپ کو لیبیا کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا گیا تھا، اور جس کا سلسلہ ۱۹۸۶ء تک برابر جاری رہا، اگر ۱۹۸۵ء کے اواخر میں روہنگیا فدائین محاذ میں اختلافات رونما نہ ہوتے اور بطور خاص محاذ کی اعلی قیادتوں کے درمیان تناؤ اور رسہ کشی نہ ہوئی ہوتی تو اس تعاون وامداد کا سلسلہ برابر جاری رہتا، افسوس ہے کہ محاذ کے دو قائدین محمد جعفر حبیب اور شبیر حسین صاحب کے مابین ہونے والی تناؤ اور رسہ کشی اور اس کے نتیجے میں محاذ میں افراتفری نے اس تعاون وامداد کے سلسلوں کو ختم کرکے رکھ دیا تھا۔

لیبیا میں سیاسی وعسکری تربیت کا پروگرام:

لیبیا کے صدر معمر القذافی اور کرنل عبدالسلام جلود نے روہنگیا مظلوم مسلمانوں کے حق میں اٹھنے والی تنظیم ''روہنگیا فدائین محاذ'' کی طرف خاص توجہ دی تھی، اس سلسلے میں دونوں لیڈروں نے محمد جعفر حبیب اور بعد میں شبیر حسین صاحب اور ان کے رفقائے کار کو بھرپور مالی اور عسکری تعاون کا عندیہ دیا تھا، اور کچھ نقد تعاون کر بھی دکھایا تھا، اس تعاون کے سلسلے میں حکومت لیبیا نے فیصلہ کیا کہ دوسری تیسری امداد وتعاون سے پہلے روہنگیا فدائین محاذ کے افراد کو سیاسی اور عسکری اعتبار سے تیار کرنا ہوگا، تاکہ یہ تنظیم صحیح معنی میں کام کرنے کی اہل بن سکے۔

غالباً ۱۹۷۵ء کے فوراً بعد لیبیا کا یہ سلسلہ جاری نہ ہوسکا، لیکن بعد میں ایسا جاری ہوا کہ اس میں کہیں ٹھہراؤ کا نام تک نہیں آرہا تھا، لیبیا نے روہنگیا فدائین محاذ کے یکے بعد دیگرے جوانوں کے چار گروپ کو سیاسی تربیت دی، جس میں اور تو اور محاذ کی اعلی قیادتوں نے بھی شرکت کی تھی۔

ساتھ ہی ساتھ روہنگیا مجاہدین کو بھی لیبیا نے عسکری تربیت دینا شروع کردیا تھا، محترم محمد امین صاحب کینسوی (سابق کمانڈر روہنگیا فدائین محاذ) کے بیان کے مطابق یہ تربیتی پروگرام ۱۹۸۶ء کے ابتدائی مہینوں تک مسلسل جاری تھا، جس میں یکے بعد دیگرے روہنگیا نوجوانوں کے آٹھ گروپوں نے حصہ لیا تھا۔

بعض باوثوق ذرائع کے مطابق ان عسکری تربیتی پروگراموں میں روہنگیا کے علاوہ دیگر مظلوم اقوام کے نوجوانوں نے بھی حصہ لیا تھا، جن میں روہنگیا نوجوانوں نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔

محاذ میں بحران اور محمد جعفر حبیب کی معزولی:

۱۹۸۶ء کے ابتدائی مہینوں تک ایک طرف لیبیا میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) والوں کی سیاسی وعسکری تربیت چل رہی تھی، تو دوسری طرف رابطۃ العالم الاسلامی اور منظمۃ التعاون لاسلامی (OIC) کے ساتھ مراسم بھی جاری تھا، ایسے حالات میں راہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی اعلی قیادتوں کے

درمیان پھر رسہ کشی شروع ہوگئی، اس رسہ کشی میں ایک جانب محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار تھے تو دوسری جانب آپ کے دیرینہ ساتھی اور رفیق سفر جناب شبیر حسین صاحب فوٹما لوی اور ان کے ہم نوا تھے۔

۱۹۷۹ء کے ابتدائی مہینوں سے ۱۹۸۶ء کے ابتدائی مہینوں تک روہنگیا فدائین محاذ سیاسی، انقلابی اور عسکری اعتبار سے خاطر خواہ ترقی پذیر رہی تھی، محترم نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ کی روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی کے بعد جناب شبیر حسین صاحب کو بلا کر محمد جعفر حبیب نے سینے سے لگا یا لیا تھا، لیکن ۱۹۸۵ء میں جناب شبیر حسین صاحب اور ان کے ہم نواؤں نے محمد جعفر حبیب پر وہی الزم لگانا شروع کیا جو اس سے پہلے نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ نے لگایا تھا، تاہم اب کی بار آپ پر جو الزامات لگائے گئے تھے ان پر امعان نظر سے سوچا جائے تو چند چیزیں سامنے آتی ہیں کہ:

۱۔ جہاں تک اندازہ ہوا کہ محمد جعفر حبیب ایک زیرک، ہشیار اور مسائل کے تہ میں اتر کر سوچنے والے لیڈر تھے، آپ کسی بھی کام کو جوش سے نہیں ہوش سے کرنے کے حامی تھے، آپ کا نقطۂ نظر اس کام کی طبیعت کے حوالے سے کچھ ایسا تھا کہ یہاں جذباتیات سے بلند ہوکر عقلمندی، زیرکی اور ہوشمندی سے کام لینا ضروری ہے، نرے جذبات کے ذریعے مسائل کو حل کبھی نہیں کیا سکتا، اگر اس نوعیت کے کام کو جذبات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا نتیجہ بھیانک اور منفی نکلنے کا شدید خطرہ اور اندیشہ ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے لوگ بڑے بے صبر ہوتے ہیں، ہر موقع پر رہنما اور قائد سے بڑھ کر سوچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے تو محمد جعفر حبیب پر الزام لگایا گیا تھا کہ کہ آپ بڑے سست اور غافل قسم کے انسان ہیں۔

۲۔ محمد جعفر حبیب ایک زیرک، ہشیار اور اس کام کی طبیعت سے آشنا ہونے کے علاوہ میدانی کام کی طبیعت سے بھی خوب خوب آگاہ تھے، ویسے آپ نہیں چاہتے تھے کہ روہنگیا فدائین محاذ کا انجام بھی جہاد کونسل، مجاہد پارٹی اور روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) جیسا ہو جائے، یوں آپ نے اپنے رفقائے کار اور احباب کو جذباتیات سے پرہیز کرتے ہوئے کام کو اس کی طبیعت کے مطابق چلنے دینے کی تلقین کی، لیکن افسوس ہے کہ نرے جذبات سے سرشار جوانوں نے آپ کی ہوش مندی، دانائی، بینائی

، گہری بصیرت اور کام کی طبیعت سے آشنائی کو برداشت نہیں کرسکا، اور یہ کہتے ہوئے آپ پر الزام لگا دیا کہ ہم محمد جعفر حبیب کے ذریعے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

۳۔ محمد جعفر حبیب کے افکار، نظریات اور خیالات پر گہری نظر کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ آپ روہنگیا فدائین محاذ کو ایک سیاسی، فکری، ثقافتی اور انقلابی ادارہ (INSTITUTION) بنانا چاہتے تھے، یوں ظاہر ہے کہ اس کے لئے خاطر خواہ وقت کی ضرورت تھی، دراصل آپ کو فرصت ہی کب ملی کہ اس تنظیم کو ایک باقاعدہ، منظّم و باضابطہ ادارہ بنا کر دنیا اور قوم کے سامنے لا سکتے؟ ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں ہوئیں، اس کے بعد قدرے سنبھلنے ہی نہیں پائے کہ ۱۹۸۵ء میں دوبارہ آپ کے خلاف سازشوں اور پروپیگنڈوں کا جال پھیلا دیا گیا، اس سے پہلے آپ کے خلاف تین تین مرتبہ شازشیں کی گئی تھیں لیکن سازش کاروں کو کامیابی نہیں ملی تھی، لیکن اب کی بار کی سازش میں آپ کو رہائی نہیں ملی، کیوں کہ اب کی بار کی سازش پہلی والی کے بمقابلہ کافی بھیانک تھی، جن لوگوں پر آپ کا اعتماد تھا انہوں نے ہی آپ کے پیٹ پر چھرا گھونپ دیا تھا، کاش اس مرتبہ آپ سازش کے نذر نہیں ہوئے ہوتے شاید ہی روہنگیا مسلمانوں کا حال ایسا نہیں ہوتا جو آج سب کی نظروں کے سامنے ہے، ظاہر ہے کہ فلپین والوں نے ہمارے بعد تحریک شروع کی تھی، آج وہ کہاں اور ہم کہاں ؟ ان حقائق پر بھی گہرا مطالعہ کی ضرورت ہے۔

۴۔ دراصل دشمن ہمارے پیچھے ہر زمانے میں پڑے ہوئے تھے، ہم جسے دشمن جانتے ہیں وہ بھی ظاہر ہے کہ ہمیں اس کے دشمن جانتے ہیں، ماضی میں ہمارے دشمن نے اپنی گہری سازش کے ذریعے جہاد کونسل، مجاہد پارٹی اور روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی کو نیست ونابود کردیا تھا، اب کی بار پوری قوم کی حمایت سے روہنگیا فدائین محاذ سامنے آئی تو دشمن کے ہوش اڑ گئے تھے، تو اس نے اس تنظیم کو بھی موت کی اندھیری وادی میں دھکیلنے کی بڑی زوردار سازش کی، جس میں وہ کامیاب ہوگیا۔

اس سے پہلے جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ۱۹۷۵ء سے لے کر سازش کاروں نے چند مرتبہ محمد جعفر حبیب (جن پر پوری قوم کی امیدیں وابستہ تھیں) کو میدان سے ہٹانے یا کم سے کم معزول کرنے کی کوششیں کی تھیں، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا، لیکن یہاں افسوس کا مقام یہ ہے کہ اب کی بار محمد جعفر

حبیب نے جن جن کو اپنا سمجھا اور جن جن پر بھرپور اعتماد کیا تھا خود ان ہی کے ذریعے دشمن نے کامیابی حاصل کی تھی:

موم سمجھا تھا جسے دل سے وہ پتھر نکلا۔

غرض بات یہ ہے کہ ۱۹۸۵ء کے اواخر میں جناب شبیر حسین اور ان کے ہم نوا ساتھیوں نے محمد جعفر حبیب پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہوئے آپ سے یہ کہا کہ ''آپ اگلے چھ مہینے تک روہنگیا فدائین محاذ کے سرپرست رہیں لیکن عہدۂ صدارت جناب شبیر حسین کے ہاتھ منتقل کردیں، اور دیکھیں کہ جناب شبیر حسین اور ان کے ساتھی کیا کرسکتے ہیں''۔

اس مطالبہ کے بعد ہی عملاً محمد جعفر حبیب سے قیادت کی باگ ڈور چھین کر آپ کو گھر میں بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، یاد رہے کہ اس وقت جناب شبیر حسین صاحب (رکن مجلس شوری و عاملہ اور چیف آف کمانڈر) کو ساتھ دینے والوں میں مجلس شوری (RNC) کے اہم راکین کے علاوہ مجلس عاملہ کے چند نمایاں ترین اراکین اور مجاہدین کے درج ذیل چند طاقتور کمانڈرز بھی شامل تھے:

ا۔ جناب حبیب الرحمٰن صاحب سائندہ فاروی (رکن مجلس شوری و عاملہ اور اعلی درجہ کے کمانڈر)
۲۔ کمانڈر جناب عبدالرحمٰن صاحب خائندہ فاروی، مقیم حال سعودی عرب۔
۳۔ کمانڈر جناب محمد امین صاحب کینسوی، مقیم حال بنگلادیش۔
۴۔ کمانڈر محمد ناصر صاحب، مقیم حال ملائشیا۔
۵۔ کمانڈر محمد سلیم شجاع فاروی، مقیم حال بنگلادیش۔
۶۔ کمانڈر جمال احمد تمبر ووی، متوفی ۲۲/۱۰/۲۰۱۹ء۔

ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب کو ساتھ دینے والوں میں آپ کے صرف چند رفقائے کار اور معدودے چند مجاہدین تھے، جنہوں نے بہرصورت آپ کا حوصلہ بلند رکھتے ہوئے کہا کہ ''یہ حالات انشاء اللہ بدل جائیں گے، آپ کو مایوس اور مضمحل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں'' ایسے حالات میں جن حضرات نے آپ کو حوصلہ دیا تھا ان میں سے نمایاں ترین یہ ہیں:

ا۔ حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔

۲۔ جناب الحاج صالح احمد صاحب، سابق چیرمن۔۔۔۔۔
۳۔ جناب محمد محمد یونس صاحب پیرخالوی۔
۴۔ جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی بوسیدنگی۔
۵۔ جناب سجاد حسین صاحب رواسوگری کونچی بنگی۔

اور مجاہدین میں سے نمایاں یہ تھے:

ا۔مولوی محمد یونس جہادی ہولافوی (شہید)
۲۔ محمد اسحاق بوسیدنگی۔
۳۔ محمد رفیق رنگیا دنگی بوسیدنگی۔
۴۔ محمد نور علی چنگی۔

اب عملاً محمد جعفر حبیب معزول ہو کو مضمحل اور پریشان حال ہو چکے تھے، کیوں کہ جس گلستان کو آپ نے اپنی قوم وملت کی خاطر اپنے خون جگر سے سینچا تھا خود اسے اپنے لالے پالے بلبلوں نے زاغ وزغن کے روپ دھار کر ویران کر دیا تھا، جنہوں نے آپ پر ایسا وار کیا کہ ہزار کوشش باوجود اس سے خلاصی ممکن نہیں ہو سکی تھی، اب اس کا کیا نتیجہ نکلا اس پر بھی غور کرنے کی زحمت اٹھا لیجئے کہ:

ا۔ محمد جعفر حبیب کی عملاً معزولی کے بعد روہنگیا فدائین محاذ کے اراکین عاملہ وشوری دو حصوں میں منقسم ہو گئے، ایسے حالات میں کم سے کم اراکین مجلس شوری میں یک جہتی رہتی تو شاید تنظیم اس بحرانی کیفیت سے نکلنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔

۲۔ معسکر میں مجاہدین کے دل مضمحل ہو گئے تھے، اگرچہ وہاں مجاہدین کی اکثریت جناب شبیر حسین صاحب کے حامی تھی، لیکن محمد جعفر حبیب کے حامیوں کی بھی تعداد کم نہیں تھی، ویسے مجاہدین بھی عملاً دو حصوں میں منقسم تھے، جس کا نتیجہ بعد میں بھیانک صورت میں نکلا تھا۔

۳۔ پھر محمد جعفر حبیب کی معزولی کے منفی اثرات اس زمانے میں لیبیا میں زیر تربیت روہنگیا مجاہدین پر بھی پڑے، وہاں مجاہدین دو گروپوں میں منقسم ہو کر ان کے درمیان فسادات رونما ہو گئے تھے، اور تو اور تربیت سے واپس آنے والے مجاہدین کے مابین ڈھاکہ میں ہاتھا پائی اور کشتم کشتا ہوا، جس کی وجہ سے

محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقاء کو خاصی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں۔

۴۔ محمد جعفر حبیب کی معزولی کے نتیجے میں اگلے چند دن کے اندر کم سے کم دو ایسے واقعات سامنے آئے، جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ:

۱۸/ آگست/ ۱۹۸۶ء بمطابق ۱۳/ ذی الحجہ/ ۱۴۰۶ھ بروز پیر جناب شبیر حسین صاحب مع ان کے پانچ مجاہد ساتھی معسکر (دھرمرسرا) سے نکل کر نائکان سری کی طرف آرہے تھے، راستے میں اتفاق سے (یا کسی حکمت عملی کی بنیاد پر) یہ حضرات دو گروپوں میں منقسم ہو گئے، پچھلے والے گروپ میں خود جناب شبیر حسین صاحب تھے جب کہ اگلے والے گروپ میں تین مجاہد ساتھی تھے، ابھی سامنے والا گروپ ''موئش'' کے مقام پر پہنچا تو محمد جعفر حبیب کو چاہنے والے درج ذیل نمایاں چند مجاہدین نے اس گروپ پر حملہ کر دیا:

۱۔ مولوی محمد یونس جہادی۔

۲۔ محمد رفیق۔

۳۔ محمد اسحاق۔

۴۔ محمد نور۔

ابھی دونوں متحاربین کے مابین ہاتھا پائی شروع ہوئی تو آس پاس کے بستی والے دخل انداز ہو گئے، اگر ان بستی والوں کی مداخلت نہ ہوئی ہوتی تو شاید خون خرابہ ہو جاتا، اب یہ معاملہ نائکان سری والی'' بنگلا دیش بورڈر رجمنٹ (BDR) کے معسکر میں پہنچا تو کمانڈر نے ان دونوں متحارب گروپوں بشمول جناب شبیر حسین صاحب کو حاضر کیا، یوں معاملہ کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا تھا، اب رجمنٹ کمانڈر نے دونوں گروپوں سے افسوس کے ساتھ نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ:

'' آپ حضرات ایک مظلوم و مقہور قوم کے نمائندے ہیں، اگر آپ حضرات کا حال ایسا رہے گا تو اس مظلوم و مقہور روہنگیا قوم کی امیدیں خاک میں مل جائیں گی، امید ہے کہ ایسے واقعات دوبارہ سامنے نہیں آئیں گے''۔

میرا طالب علمی کا زمانہ تھا، میں اور میرا عزیز ماموں مولوی محمد رفیق (برادر عزیز محمد جعفر حبیب مقیم حال برما چینا سرحدی علاقہ) دار المعارف چاٹگام کے طالب علم تھے، بقرۂ عید کی چھٹی کے موقع پر ہم دونوں اس واقعۂ جاں سوز کے دوران محمد جعفر حبیب کے یہاں موجود تھے، یاد رہے کہ اس واقعہ کے تین دن پہلے حضرت قائد محمد جعفر حبیب نے ہم دونوں کو اپنی معیت میں چاٹگام سے نائکان سری لے گیا تھا، تاکہ ہم بقرۂ عید وہاں آپ کے ساتھ منا سکیں، بہر حال مذکورہ دل دوز واقعہ کی خبر میرے کان پڑی تو مجھ میں کچھ خوف کی کیفیت طاری ہو گئی تھی، ایسے میں جناب شبیر حسین صاحب کے حامیوں میں سے خود میرے ایک قریبی رشتے دار نے بشکل خیر خواہ مجھے یہ دھمکی دی کہ '' تم فوراً نائکان سری کے علاقے سے نکل جاؤ، ورنہ مصیبت تم پر بھی آسکتی ہے، جس کا ذمہ دار تم ہو گے'' اب اس دھمکی کا تذکرہ میں نے حضرت قائد سے کیا تو آپ نے دلاسا دیتے ہوئے فرمایا کہ تم مطمئن رہو، اس حوالے سے غم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

دوسرا دلدوز واقعہ:

روہنگیا فدائین محاذ () کی تاریخ کے حوالے سے یہ ایک دل شکن زمانہ تھا، جس میں ہمارے انقلاب کے ماحول میں بھگدڑ کا سماں چھایا ہوا تھا، تناؤ اور رسہ کشی منافرت اور بغاوت خاصی عروج پر تھی، ایک ادھر محمد جعفر حبیب کے تمام حامی اس کوشش میں سرگرداں تھے کہ کسی بھی طریقے سے شبیر حسین صاحب اور ان کے ہم خیالوں کو زیر کر کے محمد جعفر حبیب کو دوبارہ عہدۂ صدارت پر لایا جائے، تو ادھر دوسری طرف جناب شبیر حسین صاحب اور ان کے حامی بھی اس موقع کی تلاش میں تھے کہ محمد جعفر حبیب کے پاس روہنگیا فدائین محاذ کے جتنے بھی ہتھیار تھے ان کی بازیابی کی جاسکے، تاکہ آپ پوری طرح مضمحل ہو جائیں۔

ویسے مذکورہ پہلے واقعہ کے چند دن بعد غالباً اگست ۱۹۸۶ء کے اواخر میں مسٹر شبیر حسین صاحب کے حامیوں کے ایک مسلح گروپ نے محمد جعفر حبیب کے گھر پر دھاوا بول دیا تھا، جس کی سرپرستی جناب حبیب الرحمٰن صاحب سائندہ فاروی اور قیادت کمانڈر عبدالرحمٰن خائندہ فاروی اور کمانڈر محمد امین کینسوی نے کی، اس حوالے سے خود اس حملے میں شریک (نام نہ بتانے کی شرط پر) ایک مجاہد کمانڈر کا بیان ملاحظہ کیجئے کہ:

"ہم جناب حبیب الرحمٰن صاحب سائندہ فاوروی کی زیر سرپرستی اور کمانڈر عبد الرحمٰن خائندہ فاروی و کمانڈر محمد امین کینسوی کی قیادت میں مجاہدین کا ایک دستہ کے ساتھ نائکان سری آئے، رات کی گھپ اندھیری تھی، دراں حالیکہ نائکان سری میں الکشن کا دور چل رہا تھا، ہمیں اس بات کا پورا پورا علم تھا کہ محمد جعفر حبیب صاحب کے گھر میں چند ہتھیار مدفون ہیں، اور اس بات کی بھی پوری اطلاع تھی کہ ان ہتھیاروں کا علم ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا ڈنگی (محمد جعفر حبیب کے دیرینہ ساتھی اور راز دار) کو ہے، ہم ابھی ماسٹر دلیل احمد صاحب کو ڈھونڈتے ہوئے ایک انتخابی جلسہ میں پہنچے تو جلسہ والے خائف ہوگئے، یہ حالت دیکھ کر ہم نے ان کو اپنا چہرے دکھائے تو وہ مطمئن ہو گئے تھے کہ یہ تو روہنگیا مجاہدین ہیں۔ اب ہم نے ماسٹر صاحب کو بلایا تو محمد جلال گرجنوی (یہ مجاہدین کا دیرینہ حامی اور مددگار ایک بنگلا دیشی تھا، جس نے اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں) بیچ میں دیوار بن کے کھڑے ہو کے کہنے لگے کہ آپ لوگ دلیل احمد صاحب کو نہیں لے جاسکتے، اب ہم نے ان کو بھی یقین دلایا کہ ان کو کچھ بھی نہیں کیا جائے گا تو وہ بھی مطمئن ہوگیا، پھر ہم نے ماسٹر صاحب کو لے کر محمد جعفر حبیب کے گھر آئے، اور ان سے پوچھا کہ ہتھیار کہاں ہیں؟ انہوں نے پہلے پہلے اپنی لاعلمی کا اظہار تو کیا لیکن کمانڈر عبدالرحمٰن صاحب کے دھمکانے پر پتہ بتادیا کہ فلاں جگہ میں میں سارے ہتھیار مدفون ہیں یوں ہم سارے ہتھیار حاصل کر کے معسکر آ گئے تھے"۔

روہنگیا فدائین محاذ کو از سر نو ترتیب دینے کی کوشش:

درحقیقت روہنگیا مسلمانوں کی انقلابی تاریخ ہی تناؤ، افراتفری اور رسہ کسی سے عبارت ہے، بانیٔ تحریک محمد جعفر حسین قوال کے زمانے سے آج تک ہماری تحریک آزادی کی تاریخ میں جتنی بھی تنظیمیں سامنے آئیں ان سب کا خاتمہ تقریباً اپنوں کے ذریعے یا اپنوں کے ہاتھوں سے ہوا تھا، دشمن کے حملوں اور سازشوں سے زیادہ اپنوں کے حملوں نے ان کو نقصان پہنچایا تھا، ارکان کی تحریک آزادی متنوع آزمائشوں مختلف پریشانیوں اور مصیبتوں کی پگڈنڈیوں سے گزرتی ہوئی ۱۹۷۵ء کو پہنچی تو اس کا پتوار روہنگیا مسلمانوں کا محبوب ترین قائد محمد جعفر حبیب نے سنبھالا، اور روہنگیا قوم نے آپ کی روشن قیادت میں اپنے خواب کی تعبیر دیکھی، اور یہ کہتے ہوئے آپ کی قیادت کا خیر مقدم کیا کہ "محمد جعفر حبیب کی قیادت میں ابھرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ اس مظلوم قوم کے مفاد میں انشاء اللہ تعالی کچھ کر دکھائے گی اور آپ کی روشن و مثقف قیادت میں قوم کو اپنے پرانے خواب کی تعبیر مل جائے گی"، لیکن ظاہر ہے کہ بدقسمتی سے محمد جعفر حبیب بھی روایتی اختلافات کے شکار اور اسی پرانی سازش کے نذر ہو گئے، جس نے آپ کے پیش رووں کو تباہ کیا تھا۔

ہمارے لوگوں نے محمد جعفر حبیب پر سست رفتار اور غافل ہونے کا الزام لگایا تھا اور آپ کی قیادت کو یہ کہہ کر ٹھکرادیا کہ آپ کی قیادت میں اتنا بڑا کام انجام نہیں پا سکتا، تو اب سوال آتا ہے کہ ۱۹۷۵ء سے لے کر اب تک ان الزام لگانے والوں نے روہنگیا قوم کے لئے ایسا کیا کچھ کر دکھایا کہ جس کی بنیاد پر ہمارے لئے اب یہ کہنا بجا طور پر ممکن ہو سکے کہ محمد جعفر حبیب سست اور غافل تھے اور وہ حضرات بڑے تیز رفتار، چست اور چالاک؟ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لوگ بڑے بے صبر ہوتے ہیں، ہمیشہ دیکھا گیا کہ ہمارے لوگوں کو بزرگوں کے مجرب نسخے ہی پسند نہیں ہوتے، چست اور چالاکی کے زعم میں خود بھی ڈوبتے اور دوسروں کو بھی قعر مذلت میں گرادیتے ہیں۔ ع:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔

بہرحال ادھر شبیر حسین صاحب روہنگیا فدائین محاذ سے محمد جعفر حبیب کو معزول کر کے بزور بازو عہدۂ صدارت پر براجمان ہو گئے تو ادھر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) بھی ۱۹۸۴ء کے

دوران اختلافات کی شکار ہو چکی تھی، محترم نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم خیالوں کو تنظیم سے نکال پھینکا تو ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا دوسرا دھڑا قائم کر لیا تھا۔

ایسے حالات میں نورالاسلام صاحب کا دھڑا بھی بحران کا شکار تھا اور جناب شبیر حسین صاحب بھی مطمئن نہیں تھے، تو اس کے بعد کیا ہوا اس حوالے سے راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اب ظاہر ہے کہ ایک طرف نورالاسلام ار ایس او دھڑا ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم نواؤں کو تنظیم سے باہر کرنے کے بعد افرادی قوت کے بحران کا شکار گیا تو دوسری طرف قائد محمد جعفر حبیب صاحب کو معزول کر دینے کے بعد روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بھی مختلف پریشانیوں اور آزمائشوں کی شکار ہوگئی، اس حال میں نورالاسلام اور شبیر حسین کے درمیان ایک بار پھر سے رابطہ شروع ہوا، نتیجے میں دونوں لیڈروں نے ایک متحدہ محاذ بنا کر اس کے پرچم تلے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا اور انہوں نے ۱۹۸۶ء میں اسٹیارنگ کمیٹی نامی ایک مجلس کی تشکیل دی اور ایک سال تک دونوں تنظیمیں اس کے پرچم تلے متحد رہیں اور کام کی تھیں، بعد میں کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ دونوں تنظیمیں اپنے اپنے نام کو ختم/کالعدم کر کے ایک دوسری میں ضم ہو جائیں، یوں اس فیصلہ کے مطابق انہوں نے ایک اور مسلح تنظیم بنائی جس کا نام ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) رکھا گیا-

ظاہر ہے کہ اس انضمام کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ والی تنظیم ایک طرح کی کالعدم ہوگئی تھی، لیکن محمد جعفر حبیب اور آپ کے جان نثار اب بھی باقی تھے، تو انہوں نے دوبارہ کوشش شروع کر دی کہ روہنگیا فدائین محاذ کو از سر نو بحال کیا جائے، یوں شبیر حسین صاحب اور نورالاسلام صاحب کے ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کے اعلان کے بعد محمد جعفر حبیب نے اپنی کوشش کو تیز کر دیا، جس میں جن چند حضرات نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تھا وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔
۲۔ جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی۔
۳۔ جناب یونس احمد صاحب پیر خالوی۔
۴۔ جناب سجاد حسین رواسوگری صاحب کونچی بنگی۔
۵۔ جناب الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی۔
۶۔ مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی۔

مولانا محمد کبیر صاحب کے متعلق کہا گیا کہ اگرچہ آپ نے ماضی میں محمد جعفر حبیب سے سخت اختلاف کیا تھا لیکن ان کو بعد میں سمجھ آ گیا کہ جس وجہ سے اختلاف کیا گیا تھا اس میں خود ان کی غلطیاں تھیں، گردش ایام نے ان کو یہ سمجھنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جو کچھ بھی ہو دیگر حضرات کے مقابلے میں محمد جعفر حبیب کی قیادت ہی برمحل اور کارآمد تھی۔

اب کی بار محترم سلیم احمد صاحب خیر فاروی نے محمد جعفر حبیب کا دل و جان سے ساتھ دیا تھا، یوں بھی جہاں تک میں جانتا ہوں کہ مرحوم سلیم احمد صاحب کسی بھی آزمائش کے موقع پر محمد جعفر حبیب کے ساتھ نبھانے میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

وفات حسرت آیات:

۱۹۸۶ء کے اواخر میں محمد جعفر حبیب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو از سر نو زندہ کر کے ترتیب دینے اور اس کے پرچم تلے لوگوں کو جمع کرنے کے حوالے سے کافی آگے بڑھ چکے تھے، ہر طرف سے آپ کے خیرخواہوں نے آپ کے پاس خیر مقدم کا پیغام بھیجنا شروع کر دیا تھا، ایسے حالات میں آپ کو بیماری لاحق ہوگئی، یہ وہ بیماری تھی کہ جس سے آخر کار آپ کو خلاصی نہیں ملی۔

۱۹۸۷ء کے دوران آپ اکثر چاٹگام میں رہا کرتے تھے، اس زمانے میں آپ نے روہنگیا فدائین محاذ کو دوبارہ منظم کرنے کے لئے دن رات کو ایک کر رکھا تھا، اچانک آپ کو جنڈیس جیسی جان لیوا بیماری کا احساس ہوا، ڈاکٹر نے تشخیص و علاج کے بعد مشورہ دیا کہ حالت بہت خراب ہے، آپ کو فوراً چاٹگام

میڈیکل ہسپتال میں داخل کیا جائے، چنانچہ مشورے کے مطابق آپ کو میڈیکل ہسپتال میں داخل کیا گیا، لیکن وقت بہت گزر چکا تھا کہ ہزار کوششوں کے باوجود آپ کو موت سے رہائی نہ ملی، اور داخلے کے ایک دن بعد آپ نے اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کے بعد آپ کی نعش کو سلیم احمد صاحب خیر فاروی کی رہائش گاہ ''مہدی باغ'' لایا گیا تھا، یہاں تجہیز وتکفین کے بعد آپ کی پہلی نماز جنارہ پڑھی گئی، اس کے بعد جنازہ نائکان سری لے جایا گیا، جہاں دوسری نماز جنازہ کے بعد آپ کو جامع مسجد نائکان سری کے بغل میں آسودۂ خاک کر دیا گیا۔

آٹھواں باب

(بعض احباب اور رفقائے کار)

اڈووکیٹ مولانا شفیق احمد صاحب تنگ بازاری مرحوم:

مولانا شفیق احمد بن حضرت مولانا عبد القادر صاحب ستمبر/۱۹۳۰ء میں شمالی بوسیدنگ کے معروف قصبہ تنگ بازار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد کے ساتھ بستی کے مکتب میں پائی، نحو وصرف فقہ ومنطق کی مبادیات اس علاقے کے اساتذہ اور بطور خاص حضرت مولانا تراب الدین صاحب (والد بزرگوار پروفیسر محمد زکریا صاحب) سے پڑھیں، مولانا تراب الدین صاحب اپنے زمانے میں اس علاقے کے معروف عالم دین اور مشہور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ان کے متعلق مولانا شفیق احمد صاحب کا بیان ہے کہ:

> ''حضرت مولانا تراب الدین صاحب ایک اولوالعزم، حوصلہ مند اور اپنے زمانے کے بڑے عالم دین بزرگ تھے، میں نے ارکان کے علاوہ بنگال کے بڑے بڑے علماء دیکھے اور مغربی ومشرقی بنگال کے بڑے سے بڑے انگریز اور ہندی اسکالرز سے استفادہ کیا، لیکن استفادہ کے حوالے سے مولانا تراب الدین صاحب جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا، تبحر علمی کے علی الرغم ان کا انداز درس بڑا نرالا تھا، طالب علم جتنا ہی غبی کیوں نہ ہو لیکن ان کے درس سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا''۔

اس کے بعد مولانا شفیق احمد صاحب اعلی تعلیم کے حصول کے لئے بنگال آئے اور چاٹگام کی معروف درس گاہ ''دار العلوم چندن پورا'' میں داخلہ لیا، یہاں سے عالمیت کا امتحان پاس کر کے کلکتہ گئے اور مدرسہ

عالیہ کلکتہ سے ۱۹۴۶ء میں فضیلت کا امتحان درجۂ اول میں پاس کیا، اس کے بعد اگلے سال ڈھاکہ آئے اور ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے کاملیت (جسے ممتاز المحدثین کہا جاتا ہے) کا امتحان بڑی امتیازی شان سے پاس کیا، پھر چاٹگام کی ایک معروف درس گاہ مدرسہ محسنیہ (سابق اسلامک انٹر میڈیٹ کالج اور حالیہ محسن کالج) سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرتے ہوئے ڈھاکہ یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۵۰ء میں بی اے (BA) پھر ۱۹۵۸ء میں ایل ایل بی (LLB) اور ۱۹۶۲ء میں ایل ایل ایم (LLM) کی ڈگریاں حاصل کیں۔

مولانا شفیق احمد صاحب کے بعض احباب سے معلوم ہوا کہ آپ ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء کے دوران عالیت کا امتحان پاس کر کے وطن واپس گئے تھے، جہاں آپ نے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کر لی تھی، اور خود مجاہدین کو عسکری تربیت بھی دینا شروع کیا تھا، جناب اظہار میاں صاحب (MP) کے مطابق مولانا کو اس زمانے میں جہادی پروگرام کے حوالے سے کافی سرگرم عمل دیکھا گیا تھا، بہتوں جوانوں نے آپ سے عسکری تربیت حاصل کی تھی، اس حوالے سے اظہار میاں صاحب مزید کہتے ہیں کہ:

> ''مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب غالباً ۱۹۴۳ء کے اواخر میں وطن لوٹے تھے، اس زمانے میں آپ پر جہاد اسلامی کا نشہ چڑھا ہوا تھا، معلوم ہو کہ ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب و بلا نے آپ کے دل و دماغ کو شدید متأثر کیا تھا، ہم نے بھی آپ سے اس وقت جہادی تربیت حاصل کی تھی، لیکن بعد میں آپ کا یہ پروگرام کسی وجہ سے ٹل گیا، غالباً علاقے کے بعض ارباب فکر و دانش نے عموماً اور جناب عبد المجید چوہدری معروف بہ لنگڑا راجا نے خصوصاً مشورہ دیا تھا کہ آپ جہادی پروگرام میں اترنے سے پہلے مزید تعلیم حاصل کر لیں، مولانا کو ان کا یہ مشورہ بہت پسند آیا تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے کلکتہ چلے گئے تھے''۔

ظاہر ہے کہ محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں ''جہاد کونسل'' کی بنیاد کے دوران مولانا شفیق احمد صاحب بنگال میں زیر تعلیم تھے، لیکن یہی معلوم ہوا ہے کہ آپ سیاسی اور فکری طور پر محمد جعفر حسین قوال کے زیر اثر ان کی آواز سے پوری طرح ہم آہنگ تھے، محمد جعفر حسین قوال صاحب کی شہادت حسرت

آیات کے بعد محمد عباس سینڈنگی نے جہاد کونسل کی قیادت سنبھالی تو مولانا شفیق احمد صاحب جہاد کونسل میں شامل ہو گئے، بعد میں آپ کو مرکزی مجلس عاملہ میں سکریٹری برائے امور خارجہ کا منصب دیا گیا تھا، آپ نے علمی، فکری، سیاسی اور انقلابی طور پر اس قافلہ کو آراستہ کرنے کی حد درجہ کوشش کی، اس حوالے سے آپ کے مشورے سے مجاہدین کے علاقہ جات میں چند اسکول اور چند مدارس قائم کئے گئے تھے، شاید اب بھی یہ مدارس اور اسکول قائم ہوں۔

آپ سکریٹری برائے امور خارجہ کی حیثیت سے اس وفد میں شریک وسہیم تھے جو علامہ عنایت اللہ مشرقی کی دعوت پر محمد عباس صاحب کی قیادت میں مغربی پاکستان پہنچا تھا، جس نے لاہور میں علامہ مشرقی سے ملاقات کی اور علامہ صاحب کی معیت میں ایک پریس بریفنگ بھی دی تھی، جس میں مولانا شفیق احمد صاحب نے بھی حصہ لیا تھا۔

مولانا کو جہاد کونسل کے انداز فکر وعمل، اطوار سیاست وقیادت اور طرز جہاد سے سیاسی وانقلابی نقطۂ نظر سے شدید اختلاف تھا، اس حوالے سے میں نے مولانا سے کافی گفتگو کے ساتھ آپ کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی، جس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش تو نہیں، تاہم میں اس نتیجہ پر ضرور پہنچا کہ جہاد کونسل والوں سے آپ کا اختلاف اور آپ کی بعض شکایتیں اور موقف بالکل حق بجانب تھا۔

بہر حال ۱۹۴۲ء کے بعد ارکان میں جہاد اسلامی کے حوالے سے تیاری کا پہلا سہرا مولانا شفیق احمد صاحب کے سر پر باندھا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ جعفر حسین قوال پر اس حوالے سے سبقت لے جا چکے تھے، یہ اس زمانے کی بات تھی کہ جب محمد جعفر حسین قوال رنگون وغیرہ علاقہ جات میں تھے، اور یہاں ارکان میں مولانا شفیق احمد صاحب نے جہادی پروگرام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ارکانی مسلمانوں کے لئے ۱۹۴۲ء کے بعد سے جہاد کرنے کے سوا کوئی بھی دوسرا راستہ کھلا نہیں تھا۔

ادھر بعض نادان قسم کے لوگ ہمارے اس زمانے کے مجاہدین پر یہ الزام لگاتے نہیں تھکتے ہیں کہ ہمارے مجاہدین ان پڑھ اور جاہل تھے، اس لئے انہوں نے برمیوں اور مگھوں کے خلاف عسکری جدو جہد شروع کی تھی، تو ان کے جواب میں کہا سکتا ہے کہ کیا مولانا شفیق احمد صاحب بھی جاہل، نادان اور

دوراندیشی کے کور تھے؟ نہیں اور کبھی نہیں، آپ کے اس وقت جہادی پروگرام کا سلسلہ شروع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فکری طور پر اس وقت جہادی سرگرمی کے لئے اٹھ کھڑے ہونا ارکانی مسلمانوں کی سیاست وقیادت کا عین تقاضا تھا، جسے انہوں نے پورا کیا تھا۔

غرض مولانا شفیق احمد صاحب ۱۹۴۲ء کے جہاد اسلامی کے بعد اپنے انتقال تک ارکانی مسلمانوں کی بقاء اور استحکام کے حوالے سے جو بھی سیاسی اور جہادی سلسلہ جاری تھا اس میں کسی نہ کسی انداز میں شریک اور سہیم تھے، جہاں تک میں مولانا کو جانتا ہوں کہ اس کی بنیاد پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ہماری اس ستر سالہ جہادی تاریخ کا جتنا علم آپ کو تھا شاید اور کسی کو رہا ہوگا، اسی لئے میں نے اس حوالے سے ایک دن موقع پاکر آپ سے گزارش کی تھی کہ:

> ''مولانا! آپ ایک جلیل القدر عالم دین ہونے کے ساتھ ایک ماہر سیاست دان اور جہاں دیدہ دانشور بھی ہیں، تو قوم کو ماضی کا درس دینے اور مستقبل کے حوالے سے رہنمائی کرنے کی استطاعت آپ سے بڑھ کر اور کون رکھ سکتا ہے؟ اس حوالے سے آپ سے زیادہ موزون انسان شاید اس قوم میں کوئی ہو، علاوہ ازیں اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں میں جو قدرت آپ کو حاصل ہے، ایسا ایک انسان میری معلومات کی حد تک اس پوری قوم میں اور کوئی نہیں ہے، کیوں نہ آپ اس موضوع پر قلم اٹھاتے نہیں ہیں؟''۔

میرے شدید اصرار پر ایک روز مولانا نے ہاں کردی، لیکن چند مہینے بعد اس حوالے سے آپ سے پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ ''مولانا طاہر صاحب! اپ تک میری عمر بہت زیادہ ہوچکی ہے، یہ کام میرے بجائے آپ کریں، انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنی استطاعت کے مطابق آپ کا تعاون کرتا رہوں گا، اللہ کرے تو آپ کامیاب رہیں گے''۔

مولانا جیسے ایک جلیل القدر عالم دین ودانشور، مدبر سیاسی اور ماہر قانون دان سے اس لئے میری یہ توقع بالکل حق بجانب تھی کہ ہمارے مسائل کی صحیح تحلیل وتجزیہ اور ماضی وحال کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے مستقبل کی تخطیط کرنے میں آپ سے لغزش وخطا کی بہت کم گنجائش تھی، اس لئے آپ کو

ہمارے مسائل کے متعلق قلم اٹھانا بہت ضروری تھا، جس سے درس لیتے ہوئے قوم کی اگلی نسل اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کو حسن وخوبی سے ترتیب دے سکتی، لیکن افسوس ہے کہ مولانا سے بڑی امید کے باوجود یہ کام نہیں ہوسکا۔

اردو زبان میں آپ کی قدرت کا علم مجھے اس وقت ہوا کہ جب آپ نے میری حقیر کاوش ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا، اور ایک خوب صورت تقریظ لکھی، میری یہ کاوش منظر عام میں آئی تو مولانا کی اس تقریظ کو پڑھ کر مجھ سے میرے ایک قابل قدر عالم دوست نے کہا کہ ''مجھے مولانا شفیق احمد صاحب کی علمی اور ادبی شان نے محوِ حیرت میں ڈال دیا ہے، مجھے اس سے پہلے اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ مولانا اردو کے ایک ادیب اور قلم کار بھی ہیں''۔

مولانا ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۵ء تک مدرسہ عالیہ چندن پورا چاٹگام کے پرنسپل رہے، یہ وہ درس گاہ ہے کہ جہاں سے آپ نے عالمیت کا امتحان پاس کیا تھا، آپ نے یہاں اپنی ذمے داریاں بڑی خوبی سے نبھائیں، لیکن بعض نامعلوم وجہ سے آپ بعد میں اس شان کے عہدہ سے سبکدوش ہوگئے، کہتے ہیں کہ اس سبکدوشی میں آپ کے مخصوص افتادِ طبع کا کچھ عمل دخل بھی تھا، میں نے اس سبکدوشی کے حوالے سے ایک دن موقع پاکر آپ سے سوالات کا بوچھار کردیا تھا، اور پوچھا کہ مولانا! اتنی عزت واحترام اور شان وشوکت کے باوجود آپ نے اتنی بڑی علمی وثقافتی دانش گاہ سے مستعفی ہوجانے کو حق بجانب کیوں سمجھا تھا، جب کہ اس سے علیحدگی کے بعد کسی علمی وتعلیمی ادارے کی خدمات کرنے کے بجائے آپ نے وکالت جیسا پیشہ اختیار کرلیا ہے؟ تو جواب ملا کہ:

> ''بھائی دیکھو! میں عرصۂ دراز سے اس ملک میں مہاجرت کی زندگی گزار رہا ہوں اس ہجرت کی زندگی کا بھی میرا ایک بڑا مقصد ہے، وہ یہ ہے کہ اگر میں اپنی مستعار زندگی میں اپنی مظلوم قوم کے لئے کچھ کر نہ پاؤں تو میری زندگی ایک بے معنی کی زندگی ہو جائے گی، اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے تعلیم کدہ سے علیحدہ ہوکر وکالت کا پیشہ اختیار کیا، تاکہ مقننین حضرات سے مل کر ان کے تعاون سے میں اپنی قوم کے لئے کچھ کر سکوں، جو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی فضاء میں رہ کر تقریباً ناممکن تھا''۔

مولانا ایک عظیم عالم دین اور مایہ ناز دانشور ہونے کے علاوہ ایک ماہر قانون دان تھے، یوں آپ کی گفتگو بڑی نپی تلی ہوتی اور الفاظ کا انتخاب بھی شان دار ہوتا تھا، بہر حال آپ کے مذکورہ خیال کے حوالے سے اتنی سی بات عرض ہے کہ آپ کی بقیہ زندگی کے حالات سے ہ واضح ہو چکا ہے کہ آپ کی امیدیں اور توقعات خلاف واقعات تھیں جو کبھی بھر نہیں آئیں، میرے ناقص خیال میں مولانا اگر اس عظیم دانش گاہ میں مسلسل اور دل جمعی کے ساتھ خدمات انجام دیے ہوتے، تو یہاں آپ کے ہزاروں تلامذہ ہو پاتے، ظاہر ہے کہ استاد اپنے تلامذہ سے جو خدمات لے سکتا ہے بسا اوقات ایسی خدمات کوئی اپنے دوستوں سے نہیں لے سکتا، تلامذہ اپنے اساتذہ کے زیر اثر ہوتے ہیں جب کہ دوست اکثر نہ ہو تو کبھی کبھار بااثر ہوجاتا ہے، اپنے تلامذہ سے جو امیدیں کی جاسکتی ہیں ایسی امیدیں دوستوں اور وہ بھی مقتنین جیسے دوستوں سے کبھی بھی نہیں کی جاسکتیں، یہ صرف میرا ایک خیال نہیں بلکہ خود مولانا نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو کر رہ گیا، تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے؟ مولانا ۱۹۶۵ء میں چاٹگام لاء بورڈ میں شامل ہوئے اور ایک طویل مدت تک (APF) اور (AGP) کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں مذکورہ لاء بورڈ میں سینئر رکن بنے، پھر ۱۹۷۶ء میں چاٹگام ڈسٹرک بار ایسوسی ایشن کے نائب صدارت کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے سینئر نائب صدر منتخب ہوئے تھے۔

۲۳ر ستمبر ۱۹۸۳ء میں مولانا نے ہائی کورٹ ڈویژن آف بنگلا دیش سپریم کورٹ میں شرکت کی، اور انتقال تک اسی سے وابستہ رہے، علاوہ ازیں آپ M/S مسلم کمارشیل بنک اور اسٹنڈرڈ بنک (حالیہ روپالی بنک) کے قانونی اڈوائزر بھی رہ چکے تھے۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو مولانا شفیق احمد صاحب اس میں ایک مشیر، خادم اور رہنما کی حیثیت سے شامل ہو گئے تھے، اس حوالے سے یہاں تک بتایا جاتا ہے کہ روہنگیا قومی تاریخ کے عظیم قائد محمد جعفر حبیب ۱۹۷۵ء سے لے کر آپ کی وفات حسرت آیات تک مولانا کے زیر اثر تھے، تاہم یہ دعوی کہاں تک صحت پر مبنی ہے اس پر تحلیل و تجزیہ کی ضرورت ہے، جو اس عجالہ میں ممکن نہیں ہے،

لیکن اس بات میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مولانا شفیق احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے مشیر اعلی اور ایک قسم کے مربی ضرور تھے۔

۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران مولانا شفیق احمد صاحب کی بنڈل روڈ والی رہائش گاہ چاٹگام جیسے ایک ریل پیل کے شہر میں روہنگیا علماء اور دانشوروں کی گویا ایک پناہ گاہ تھی، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ روہنگیا لیڈران بشمول محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار جبھی چاٹگام آتے تو ان کی پناہ گاہ یہی مولانا کی رہائش گاہ ہوتی تھی، ایک طویل مدت تک روہنگیا فدائین محاذ کا گویا چاٹگام میں یہی دفتر تھی، ان تمام لوگوں کی خورد ونوش اور رہنے سونے کی ذمے داری مولانا کے سر پر تھی، فراخ دلی اور سخاوت کا عالم تھا کہ آپ کے دستر خوان سے کوئی بھی محروم نہیں جاتا اور نہ ہی جاسکتا تھا، آج آپ اس دنیا میں نہیں ہیں، اللہ تعالی آپ کو اجر جزیل عطا کرے۔

۱۹۷۵ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ کے قائدین بڑے پریشان تھے، فنڈ میں ایک کوڑی بھی جمع نہیں تھی، ادھر معسکر میں مجاہدین اسلام کی عسکری تربیت چل رہی تھی، تنظیم میں سینکڑوں لوگ بشمول علماء، دانشوران، طلباء اور قوم کے نوجوانان جمع ہو چکے تھے، پریشانی کا یہی عالم تھا کہ ایک روایت کے مطابق مجاہدین درختوں کے پتوں اور آبشارے کے پانی پر گزارا کر رہے تھے، ایسے حالات میں مولانا شفیق احمد صاحب اور آپ کے چند احباب آگے بڑھے، اور چاٹگام میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے اہل ثروت کو ایک اجلاس میں جمع کیا، اور ۲۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء میں ''ارکان ہسٹریکل سوسائٹی'' (AHS) کے نام سے ایک رفاہی قسم کی تنظیم کی بنیاد ڈالی، پھر ۲۸ر ستمبر ۱۹۷۵ء میں اس رفاہی تنظیم کا ایک اجلاس بلایا گیا، جس میں مجاہدین کے لئے چندے وصول کئے گئے، ویسے مجاہدین کے لئے گزارے کے سامان فراہم ہو سکے تھے۔

مولانا سوسائٹی کے بانی ہونے کے علاوہ ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۹۳ء تک مسلسل اس کے عہدۂ صدارت پر متمکن رہے، اس طویل مدت میں آپ نے روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے بے شمار سیاسی، ثقافتی، فکری اور رفاہی خدمات کیں، اس کے بعد بھی مرتے دم تک اس تنظیم کی مجلس سرپرستگان کے صدر رہ چکے تھے۔

ظاہر ہے کہ ہماری متحرک تنظیمیں اختلاف، انتشار اور افتراق سے عبارت ہیں، مولانا ہر حال میں ان منظمات کے رہنماؤں کو ہم آہنگ کر کے ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کرنے کے خواہاں تھے، اور اس نیک کوشش میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے۔

۱۹۹۸ء میں میدان فکر وعمل میں کام کرنے والی اس وقت کی دونوں متحرک تنظیمیں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے درمیان ایک طویل کوشش کے نتیجے میں انضمام عمل میں آیا، اور ان دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی علیحدہ حیثیت کو کالعدم کرتے ہوئے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان کیا، تو مولانا شفیق احمد صاحب اس جماعت کی قائمہ کمیٹی (NSC) کے چیرمین منتخب ہوئے، اس جماعت کے دستور اور منشور کی تیاری کے دوران مولانا کی علمی وفکری اور قانونی وعملی قابلیت واستعداد ہمارے سامنے کھل کر سامنے آئی، چوں کہ میں بھی اس قائمہ کمیٹی کا ایک رکن تھا، یوں میں نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا کہ کبھی کبھار بعض امر پر تقریباً سارے ممبروں کی آراء ایک طرف ہوتیں اور مولانا کی رائے دوسری طرف، بحث کے دوران آپ کے دلائل کے سامنے سارے ممبروں کی آراء تہ خاک ہو جاتی تھیں، اور آخرکار تمام ممبروں کو آپ کے دلائل کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔

مولانا ایک جلیل القدر عالم باعمل، مستعد سیاسی مبصر اور لائق وفائق قانون دان تھے، نماز باجماعت کے بڑے پابند نہایت فراخ دل اور سخی بزرگ تھے، ایسے حالات میں آپ نے لگ بھگ ۲۰۱۲ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، نائکان سری میں مدفون ہیں۔

مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی مرحوم:

مولانا محمد کبیر بن حضرت مولانا راغب اللہ صاحب مجددی نقشبندی بن حضرت مولانا رحمت اللہ کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں مشرقی بوسیدنگ کی معروف بستی خواندنگ میں ہوئی، پیدائش کے متعلق خود مولانا محمد کبیر کا ایک دل چسپ بیان ہے کہ:

> ''خاندانی ریکارڈ کے مطابق میری ولادت ۳ر فروری/۱۹۳۶ء میں ہوئی، میرے والد حضرت مولانا راغب اللہ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ آپ میری ولادت سے قبل کسی ضروری کام کے لئے بوسیدنگ گئے ہوئے تھے، آپ کے ساتھ ماسٹر عبد الکریم نلبنیا وی، منگڈوی بھی تھے، واپسی پر ان دونوں کو ایک جنگلی شیر نے روکا تو ماسٹر عبد الکریم صاحب نے آپ (میرے والد) سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کے گھر میں ایک شیر جیسا بچہ پیدا ہوگا، چناں چہ آپ گھر پہنچے تو میری ولادت کا مژدہ سنے، اور بڑے خوش ہوئے، یوں مرحوم ماسٹر عبد الکریم صاحب کی فراست بھری پیش گوئی بھی صحیح اور برمحل نکلی تھی''۔

آپ کے والد حضرت مولانا راغب اللہ صاحب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مجاز بیعت تھے، انہوں نے اپنے والد حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے ہاتھ میں بیعت کی اور خلافت مع اجازت بیعت سے سرفراز ہوئے، مولانا راغب اللہ صاحب نے اپنے والد کی طرح اپنے علاقے میں سلوک وطریقت کے حوالے سے خدمات انجام دیں، تاہم بڑی کوشش کے باوجود حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے شیخ کا پتہ نہیں چل سکا۔

مولانا محمد کبیر کے والد حضرت مولانا راغب اللہ صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور درویش صفت انسان تھے، آپ کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور مسلم بچوں کو دین سکھانے سے گویا عشق تھا، علاوہ ازیں آپ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے علاقے بھر میں معروف تھے۔

مولانا محمد کبیر کی والدہ نصوحہ خاتون بنت محمد امین رواسوگری بن سعید احمد رواسوگری بن عبد السلام رواسوگری دابری چنگی بڑی عابدہ اور نیک صفات خاتون تھی، تو ظاہر ہے کہ مولانا کا دادیہالی خاندان اور

علماء والا خاندان ہے، جب کہ نانیہالی خاندان ایک حکمران اور زمیندار خاندان ہے۔

مولانا محمد کبیر کی ابتدائی تعلیم اپنے بزرگ والد کے مبارک ہاتھ میں ہوئی، قرآن کریم کا ناظرہ، عربی ، فارسی اور اردو زبان کی ابتدائی ریڈرز آپ نے اپنے والد سے پڑھیں، ۱۹۴۷ء میں مدرسہ عالیہ خواندنگ میں داخلہ لیا، یہاں حضرت مولانا اسداللہ اور حضرت مولانا مقبول احمد جیسے کامیاب اساتذہ سے پڑھے، اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ گئے، جہاں حضرت مولانا محمد صاحب اور حضرت مولانا سکندر صاحب وغیرہ سے خوب خوب استفادہ کیا، اس کے بعد حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ندوی جو آپ کے والد صاحب کے دوست تھے نے آپ کو مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ بلا لیا، یہاں آپ نے دو سال میں چھٹی اور ساتویں جماعت کی کتابیں پڑھ لیں۔

اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے مشرقی پاکستان گئے اور ۱۹۵۲ء میں گارنگیا، ساتکانیہ کی معروف درس گاہ میں آٹھویں جماعت کی کتابیں پڑھیں، اس کے اگلے سال سے مدرسہ حکیمیہ عالیہ چنوتی میں پڑھتے رہے اور یہاں سے عالمیت کا امتحان پاس کیا، پھر اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ چندن پورا چاٹگام میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے مخصوص طور پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب، حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان مجددی برکتی اور حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب کاشغری جیسے وقت کے عظماء سے تعلیم حاصل کی، یہاں سے آپ نے ۱۹۵۶ء میں فضیلت اور ۱۹۵۷ء میں کاملیت کا امتحان پاس کیا اور سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء میں آپ وطن لوٹے، اور مارچ/۱۹۵۸ء میں ہی اپنے والد گرامی کے حکم سے برما کے دارالحکومت رنگون گئے، تاہم والد صاحب نے ایک سال بعد ۱۹۵۹ء میں آپ کو واپس بلا لایا، لیکن آپ اپنی بستی میں چند دن سے زیادہ مدت نہیں رہ پائے اور ارکان کے دارالحکومت اکیاب چلے گئے، جہاں آپ نے المدرسۃ الاسلامیہ قصائی فارہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب وغیرہ کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۶۰ء میں آپ دوبارہ رنگوں گئے اور ایک نجی تجارت شروع کی، یہاں آپ نے تجارتی میدان میں بڑا نام کمایا، آٹھ سال ایسے میں گزر گئے، ۱۹۶۸ء کا سال آپ کے لئے پریشانی کا سال ثابت ہوا، کیوں

کہ اسی سال آپ کے والد صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔

والد کے انتقال کی خبر ملتے ہی آپ نے وطن کی راہ لی، وطن پہنچے تو تھے لیکن ہمیشہ سہمے ہوئے اور اداس سے رہنے لگے تھے، ایسی پریشانی اور اداسی کی حالت میں ایک سال گزر گیا، یعنی آپ کے مطابق آپ کے والد کے انتقال نے آپ کو نڈھال بنا دیا تھا۔

۴/جنوری/۱۹۶۹ء میں آپ کی شادی ہاجرہ خاتون بنت ابوالباصر چوہدری تمنگ چنگی سے ہوئی، لیکن شادی کے چند مہینے بعد آپ نے پھر سے رنگون کی راہ لی تھی۔

ادھر تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا محمد کبیر صاحب پہلی مرتبہ رنگون پہنچے تو آپ کی ملاقات وہاں کے معروف عالم دین حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مظاہری سے ہوئی، آپ نے حضرت سے مختلف علمی، فکری، ثقافتی اور سیاسی موضوعات پر گفتگو کی، مولانا محمد کبیر کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ مولانا مظاہری کے بعض آراء سے بالکل متفق نہیں ہو پائے تھے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ جہاں تک اندازہ ہوا کہ ان دونوں کے مزاج، افتادِ طبع اور خیالات ہی مختلف تھے، مولانا ابراہیم صاحب مظاہریؒ ایک جلیل القدر عالم دین، داعی، منجھے ہوئے صحافی اور سیاسی بزرگ تھے، جب کہ مولانا محمد کبیر صاحب ایک عالم ہونے کے علاوہ ایک انقلابی ذہن کا انسان تھے، فکری اور سیاسی اعتبار سے آپ کا میلان طبع ایک تعمیری انقلاب کی طرف تھا، پھر یہ بھی ایک غور طلب بات ہے کہ مولانا محمد کبیر کا جس علاقہ سے تعلق ہے وہاں کے مسلمانوں کے حالات بالعموم برمی مسلمانوں کے حالات سے مختلف تھے، اور جس پریشانی اور جن مصائب کی دنیا مولانا محمد کبیر صاحب نے دیکھی تھی اس کا مولانا مظاہری صاحب کو کب سامنا کرنا پڑا تھا؟۔

مولانا محمد کبیر کے بیان کے مطابق مولانا محمد ابراہیم مظاہری سے اس طویل گفتگو کے دوران آپ کے ذہن میں یہ بات جاگزین ہو چکی تھی کہ اگر ملک میں روہنگیا مسلمانوں کے مفاد کے حوالے سے کام کرنا ہو تو برمی زبان پر قدرت حاصل کرنا از حد ضروری ہے، اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ نے رنگون ہی میں ایک نائٹ اسکول میں داخلہ لیا اور چند مہینے کی محنت سے آپ نے برمی زبان پر خاصی مہارت حاصل کر لی، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت محمد جعفر حبیب رنگون میں زیر تعلیم تھے، اور ''روہنگیا یوتھ

فیڈریشن‘‘ کی قیادت کررہے تھے۔

مولانا محمد کبیر نے ’’روہنگیا یوتھ فیڈریشن‘‘ میں شمولیت اختیار کی، اور بعد میں آپ کو اسی تنظیم کے مرکزی سکریٹری برائے امور تنظیم بھی چن لیا گیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ بدنام زمانہ جنرل نیون نے روہنگیا مسلمانوں کی آمد ورفت پر سخت سے سخت ترین پابندی لگادی تھی، تو آپ نے ۱۹۶۶ء میں سابق برمی وزیر معدنیات جناب ایم اے رشید صاحب کی زیر سرپرستی روہنگیا مسلمانوں کی طرف سے سپریم کورٹ آپ رنگون میں ایک مقدمہ دائر کیا، دراں حالیکہ بدنام زمانہ سابق برمی صدر ڈاکٹر مونگ مونگ چیف جسٹس آپ سپریم کورٹ تھے، آپ کے دائر کردہ اس مقدمہ کے خلاف بڑی حد تک سازش کی گئی، اور آخر کار مقدمہ ہی خارج کردیا گیا تھا، اب آپ نے بھانپ لیا کہ روہنگیا مسلمانوں کی مکمل استیصال کے لئے یہاں سازش پایۂ تکمیل کو پہنچنے والی ہے، اوراب اس کے خلاف مسلح جدوجہد کے علاوہ اور کوئی بھی چارہ نہیں ہے۔

۱۹۷۲ء میں تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں سابق برمی وزیراعظم مسٹر اونو کی زیر قیادت پیپل ڈیموکریٹک پارٹی (PDP) نامی تنظیم کی بنیاد پڑی تو مولانا محمد کبیر کی توجہ اس طرف گئی، اس وقت آئے دن اگر چہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات نے آپ کو پریشان کررکھا تھا، تاہم تلاش معاش کے بطور ذاتی تجارت کو فروغ دینے میں کوئی بھی کسر آپ نے نہیں چھوڑی تھی، لیکن پیپل ڈیموکریٹک پارٹی کا اعلان ہوا تو آپ کے دوست جناب مایو رشید (بامونگ) نے اصرار شروع کردیا کہ آپ بھی ان کے ساتھ تھائی لینڈ جائیں اور نت نئی اعلان شدہ تنظیم میں شامل ہوکر اپنی قومی خدمات کی کوئی راہ تلاش کریں، تو اس احساس نے کہ ملک میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات ابتر سے ابتر ہو چکے ہیں اوراس قوم کو اپنے ہی وطن میں بے وطن بنا کر سماجی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی غرض ہراعتبار سے مفلوج اور اپاہج بنادیا گیا ہے آپ کو اونو کی پارٹی میں شامل ہوکر کام کرنے پر مجبور کیا تھا، یوں ۴؍فروری ۱۹۷۲ء میں آپ نے اپنے چھ ساتھی:

۱۔ رشید احمد بامونگ معروف بہ مایو رشید شیل گھاٹوی،
۲۔ عبدالرحمٰن،

۳۔ عبدالصمد،
۴۔ عنایت اللہ،
۵۔ خلیل الرحمان،
۶۔ محبوب الرحمٰن،

کی شمولیت کے ساتھ تھائی لینڈ کی راہ لی اور پیپل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہوکر انقلابی کام انجام دیئے تھے، یہاں آپ نے پیپل ڈیموکریٹک پارٹی کے سکریٹری اور سپہ سالار اوٹو ٹینگ سے ملاقات بھی کی اوران سے تبادلۂ خیلات کیا تھا۔

لیکن مولانا محمد کبیر اوران کے ساتھیوں کی پیپل ڈیموکریٹک پارٹی میں ایسی مخلصانہ شمولیت کے با وجود یہاں والوں کو ان حضرات کی شمولیت پسند نہیں آئی، ویسے اگلے چند مہینے آپ اور آپ کے تمام ساتھی بڑے الجھن میں مبتلا رہے تھے، بالآخر آپ اور آپ کے ساتھیوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کرلیا کہ ایسے حالات میں ہمیں ارکان پہنچ کر مسلم انقلابیوں سے مل کر قومی وملی خدمات انجام دینا ہی ضروری ہے، یوں انہوں نے پیپل ڈیموکریٹک پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلی اور ۱۹؍جولائی ۱۹۷۲ء میں علیحدہ علیحدہ شکل میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں پہنچے، پھر یہیں سے جنوبی بوسیدنگ کے معروف قصبہ یونگ چنگ میں پہنچ گئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ’’ارکان آزاد فوج‘‘ بڑی خوش اسلوبی سے ارکان میں فریضۂ جہاد انجام دے رہی تھی، چنانچہ مولانا محمد کبیر نے ۱۶؍جولائی ۱۹۷۲ء میں جعفر ثانی سے ملاقات کی اور بات بننے پر آپ ارکان آزاد فوج میں شامل ہوگئے تھے۔

ستمبر ۱۹۷۲ء میں محمد جعفر ثانی نے بنگلا دیش کے دورہ کے لئے ایک وفد کی تشکیل دی اور رشید احمد بامونگ کی زیر قیادت اس وفد نے بنگلا دیش کا دورہ کیا تھا، جس میں آپ بھی شامل تھے، اس وفد نے بنگلا دیشی اعلیٰ حکام سے سرزمین ارکان اور یہاں کے بے بس اور مظلوم مسلمانوں کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی، ویسے حکومت بنگلا دیش نے اس وفد کو تعاون کی امید دلائی تھی، آپ نے اس وفد میں شامل ہوکر وہ خدمات انجام دیں، جو ایک نڈر، جری اور مبصر سیاست دان سے توقع کی جاسکتی تھی، آپ کی

سیاسی بصیرت، فکری اور انقلابی زیرکی نے بنگلا دیشی حکام کو سکتہ میں ڈال دیا تھا۔

اس وفد کی بنگلا دیش سے واپسی کے فوراً بعد پارٹی کی جانب سے آپ کو ٹنگ بازار والے علاقہ جات کا ذمے دار بنایا گیا، یہاں آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے تنظیمی خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیس ہوئی، جس میں آپ مجلس تاسیسی کے ممبر ہونے کے ساتھ مجلس عاملہ کا رکن بھی چن لئے گئے، بعد میں آپ کو اس تنظیم کے سپہ سالار بھی بنایا گیا تھا، لیکن بعض وجوہات کی بناء پر آپ نے ۱۹۷۹ء میں اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی اور بنگلا دیش میں نجی تجارت سے دل چسپی لینی شروع کی، جس میں آپ کو قدرے کامیابی بھی ملی تھی۔

۱۹۸۸ء میں جناب سلیم احمد کی زیر قیادت روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کی بنیاد پڑی تو اس میں درحقیقت مولانا محمد کبیر ہی روح رواں تھے، لیکن اس مؤخر الذکر پارٹی کو میدان عمل میں استقرار ہی نصیب نہیں ہوا تھا، غرض اس تنظیم کی وفات کے ساتھ مولانا کی سیاسی اور انقلابی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا، جس کے بعد آپ نے چند سال گوشۂ عزلت میں کاٹے، اس دوران حجاز مقدس بھی گئے اور کچھ تجارت سے دل چسپی لینے کی بھی کوشش کی، لیکن صحیح طور پر کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ بعد میں بنگلا دیش واپس آئے، اور نائکان سری (کوکس بازار) کے مقام پر ایک مکان تعمیر کی اور اگلے چند سال کے بعد غالباً ۲۰۱۰ء میں انتقال کیا اور نائکان سری میں دفن ہوئے۔

مولانا کے تین بچے ہیں، محبوبہ جو ایک ڈاکٹر بنی، باقی ایک صاحب زادہ محبوب اور ایک صاحب زادی بھی ہیں، لیکن ان کے حالات معلوم نہیں، بس اتنی سی بات معلوم ہو سکی کہ سب حیات سے ہیں، اللہ تعالی ان کی عمر دراز کرے۔

مولانا محمد کبیر صاحب ایک ذہین ترین اور انقلابی ذہنیت کے انسان تھے، اور بلند پایہ کے عالم بھی، آپ جرجی زیدان سے کافی متأثر تھے اور وسیع الاطلاع اور ذکی الحس بھی۔

سیاسی اور فکری حوالے سے مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب لمبا بیلی بوسیدنگی سے مولانا محمد کبیر شاید کبھی ہم آہنگ ہو سکے ہوں گے، اور ہوتے بھی کیسے؟ ان دونوں شخصیات کے مابین فکریات اور سیاسیات کے حوالے سے بعد المشرقین تھا، اللہ تعالی مولانا محمد کبیر کی بال بال مغفرت کرے۔

ماسٹر شبیر حسین صاحب (BA) پوئمالوی مرحوم :

جناب شبیر حسین کی ولادت ۱۹۴۱ء میں جنوبی شمالی بوسیدنگ کے معروف قصبہ فوئمالی میں ہوئی، آپ کے والد مرحوم الحاج احمد الرحمٰن صاحب ایک متدین، پرہیزگار اور ہر دل عزیز بزرگ تھے، جو سرکاری اسکول کے عرصۂ دراز تک ہڈ ماسٹر رہ چکے تھے۔

جناب شبیر حسین صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور پرائمری سرکاری اسکول میں ہوئی، پھر بوسیدنگ، اکیاب اور چوکپرو کے سرکاری اسکولوں سے ثانویہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لئے رنگون گئے، آپ نے ۱۹۶۰ء میں رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۶۵ء میں اقتصادیات/معاشیات میں ڈگری حاصل کی تھی۔

شبیر حسین صاحب رنگون میں دوران تعلیم سیاسی تحریکوں سے منسلک رہے، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک آپ رنگون یونیورسیٹی روہنگیا طلباء تنظیم "روہنگیا اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن" (RSO) کا جنرل سکریٹری رہے تھے۔

۲۔ اسی طرح ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک رنگون یونیورسیٹی کی اور ایک روہنگیا طلباء تنظیم "رنگون یونیورسیٹی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن" (RUMSA) کے کارکن رہے تھے۔

۳۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک اور ایک مسلم طلباء تنظیم "اسٹوڈنٹ یونین" (SU) کے شعبۂ نشر واشاعت میں سکریٹری برائے نشر واشاعت اور پروپیگنڈے کے انچارج رہے تھے۔

آپ نے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم یونیورسیٹی گروپ میں شامل ہو کر فوجی تربیت حاصل کر لی، ڈگری حاصل کرنے کے بعد پونجیا (جو پیگو کے قریب ہے) میں مرکزی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں دفتری تربیت حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا، اس کے بعد وزارت برائے امور تجارت و کارپوریشن میں بھی داخلہ لیا، جس میں آپ نے ٹاؤن شپ ٹریڈ منیجری کا عہدہ سنبھالا تھا۔

۱۹۶۶ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں آپ خفیہ طور پر شامل ہو گئے، جس کے بعد آپ وطن واپس آگئے، یہاں ارکان پہنچنے کے بعد دیکھا کہ سرکاری خفیہ ایجنسی آپ کے پیچھے پڑ چکی ہے تو آپ زیر زمین چلے جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

۱۹۶۶ء میں شبیر حسین صاحب محمد جعفر ثانی کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے، ارکان آزاد فوج کے بڑے بڑے اراکین کے ایک گوشوارہ سے پتہ چلا کہ آپ ابھی ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے تو آپ کو مجلس شوری کا رکن چن لیا گیا تھا۔

۱۹۷۳ء میں اس تنظیم کو بنگلا دیش کی طرف سے دعوت ملی تو شبیر حسین صاحب محمد جعفر ثانی کی زیر قیادت جانے والے وفد میں شامل ہوئے، جہاں آپ نے بنگلا دیشی اعلی متعلقہ حکام سے گفتگو کی تو آپ کو بہت پسند کیا گیا تھا، اس وفد کے حوالے سے تفصیلات راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فوس (RIF) کو روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں تبدیل کر دیا گیا تو شبیر حسین صاحب محمد جعفر حبیب کے دست راست بن گئے تھے، اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ جیسے خوب صورت نام کی تجویز بھی آپ ہی نے دی تھی، جسے سارے لوگوں نے پسند کیا تھا تو پاس ہو گئی تھی۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی احیاء وتجدید ہوئی تو شبیر حسین صاحب نے بحیثیت استاد محاذ کے جوانوں کو عسکری تربیت دیا، جس میں ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا اور نور الاسلام صاحب سمیت بہت سے اعلی تعلیم یافتہ جوان شریک ہوئے تھے، ویسے آپ ہماری تحریک آزادی کی تاریخ میں ''ماسٹر شبیر'' کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔

۱۹۸۴ء میں جناب شبیر حسین صاحب نے اپنے ہم خیالوں سے مل کر محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے ہٹا دیا اور خود روہنگیا فدائین محاذ کے عہدۂ صدارت پر براجمان ہو گئے تھے، آپ کی اس حرکت کی وجہ سے اس زمانے میں اور بعد میں بھی آپ کی طرف انگلیاں اٹھیں اور میرے خیال میں ارکان کی تحریک آزادی پر لکھنے والے مورخین اس واقعہ پر سدا افسوس کرتے ہی رہیں گے۔

۱۹۸۶ء میں اڈووکٹ نور الاسلام صاحب کی زیر قیادت روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور شبیر حسین صاحب کی زیر صدارت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے مابین ایک معاہدہ ہو گیا تھا، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) نامی تنظیم وجود میں آئی تھی، جس

میں شبیر حسین صاحب مؤسس صدر چنے گئے تھے، لیکن افسوس ہے کہ جناب نور الاسلام صاحب نے آپ کو چند مہینے گزرتے نہ گزرتے معزول کر دیا، جس کے بعد آپ بہت پریشان ہو گئے تھے۔

لیکن ۱۹۹۲ء میں جناب نور الاسلام صاحب نے شبیر حسین صاحب کو دوبارہ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں بلا کر آپ کے ہاتھ نائب صدارت کا قلمدان سپرد کیا، جس کی وجہ سے آپ کے بہت سارے رفقاء نالاں ہو کے آپ سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے تھے، بہر حال آپ اس مذکورہ عہدہ پر فائز رہنے کی حالت میں ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۹۹۷ء کو چاٹگام میں انتقال فرمایا، اور چاٹگام کی معروف قبرستان ''سوتو ئنہ گلی'' میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترم جناب شبیر حسین صاحب دل کے سچے، زبان کے پکے، دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک ایک عظیم وکریم دانشور لیڈر تھے، جن کی قربانیاں قوم کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

میجر جنرل الحاج صالح احمد صاحب مرحوم:

میجر جنرل صالح احمد بن مستفیض الرحمٰن صاحب ۱۹۲۶ء میں موضع فقیرہ بازار شمالی منگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بڑے باثروت اور دین دار ہونے کے علاوہ علماء اور صلحاء سے نہایت محبت رکھنے والے بزرگ تھے، اور آپ کی والدہ گل فراز خاتون ایک نیک صفات اور سخی خاتون تھی۔

صالح احمد صاحب کی مکتب نشینی اور ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی میں ہوئی، بعد میں قاضی آباد بلی بازار کے اردو مڈل اسکول میں ساتویں جماعت تک تعلیم پاکر ۱۹۴۲ء میں رامو (کوکس بازار) کے ایک دینی مدرسہ میں داخلہ لیا، دوسال یہاں تعلیم حاصل کر کے اعلی تعلیم کے لئے کلکتہ پہنچے اور وہاں چار سال تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے۔

وطن واپسی کے بعد آپ نے اپنے ماموں زاد بہن فیروزہ خاتون سے شادی کی، لیکن اٹھارہ سالوں تک اولاد سے محروم رہنے کی وجہ سے آپ نے حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب کی بیٹی عائشہ خاتون سے شادی کی، جن کے بطن سے چار بیٹے اور سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

۱۹۴۸ء میں آپ جہاد کونسل میں شامل ہوئے، جہاں آپ نے بڑی بڑی قومی خدمات انجام دیں، جس کے صلے میں آپ کو میجر جنرل کا خطاب عطا دیا گیا، جس کے بعد آپ کو سرحد میں مجاہدین کے ایک معسکر کا افسر بنایا گیا تھا۔

بانی تحریک محمد جعفر حسین کی شہادت کے بعد آپ محمد عباس سیندنگی کی قیادت میں کام کرتے رہے، اور ہر موقع پر آپ خواص الخواص میں شامل ہوتے رہے تھے۔

۱۷/مئی/۱۹۵۷ء میں جہاد کونسل کے بعض مجاہدین نے محمد عباس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نافرمانی کا اعلان کیا تو محمد عباس نے کونسل سے مستعفی ہونے کو مناسب سمجھا، جس کے بعد جان نثار مجاہدین نے ان نافرمان مجاہدین کے خلاف میجر جنرل صالح احمد صاحب کو صدر کونسل مقرر کر دیا۔

میجر جنرل صالح احمد صاحب نے عہدۂ صدارت سنبھالتے ہی کونسل اور مجاہدین کی از سر نو ترتیب دی اور اتحاد و اتفاق پر زور دیتے ہوئے ان نافرمان مجاہدین کو منانے کی حد درجہ کوشش کی، یوں جنوری/ ۱۹۵۸ء تک آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے تھے۔

صالح احمد صاحب نے ۲۲/جنوری/۱۹۵۸ء میں شیل گھاٹ کے مقام پر مجاہدین کے تمام دھڑوں کو ایک جا کیا، لیکن اس اجلاس میں بعض ناسمت شناسوں نے آپ کو بالکل مایوس کر دیا تو تھا لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری اور ۷/جون/۱۹۵۸ء میں جہاد کونسل کو از سر نو ترتیب دیتے ہوئے جناب رشید احمد بوری چنگی کو نائب صدر کے عہدے پر مقرر کیا، جس کے بعد جہاد کونسل کی از سر نو ترتیب دی گئی، یوں اگلے دوسال جہاد کونسل کی جہادی سرگرمیوں میں کافی پیش رفت ہوئی تھی۔

۱۹۶۱ء کے ابتدائی مہینوں میں جہاد کونسل میں پھر سے نافرمانی شروع ہوگئی تھی، آپ نے نافرمانوں کو حد درجہ سمجھا منانے کو کوشش کی، لیکن ہر ممکنہ کوششوں کے باوجود آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

۲۶/اکتوبر/۱۹۶۱ء میں ایک تقریب میں آپ اور آپ کے چند جان نثار (جن میں میجر جنرل محمد شفیع صاحب بلی بازاری بھی تھے) مدعو تھے، لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ دعوت ایک گہری سازش کا نتیجہ تھی، یوں عین تقریب سے آپ بشمول میجر جنرل محمد شفیع اور چند ساتھیوں کو برمی افواج نے گرفتار کر لیا، ویسے عام معافی تک آپ اور آپ کے ساتھیوں کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔

دوسال کے بعد قید و بند سے رہائی ملتے ہی آپ مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقہ نائکان سری میں پناہ گزین ہو گئے، چوں کہ آپ یک ذی فہم، لائق اور با اخلاق انسان تھے، ویسے یہاں کے باشندوں نے آپ کو چیرمن منتخب کیا، اس کے بعد ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۷ء تک آپ مسلسل تین مرتبہ او پو ضلع چیرمن بھی منتخب ہوئے تھے، اس علاقے میں آپ نے ایسی ایسی سماجی، ثقافتی اور معاشرتی خدمات کیں جو اس علاقے کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصے ہیں۔

۳۰/جون/۱۹۸۹ء میں آپ نائکان سری سے نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد بذریعۂ گاڑی چاٹگام جا رہے تھے، پٹیہ کے مقام پر آپ کی گاڑی سے اور گاڑی ٹکرا گئی، جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے تھے، جنرل ہسپتال چاٹگام میں آپ کو بھرتی کیا گیا، لیکن قدرت کو اور منظور تھا کہ ڈاکٹروں کی ہزار کوششوں کے باوجود موت سے آپ کو رہائی نہیں ملی، یوں آپ اگلے روز انتقال کر گئے، آپ کی نعش کو نائکان سری لایا گیا، جنازے کے بعد آپ کو نائکان سری جامع مسجد کے بغل میں آسودۂ خاک کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میجر جنرل اور چیرمن صالح احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے نہ صرف ایک مربی تھے بلکہ ایک صحیح معنی کے وفا شناس دوست اور جان نثار رفیق بھی، اور تو اور ۱۹۷۳ء کے بعد محمد جعفر حبیب کی وفات ۱۹۸۷ء تک انہوں نے نہ صرف محمد جعفر حبیب کی خدمت کی بلکہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو دامے درمے قدمے سخنے تعاون کرتے رہے تھے، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی مرحوم:

جناب شونا علی صاحب ۶/ مارچ/ ۱۹۳۶ء میں مشرقی بوسیدنگ کی بستی دابری چنگ میں پیدا ہوئے، یہ بستی بوسیدنگ شہر کے بالمقابل دریائے مایو کے مشرق میں دامن وادی میں صدیوں سے آباد ہے، جس کی زمین قدرتی طور پر بڑی زرخیز ہے، یوں علاقۂ بوسیدنگ کی دیگر بستیوں کی بہ نسبت اس بستی کے باشندے خاصے خوش حال تھے۔

شونا علی صاحب کے والد نجو میاں مرحوم اس بستی کے سرکردہ آدمی ہونے کے ساتھ ہر دل عزیز بزرگ تھے، قدرت کو یہی منظور تھا کہ ابھی شونا علی صاحب بہت چھوٹے تھے کہ آپ کے سر سے پدر کا سایہ اٹھ گیا اور والدہ نے آپ کے چچا سے شادی کر لی تھی۔

۱۹۴۱ء میں شونا علی صاحب کی مکتب نشینی ہوئی، جناب ماسٹر دودو میاں (صلاح الدین صاحب باغگونوی منگڈوی) سے آپ نے قرآن کریم کا ناظرہ پڑھا، ۱۹۴۵ء میں اگرچہ عالمی جنگ کی مصیبت کے عالم میں سہی آپ نے رنگیہ دنگ (بوسیدنگ) کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، ذہانت کا عالم تھا کہ اساتذہ نے پہلی جماعت کی پڑھائی کے بعد درمیان کی دوسری جماعت کو چھوڑ کر تیسری جماعت میں داخل کرا دیا، یوں تیسری اور چوتھی جماعت مکمل کر کے ۱۹۴۸ء میں بوسیدنگ ڈاک بنگلا میں آپ نے اختصاصی طور پر امتحان دیا، جس میں آپ کی کامیابی کے بعد اکیاب گئے، یہاں چند سال پڑھتے رہے، اس کے بعد چوکپرو سے مٹرک کا امتحان پاس کر کے گھر واپس آگئے تھے۔

اس پڑھائی کے دوران ایک واقعہ یہ ہوا تھا کہ آپ کے چچازاد بھائی جناب سید حسین صاحب (جو بانی تحریک آزادی محمد جعفر حسین قوال کے معتمد خاص اور جہاد کونسل کے سرکردہ لیڈروں میں سے تھے) اپنے پورے گھرانے کے ساتھ مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقہ میں ہجرت کر گئے تو ماسٹر شونا علی صاحب بھی پڑھائی کے اختتام پر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، آپ ہجرت کی اس زندگی میں لیموسری کے مقام پر ایک سال بے کار پڑے رہے، اس کے بعد ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۲ء تک ٹیکناف میں مقیم رہے، یہاں آپ نے دیگر قومی سرگرمیوں کے ساتھ ایک نجی تجارتی لائبریری بھی کھول رکھی، جس میں آپ کو خاصی کامیابی ملی تھی۔

۱۹۵۸ء میں ماسٹر شونا علی صاحب نے اپنے استاد و مربی دودو میاں صاحب کی لڑکی سے شادی کی، لیکن ۱۹۶۲ء میں اہلیہ میکہ (باغگونہ منگڈو) گئی اور واپسی کا نام نہیں لیا تو آپ کو مجبوراً وطن واپس لوٹنا پڑا تھا، اب آپ نے اپنی بستی میں کھیتی باڑی کام شروع کر دیا، اس دوران آپ کو بعض مصلحت کی بنیاد پر برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی کا ممبر بھی بننا پڑا تھا۔

۱۹۶۴ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کی تشکیل میں آپ نہ صرف اس کے تاسیسی ممبر رہے بلکہ آپ علاقۂ بوسیدنگ کے ذمے دار بھی چنے گئے تھے، یوں اس قومی تنظیم کے زیر سائے آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۶۹ء میں برمی حکومت کو اس بات کا پتہ چل چکا تھا کہ ماسٹر شونا علی صاحب ریف کے مؤسسین میں سے ہیں، یوں برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی کی جانب سے آپ کو پروانہ ملا کہ آپ بوسیدنگ کے پارٹی دفتر میں فوراً حاضر ہوں، اس سلسلے میں پارٹی کی طرف سے یکے بعد دیگرے تین تین خطوط ملتے رہے، اب سمجھ چکے تھے کہ وطن کی زمین آپ کے لئے تنگ ہو چکی ہے، ایسے حالات میں اور ایک خط آیا جس میں لکھا گیا تھا کہ آپ فوراً حاضری نہیں دیں گے تو آپ کو باغیوں کی فہرست میں شامل کر لیا جائے گا، ویسے ترک وطن آپ کے لئے گویا واجب ہو گیا، یوں کسی طرح جان بچا کر بنگلا دیش پہنچ گئے تھے۔

۱۹۶۹ء میں آپ اپنی آبائی بستی سے نکلے، تنگ بازار اور تامی سے ہو کر فانسی پہنچے، یہاں آپ کی ملاقات روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے نائب صدر جناب ماسٹر شونا علی صاحب زادی فرانگی اور ان کے دست راست جناب عبدالجلیل صاحب سے ہوئی، ان دونوں کو اپنا حال سنایا اور تحریک آزادی کے حوالے سے طول طویل گفتگو کی، اس کے بعد آپ درۂ گرجنیہ عبور کر کے بائس فاری پہنچے، یہاں آپ نے ماسٹر دلیل احمد رنگیا دنگی اور محمد جعفر حبیب سے ملاقات کی، اس کے بعد آپ ٹیکناف میں مقیم ہو گئے تھے۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا تاسیسی پروگرام شروع ہوا تو ماسٹر شونا علی صاحب اس میں شریک ہوئے، لیکن ۱۹۷۳ء ہی میں آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی، تاہم بعد میں

اس کے بعض اجلاس میں آپ شریک بھی ہوئے لیکن مرتے دم تک جنگل جانے کا نام نہیں لیا تھا۔

ماسٹر شونا علی صاحب الحاج ابو الکلام خونیہ فاروی کے دوستوں اور ہم نشینوں میں سے تھے، اور تجارت کے حوالے سے حاجی صاحب کے معاون بھی رہے، آپ نے ایک طویل زندگی نائکان سری میں گزار کر وہیں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماسٹرعزیزاحمد صاحب زادی فرانگی، بوسیدنگی مرحوم:

محترم ماسٹرعزیزاحمد بن حضرت علامہ اصحاب الدین صاحب کی ولادت ۱۹۳۸ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی زادی فرانگ میں ہوئی، آپ کے والد حضرت علامہ اصحاب الدین صاحب ایک عظیم المرتبت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنے زمانے میں علاقہ بھر میں معروف اور مشہور تھے، جن کا مختصر تذکرہ راقم کی تصنیف ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

محترم عزیز احمد صاحب کی بسم اللہ خوانی اپنے بزرگ ترین والد صاحب کے ہاتھ میں ہوئی، اس کے بعد بستی کے مکتب میں پڑھے، ساتھ ہی فندوفرانگ کے سرکاری پرائمری اسکول میں برمیز اور انگریزی کی تعلیم بھی شروع کردی، آپ کے پرائمری کے اساتذہ میں ماسٹرعزیز الرحمٰن صاحب بڑے قابل قدر استاد تھے۔ پرئمری کے بعد ۱۹۵۵ء میں آپ نے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۹ء میں ہائی اسکول فائنل کیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے رنگون کا سفر کیا، جہاں آپ نے ایک ملٹری شفا خانہ میں نوکری کی، پھر ۱۹۶۱ء میں وطن واپس آئے اور دوبارہ اسکول میں داخلہ لے کر ۱۹۶۲ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا۔

مٹرک پاس کرنے کے بعد بوسیدنگ ہائی اسکول میں پرائمری کے استاد مقرر ہوئے، یہاں آپ نے ۱۹۶۴ء تک تعلیم دی، پھر ۱۹۶۵ء میں بوسیدنگ ٹاؤن کے'' سینپرا'' نامی اسکول میں منتقل ہوئے، جہاں آپ نے ۱۹۶۸ء تک تعلیم دی تھی، اس کے اگلے دو سال لاوادنگ اسکول میں بھی تعلیم دی تھی۔

۱۹۷۸ء میں آپ نے مہاجرین کے ساتھ بنگلا دیش کی طرف ہجرت کی تھی، تقریباً نو مہینے تک ہجرت کی زندگی گزار کر وطن واپس لوٹے تھے، ماسٹرصاحب نے اپنی اس ہجرت کے دوران بنگلا دیش میں مقیم مہاجرین کی بساط بھر خدمت کی تھی، آں جناب کی مؤثر قیادت کی وجہ سے روہنگیا مظلوم مہاجرین کا بہت ہی فائدہ ہوا تھا۔

ماسٹرصاحب شروع ہی سے روہنگیا انڈی پینڈنٹ فورس (RIF) کے سینئر ممبر تھے، اس وقت وطن عزیز کے اندر زیرزمین کام کرنے والی اس تنظیم کے زیرسایۂ آپ نے قوم وملت کی بڑی بڑی خدمات

انجام دی تھیں، روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس نے ۱۹۷۲ء کے بعد روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی شکل اختیار کرلی تو آپ نے اندرون وطن میں رہتے ہوئے اس زیرزمین کام کرنے والی روہنگیا تنظیم کا بھرپور تعاون کیا تھا، اور خفیہ طور پر اس تنظیم کے اجلاس اور مختلف پروگراموں میں بھرپور شرکت بھی کی تھی۔

ماسٹرصاحب طالب علمی کے زمانے سے وطن کے حوالے سے کی جانے والی سیاست میں حصہ لیتے رہے، ارکانی مسلمانوں کی عزت و وقار اور ان مسلمانوں کے سیاسی استحکام کے لئے کوششیں کرتے رہے، اس حوالے سے آپ چند مرتبہ جیل بھی گئے، مختلف مصیبتیں بھی جھیلے تھے، ویسے اس حوالے سے آپ کی خدمات اور قربانیاں بڑی قابل قدر ہیں۔

آخرکار ۱۹۸۴ء میں آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ کردی گئی تو آپ نے ہجرت کی اور بنگلا دیش ہوتے ہوئے حجاز مقدس پہنچے، اور یہاں بھی مختلف قومی کاموں میں حصہ لیتے ہوئے ۲۰۱۷ء داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ماسٹرصاحب سعودی عرب میں بیٹھے ہوئے نہیں تھے، ایک طرف تعلیم و تعلم کے ذریعے ہماری نئی نسل کو قومی وملی خدمات کے لئے تیار کررہے تو دوسری طرف روہنگیا مسلمانوں میں فلاح و بہبود کے حوالے سے کام کرنے والوں کا بھرپور تعاون کرتے رہے تھے، آپ کی ہمیشہ یہی آرزو رہی تھی کہ ارکانی مسلمانوں کی خدمات کے لئے ایک جامع، اصولی اور فعال تنظیم ابھر کر سامنے آئے اور اس سلسلے میں آپ نے بذات خود بھی بہتوں کوششیں کی تھیں، لیکن آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

سیاست، قیادت اور انقلاب کے متعلق کبھی مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب سے ماسٹرصاحب کا توقع وابستہ رہا تھا، کہ مولانا روہنگیا مسلمانوں کی خدمات کے حوالے سے کوئی اچھے اور بارآور کام کریں گے، لیکن بعد میں آپ کے بیان کے مطابق آپ کی امیدیں درہم برہم ہوگئی تھیں، ویسے آپ کو مولانا کے متعلق خاصا پریشان بھی دیکھا گیا تھا۔

ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تشکیل ہوئی تو آپ نے اس فورم کا مفکرانہ، مبصرانہ جائزہ لیا، اور آپ کے بیان کے مطابق آپ کو اس میں فتور ہی فتور نظر آرہا تھا، یوں اس فورم پر آپ نے جو تنقیدی نظر ڈالی تھی، میرے خیال میں وہ بڑے قابل قدر تھی۔

ماسٹر صاحب نے مولانا سلیم اللہ عبدالرحمٰن صاحب مرنگلوی صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) سے بھی اپنی آخری حیات میں امید وابستہ کرلی تھی، لیکن جہاں تک میں نے دیکھا کہ بعد میں آں جناب سے بھی آپ اپنی مایوسی کا اظہار کررہے تھے۔

ماسٹر صاحب بڑے ذہین اور تیز وطرار انسان تھے، ساتھ ہی ساتھ فصیح اللسان اور جادو بیان بھی، آپ کا ہر ایک بیان برجستہ، مرتب اور دلائل سے پر ہوا کرتا تھا، کہنے میں یوں تو آپ برمیز اور انگریزی دان دانشور تھے، لیکن آپ کے طرز زندگی اور انداز کلام میں عالموں کی شان نظر آتی تھی، آپ ہر حال میں نستعلیقی کیفیت کے انسان نظر آتے تھے، خاصی وضع داری کے ساتھ وضع قطع بھی دیکھے جانے کا قابل تھا، ارکان اور برما کی سیاست میں آپ بڑے درک رکھتے تھے، اوراس میں کسی قسم کے شبہ اور شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ ایک مبصر اور ایک منجھے ہوئے سیاست دان تھے اور وطن عزیز کے مسائل و مشکلات پر گہری نظر رکھنے والا ایک انقلابی ذہنیت کا انسان تھے۔

ظاہر ہے کہ ماسٹر صاحب ایک جلیل القدر عالم دین کا صاحب زادہ تھے، یوں طبیعی طور پر علماء اور طلبائے دینی مدارس سے خاصی محبت اور شفقت رکھتے تھے، میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں آپ کو بہت ہی قریب سے دیکھا، آپ کے دوست، احباب اور ہم راز تقریبا سارے کے سارے علمائے کرام تھے، حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب مظاہریؒ (سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ) اور حضرت مولانا ابوسعید صاحب ہولی مرنگی (سابق ناظم جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ) ماسٹر صاحب کے بہت ہی قریبی دوستوں اور ہم رازوں میں سے تھے، ماشاءاللہ آپ کو علمائے کرام سے ان ہی کی زبان میں باتیں کرنے کی کافی لیاقت، استعداد اور ملکہ حاصل تھا، اللہ تعالی آپ کی زندگی کو قبول کرے۔

سعودی عرب میں تقریبا بارہ تیرہ سالوں تک مجھے آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا، میں جبھی آپ سے ملاقات کو پہنچتا آپ کے چہرے میں چمک سی آجاتی تھی، مجھے بڑے پرتپاک استقبال کرتے، اور باتوں باتوں میں اپنا دل کھول کر رکھ دیتے تھے، ویسے تو آپ کی بہت ساری باتیں مجھے اب بھی یاد ہیں، طوالت کا خوف تو ہے، لیکن پھر بھی چند باتیں یہاں حاضر خدمت ہیں:

۱۔ روہنگیا مسلمانوں کی شادیوں کے مواقع پر جو بعض رسومات دیکھی جاتی ہیں، وہ صرف اور صرف ان مسلمانوں کی قومی تہذیب سے متعلق ہیں، ان کا دینیات سے کوئی بھی تعلق نہیں۔

۲۔ شادیوں کے مواقع پر جو گڑھا دیا جاتا تھا (آج کل یہ رسم ہمارے یہاں متروک ہے) اس کا تعلق کسی بدعات وخرافات سے نہیں تھا بلکہ وہ بھی صرف روہنگیا قومی تہذیب سے متعلق تھا۔

۳۔ ہمارے یہاں جو فاتحہ خوانی ہوتی تھی، اور وہ بھی صرف کھانے پینے کے موقع پر، وہ اس لئے کی جاتی تھی کہ اس زمانے میں چوں کہ ہماری اکثریت علم دین سے محروم تھی، لوگ دین سے بے گانے تھے، اس لئے مولوی حضرات کم سے کم کھانے کے مواقع پر ہی سہی اللہ تعالی کا نام لئے کچھ مختصر سورتیں اور دعائیں بلند آواز سے پڑھتے تھے، تاکہ تدریجا لوگ کچھ دینی امور سے مانوس ہوسکیں، حضرات مولویوں کا یہ فلسفہ اور حکمت اس وقت کے لحاظ سے بڑی بیش قیمت تھی اور میں نے دیکھا کہ معاشرہ میں اس کا فائدہ بھی بہت ہوا تھا۔

۴۔ تہذیب ایک قوم کی بقاء کی ضامن ہوتی ہے، اس لئے روہنگیا مسلمانوں کو اپنی قومی تہذیب کی بقاء کے لئے کوشش کرنا بے حد ضروری ہے۔

۵۔ شادی کے مواقع پر خواتین اور لڑکیاں جو قومی راگنیاں الاپتی ہیں، ان میں روہنگیا قوم کے ماضی کی داستانیں ہوا کرتی ہیں، اپنے ماضی اور تاریخ کی طرف اشارات ہوتے ہیں، اس لئے میرے نزدیک ان کی بقاء کی بے حد ضرورت ہے۔

اللہ تعالی ماسٹر صاحب کی مغفرت کرے اور آپ کی تمام قومی اور ملی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

الحاج محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی:

الحاج محمد ابوالکلام بن ماسٹر محمد ہاشم کی ولادت خونیہ فارہ منگڈو میں ہوئی، ان کے والد ایک ماسٹر ہونے کے ساتھ ایک دین دار آدمی تھے، اور والدہ بھی سن رکھا تھا کہ نہایت نیک صفات خاتون تھی۔

ہوش سنبھالتے ہی ابوالکلام صاحب کو بستی کے مکتب میں بیٹھا دیا گیا، جہاں سے انہوں نے دینی مبادیات کے ساتھ اردو زبان میں کچھ لکھنا پڑھنا سیکھا، اس کے ساتھ بستی کے سرکاری پرائمری اسکول میں بھی کچھ پڑھتے رہے تھے۔

اس کے بعد تعلیم کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں منگڈو گئے، وہاں ان کے چچا صدیق احمد صاحب کے گھر ٹھہرتے ہوئے اسٹیٹ ہائی اسکول آف منگڈو میں اپنی پڑھائی کو آگے بڑھائے، دراں حالیکہ ان کے چچا صدیق احمد صاحب جمعیت علماء منگڈو برانچ کے صدر اور فیاضی فارہ کے رہائشی تھے۔

کہتے ہیں کہ ابوالکلام صاحب نے چند سالوں تک مذکورہ اسکول میں تعلیم پائی، لیکن تعلیم کو آگے بڑھانے میں بعض نامساعد حالات آڑے آگئے تھے، یوں انہوں نے اپنی تعلیم کو آگے نہ بڑھا سکا، کہتے ہیں کہ ایک طرف ملک کے نامساعد حالات تو دوسری طرف معاشی مشکلات وہ اور ان کی تعلیم کے مابین حائل ہوگئی تھیں، آخر کار انہوں نے ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان میں پناہ لی تھی۔

پہلے پہلے محمد ابوالکلام صاحب نے مشرقی پاکستان کے بالکل آخری سرحدی علاقہ شاہی فریدیپ میں قیام کیا، جہاں انہوں نے تجارت سے دل چسپی لینا شروع کیا، اس کے بعد انہوں نے چاٹگام کے تجارتی مرکز خاتون گنج میں ایک دکان لگائی، جاپان وغیرہ ملکوں سے پرانے کپڑے منگوا کر یہاں کے مختلف بازاروں میں سپلائی کرتے رہے، ماشاء اللہ تجارت کے حوالے سے وہ ایک قسمت کے دھنی انسان نکلے، دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تجارت نے کافی ترقی کی، یوں اگلے چند سال گزرتے نہ گزرتے کم سے کم ہماری برادری کے تجارتی حلقوں میں ان کی خاصی شہرت ہوگئی تھی۔

اس سلسلے میں یہ ایک حیرت کا مقام ہے کہ جسمانی اعتبار سے ایک کم زور انسان کا دماغ بھی تجارت کے حوالے سے اتنا حیرت انگیز اور پختہ ہوسکتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طبعی طور پر ابوالکلام صاحب ایک شاندار تاجر اور اعلی ذہن کے مالک آدمی ہیں، اور یہ قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ جس نے ان کو

تجارت کے حوالے سے ایک مضبوط اور طاقتور انسان بنایا ہو۔

اس کے بعد ابوالکلام صاحب نے بنگلادیش کا حالیہ معروف بنگ یونائیٹڈ کمرشیل بنگ لمیٹڈ (UCBL) میں اپنا سرمایہ لگایا، جس میں وہ مرکزی ڈائرکٹر بنے، پھر ایک سال کے بعد وہ اس بنک کے مرکزی چیرمین بنے تھے، یوں بنک کاری کے ذریعے انہوں نے اتنی دولت کمائی کہ اگلے چند سالوں میں ان کو روہنگیا برادری میں سب سے چوٹی کے دولت مند سمجھا جانے لگا تھا، بعد ازاں انہوں نے کروڑوں مالیت کی جائدادیں خریدیں، اور تو اور مذکورہ بنک کے تعاون سے شہر چاٹگام کے شمال میں ''کومیرا'' کے مقام پر دو بڑی فکٹریاں لگائیں، یوں جو کل تک ایک تاجر اور بنکار تھے آج روہنگیا برادری میں میرے علم کے مطابق پہلا انڈاسٹریلز کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔

دولت کمانے اور جمع کرنے کے حوالے سے ابوالکلام صاحب کی ذہانت کو داد دیے بغیر رہا نہیں جاتا اور نہ رہا جاسکتا ہے، انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت کو وقت وقت پر کام میں لایا اور لگایا، اگر چہ ان کی ساری دولت وثروت ان کی اپنی ذاتی ہے لیکن روہنگیا جیسی ایک محروم برادری کے لئے یہ ایک فخر کا مقام ہے کہ ان کی شکل میں ایک کامیاب تاجر، بنک کار اور انڈسٹریلز پہلی مرتبہ اس برادری کے مابین نمودار ہوا تھا۔

مذکورہ فکٹریوں میں انہوں نے اپنی برادری کے درجنوں جوانوں اور نو جوانوں کو نوکریاں دے کر سہارا دیا، جب کہ اس حوالے سے ہمارے بعض نادان یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے ان جوانوں اور نو جوانوں کی وجہ سے بہت ہی فائدے ہوئے تھے، لیکن نادان جو بھی کہے شاید کہنے کا حق حاصل ہے، لیکن میرے ناقص خیال میں انہوں نے اس وقت کے پیش نظر اپنی ان فکٹریوں میں ان بے سہاروں کو سہارا دے کر ایک بڑی خدمت کی تھی، جس پر ان کو داد تحسین ضرور ملنا چاہئے، خدا کرے کہ ان کو اس مستعار زندگی میں مزید خدمت کی توفیق ہو جائے۔

ابوالکلام صاحب مجموعی حیثیت سے ایک سیاسی ذہنیت کا انسان ہیں، ۱۹۷۵ء کے بعد روہنگیا مسلمانوں کی قومی سطح پر ابھرنے والی سیاسی اور انقلابی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) منظر عام پر آئی تو وہ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے تھے، وہ کبھی محاذ کے قائد ورہنما محمد جعفر حبیب کے مشیر خاص بھی

رہ چکے تھے، لیکن محاذ میں انتشار اور بطور خاص محمد جعفر حبیب کے انتقال کے بعد ایک طویل عرصہ تک روہنگیا برادری کے حوالے سے نت نئی بننے اور ابھرنے والی کسی بھی تنظیم کے ساتھ تعاون نہیں کیا تھا، تاہم اس حوالے سے بعض حضرات کا خیال ہے کہ محاذ میں انتشار کے بعد انہوں نے ہمارے انقلابیوں کے مابین پائی جانے والی رسہ کشی، تناؤ اور اختلافات کو مٹانے اور ان کو ہم آہنگ کر کے اتحاد کے پرچم تلے جمع کرنے کی مقدور بھر کوشش کی تھی، جب کہ ان پر بعض ناقدین کی یہ رائے بھی ہے کہ اس حوالے سے ان کی کوشش کوئی مثبت ہونے کے بجائے منفی اور تعمیری ہونے کے بجائے تخریبی تھی، لیکن میرے ناقص خیال میں شاید کہ جناب محمد ابوالکلام صاحب ایک دل جلے انسان ہوں، ان پر یہ اور اس جیسے الزامات شاید حقیقت کی منافی ہوں۔

وقت کے تقاضے اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کا یہ کردار ضرور قابل ملاحظہ ہے کہ محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے معزول کرتے ہوئے جناب شبیر حسین صاحب کو عہدۂ صدارت پر بٹھانے میں باوثوق ذرائع کے مطابق الحاج محمد ابوالکلام صاحب کا بھی ہاتھ تھا، دراں حالیکہ وہ مجلس شوری (RNC) کے چیرمن تھے، بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ اگر اس وقت وہ ساتھ نہیں دیے ہوتے تو جناب شبیر حسین صاحب محمد جعفر حبیب کو معزول کر کے عہدۂ صدارت پر براجمان نہیں ہو سکتے تھے، لیکن میرے ناقص خیال میں محمد ابوالکلام صاحب پر یونہی ایسا الزام لگانا حق بجانب نہیں، ممکن ہے کہ اس وقت کے حالات کی رو سے ان کی کچھ مجبوریاں اور معذوریاں بھی رہی ہوں گی، یا یہ بھی ممکن ہے کہ ان پر اس قسم کا الزام مخالفین ومعاندین کا تراشا ہوا ہو۔

۱۹۷۵ء میں چاٹگام بنگلا دیش میں رجسٹر دشدہ روہنگیا برادری کی واحد فلاحی/ رفاہی تنظیم ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) اپنی ابتدا سے تقریبا گروپ بندی کی شکار رہی ہے، جناب الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے ناقدین ان پر یہ الزام بھی لگاتے پھرتے ہیں کہ اس تنظیم کے حوالے سے ہر دور میں اختلافات کو ہوا دینے میں وہ پیش پیش رہے تھے، ۱۹۹۸ء تک قوم کی یہ معروف فلاحی تنظیم دو مختلف اور متحارب گروپوں میں منقسم تھی، جن میں ایک کا سرغنہ یہی محمد ابوالکلام جب کہ دوسرے گروپ کا سرخیل اڈووکٹ ابوالکلام نیا فاروی تھے، لیکن ان دونوں گروپوں کے چند دل جلے

حضرات کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں کسی قدر اتحاد عمل میں آیا اور الحاج محمد ابوالکلام کو چیرمن بھی بنایا گیا تھا، لیکن اگلے دو سال کے بعد الکشن ہوا تو وہ چیرمن نہیں بن سکے تھے، جس کے بعد دوبارہ دھڑابندی کی ہوائیں چالو ہوگئی تھیں، جن کے نتیجے میں یہ تنظیم انتشار کی شکار ہوگئی، اور انتشار بھی اس ڈھب سے ہوا کہ اس تنظیم کے اراکین عاملہ وشوری کی ایک بھاری اکثریت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے علیحدہ کر ایک دوسری رفاہی تنظیم قائم کر لی تھی، ویسے جناب محمد ابوالکلام صاحب کے معارضین کا خیال ہے کہ اگر اس وقت انہوں نے منفی کے بجائے کچھ مثبت کردار ادا کیا ہوتا تو ارکان ہسٹریکل سوسائٹی اس انتشا کی شکار کبھی نہیں ہوتی۔

بہر کیف محمد ابوالکلام صاحب نے اس ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی اپنے انداز سے ایک مجلس عاملہ اور ایک شوری تشکیل دی، جس میں وہ آج ۲۰۲۲ء تک چیرمن ہیں، پھر میری جانکاری کے مطابق انہوں نے اس تنظیم کے بحیثیت چیرمن عرب امارات اور سعودی عرب کے مختلف دورے کئے، بعد میں اس تنظیم نے ارکان روہنگیا یونین (ARU) میں ممبر شپ بھی حاصل کر لی تھی۔

چلتے چلتے الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے متعلق اور ایک ضروری بات بھی بتا دوں کہ ۱۹۹۸ء میں روہنگیا قوم کی قومی سطح پر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان ہوا (یاد رہے کہ یہ وہ تنظیم ہے جسے اس وقت قوم کے ایک حیثیت سے سواد اعظم نے اپنی متحدہ کوشش کے ذریعے منظر عام پر لایا تھا، جس میں اس زمانے کی معروف تنظیم ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے علاوہ روہنگیا مسلمانوں کے اعلی درجہ کے چند علماء اور دانشوروں کی کوششیں شامل تھیں، اور مذکورہ دونوں تنظیموں نے اپنے اپنے ناموں کو کالعدم کر کے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے پرچم تلے جمع ہونے کو مناسب سمجھا تھا) اس ابھرنے والی تنظیم میں الحاج محمد ابوالکلام صاحب (ایک طویل عرصے یعنی روہنگیا فدائین محاذ کے انتشار کے بعد) قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر بنے تھے۔

لیکن روہنگیا قوم کی بدقسمتی تھی اور ہے کہ چند مہینے گزرتے نہ گزرتے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو اختلاف، انتشار اور افتراق کی عفریت نے آدبوچا، اس حوالے سے بعض لوگوں کا یہ

خیال بھی شاید خیال ہو کہ ''اس وقت بعض فتنہ پردازوں نے محمد ابوالکلام صاحب کو ورغلایا تھا کہ وہ اس تنظیم سے لاتعلق یا علیحدہ ہو جائیں، ویسے انہوں نے اس تنظیم سے لاتعلقی اور علیحدگی اختیار کر لی تھی''، لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ان کی اس علیحدگی اور لاتعلقی کے پیچھے دیگر اسباب و علل بھی کارفرما تھے۔

بہر حال یہ سچ ہے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے اعلان کے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے اور اس کے قائدین کے قدم سنبھلتے نہ سنبھلتے محمد ابوالکلام صاحب نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

شاید اس علیحدگی میں ان کی کچھ مجبوریاں بھی رہی ہوں، لیکن یہ ایک امر واقعی ہے کہ آپ جیسے ایک آدمی کا اس متحدہ پلیٹ فارم سے علیحدہ یا لاتعلق ہو جانا فتنہ پردازوں کو تعاون کا مترادف ہوا تھا، اس وقت ان کی علیحدگی اور لاتعلقی کی وجہ سے ایک طرف اس متحدہ تنظیم کا بھاری نقصان ہوا تو دوسری طرف انتشار پھیلانے والوں کو مزید انتشار پھیلانے میں کافی مدد مل گئی تھی، شاید اس شکایت کے خلاف ان کا کوئی قابل قبول بیان بھی رہا ہو؟۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے دربار سے وابستہ بعض حضرات گرامی ان کی بعض مجبویوں اور کمزوریاں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مفاد پرستانہ مشوروں سے ان کو گمراہ کرتے رہتے ہیں، لیکن میرے ناقص خیال میں محمد ابواکام صاحب بڑے حاضر دماغ اور ہر معاملہ میں ذاتی رائے رکھنے والا آدمی ہیں، شاید کہ یہ سچ ہو کہ ان کے دربار سے وابستہ بعض بونواسوں کی بانواسی کے زد میں آکر وہ کچھ متأثر ہوتے بھی ہوں گے، لیکن میرے علم کے مطابق وہ مفاد پرستوں کی مفاد پرستی پر مبنی چڑھاوے میں چڑھنے والے نہیں ہیں، بونواس جتنا بھی چالاک اور ہشیار کیوں نہ ہو جناب حاجی صاحب کو اپنے جال میں پھنسانا آسان نہیں بلکہ میرے علم کے مطابق ناممکن ہے۔

بہر میرے نزدیک الحاج محمد ابوالکلام صاحب ایک بڑے دولت مند ہونے ساتھ قوم کے حوالے سے ایک دردمند انسان بھی ہیں، اور سیادت وقیادت کے شائق بھی، ۱۹۷۵ء سے تادم تحریر جس انداز سے بھی کیوں نہ ہوں قومی خدمات کے حوالے سے پیچھے نہیں ہیں، ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کے حوالے سے وہ ہمیشہ ہشیار اور حاضر دماغ رہے ہیں، انہوں نے اس تنظیم کی قیادت کرتے ہوئے مختلف ملکوں کا

دورے کئے اور جہاں بھی گئے روہنگیا مسلمانوں کے اتحاد باہمی اور قومی یکجہتی پر زور دیا تھا۔

محترم الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ اب بھی لکھنا باقی ہے، میری کاوش ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' میں ان پر طویل تبصرہ کیا گیا ہے، تفصیلات وہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی حیات میں مزید برکت دے۔

ماسٹرعبدالغفار صاحب نکھوروی مرحوم:

جناب عبدالغفار بن مولانا ولی احمد صاحب ۲۲/جون/۱۹۲۲ء میں شمالی منگڈو کے معروف قصبہ نکھورہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مولانا ولی احمد صاحب ایک بلند پایہ کے عالم دین ہونے کے علاوہ ایک درویش صفت داعی بزرگ تھے، جنھوں نے دعوت وتبلیغ کے ذریعے یہاں ہزاروں لوگوں کو راہ راست پر لایا تھا، کہتے ہیں کہ ان کا مزاج بڑا انرالا اور زبان بڑی شوخ تھی۔

ماسٹر صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی میں ہوئی، اس کے بعد قاضی آباد کے اردو اسکول سے ساتویں جماعت تک تعلیم پائی، اس کے بعد آپ علاقے میں استاد مقرر ہوئے، یوں ہزاروں مسلم طلباء آپ سے مستفید ہو سکے، جس کی وجہ سے آپ کو ماسٹر عبدالغفار کہا جاتا تھا۔

ماسٹر عبدالغفار صاحب ایک طرف جناب مرحوم رشید احمد قاضی آبادی (MP) کے حقیقی ماموں یعنی مرحوم چوہدری ابوالخیر صاحب آپ کے بہنوی تھے تو دوسری طرف اڈووکٹ سلطان احمد بالو خالوی (MP) اور جناب مولانا عبدالغفار (MP) وپارلیمنٹری سکریٹری دونوں بھی آپ کے بہنوی تھے۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران جناب ماسٹرعبدالغفار صاحب ایک پولیس افسر تھے، اس دوران ٹیچر ٹریننگ کے لئے رنگون کا سفر کیا تھا، برما کی آزادی کے بعد اردو کی سرکاری حیثیت ختم کر دی گئی تو آپ ایک حیثیت سے مفلوج ہو کر رہ گئے تھے، جس کا آپ کو مرتے دم تک افسوس رہا تھا۔

ماسٹر صاحب نے دو شادیاں کیں:

۱۔ آپ کی پہلی اہلیہ وظیفہ بیگم بنت اڈووکٹ قاضی عبدالعلی تھی، کہتے ہیں کہ آپ کی یہ اہلیہ بڑی نیک، پارسا اور عابدہ خاتون تھی۔

۲۔ آپ کی دوسری اہلیہ چمن آرا بنت ماسٹر محمد شریف تھی۔ اللہ تعالی نے ماسٹر صاحب کی اولاد میں بڑی برکت دی، دونوں کے بطن سے چھ صاحب زادیاں اور نو صاحب زادے پیدا ہوئے تھے۔

ماسٹر صاحب نے دوسری عالمی جنگ کے بعد قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، جن میں نمایاں یہ ہیں:

۱۔ آپ جہاد کونسل کے ممبر رہے تھے۔

۲۔ آپ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہے تھے۔

۳۔ آپ روہنگیا جمعیت علماء کے لیڈر رہے تھے۔

۴۔ ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو احیاء وتجدید کرنے میں آپ کا بڑا ہی رول تھا، جس کی تفصیلات میری مختلف کاوشوں میں پھیلی ہوئی دیکھی جاسکتی ہیں۔

۵۔ بعد میں آپ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لیڈر بنے، اور اس کی مجلس عاملہ میں نائب صدارت کا عہدہ سنبھالا تھا۔

میری نظر میں آپ کی سب سے بڑی خدمات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے ''ارکانی مسلمانوں کے عروج وزوال'' نامی اردو میں ایک کتاب لکھی، جو مخطوط شکل میں میرے پاس موجود ہے، جس پر الحمد للہ میں نے ایک مقدمہ لکھا اور اس قابل بنایا کہ منظر عام پر آسکے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس بیش قیمت کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی توفیق عنایت کرے، آمین۔

میں نے ماسٹر صاحب کو براہ راست نہیں دیکھا، لیکن آپ کے متعلق بیان کرنے والوں کے بیان سے جہاں تک پتہ چلا کہ آپ نہایت دین دار، خداترس ہونے کے ساتھ قوم وملت سے بڑی ہمدردی رکھنے والے مخلص بزرگ تھے، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔

پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری:

پروفیسر محمد زکریا کی ولادت ۱۹۴۲ء میں شمالی بوسیدنگ کے معروف ومردم خیز قصبہ تنگ بازار میں ہوئی، آپ کے والد حضرت مولانا تراب الدین صاحب ایک جلیل القدر عالم دین و مایۂ ناز معلم و مدرس ہونے کے علاوہ ایک فنافی الرسول بزرگ تھے، علاقے کے علاوہ شمالی منگڈو کے قصبہ بلی بازار اور قاضی آباد میں آپ کے شیدائی اور بڑی تعداد میں چاہنے والے دیکھے گئے تھے۔

محمد زکریا صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں ہوئی، آپ نے اپنے نامور والد سے دینیات اور اخلاقیات کی تعلیم پائی، ساتھ ہی ساتھ تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں پڑھتے رہے، بعد میں مٹرک کے امتحان امتیازی شان سے پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی سے بی ایس سی پھر ایم ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں، غالباً علم النباتات میں آپ کا تخصص ہے، اس کے بعد برما اور ارکان کے مختلف کالجوں اور یونیورسیٹیوں میں بحیثیت لکچرر فرائض انجام دیتے رہے تھے۔

۱۹۶۶ء کے دوران ارکان کے حوالے سے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کی تشکیل ہوئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے اور بڑی ہی راز داری کے ساتھ قومی کاموں کو آگے بڑھایا، آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بہت سارے اسکولوں اور کالجوں کے روہنگیا طلباء ریف میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی احیاء ہوئی تو آپ ارکان کے دارالحکومت اکیاب سے اپنے دیرینہ ساتھی ڈاکٹر محمد یونس بانگونوی سمیت ترک وطن کرکے ار پی ایف میں شامل ہو گئے، اور ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئما لوی سے عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

۱۹۷۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں انتشار ہوا تو پروفیسر صاحب نے اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیتے ہوئے تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۸۲ء کے دوران روہنگیا مسلم آرگنائزیشن (AMO) کی تاسیس اور اعلان میں پروفیسر صاحب بھی شریک تھے، اس کے بعد جناب نور الاسلام صاحب کی سربراہی میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو آپ اس میں شوریٰ اور عاملہ کے رکن رہے تھے۔

۱۹۸۴ء کے دوران روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں اختلافات سامنے آئے، جس کے نتیجے میں جناب نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا اور ان کے ہم خیالوں کو پارٹی سے نکال دیا تو پروفیسر صاحب ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیتے ہوئے چاٹگام آئے، جس کے بعد روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا دوسرا دھڑا سامنے آیا تھا۔

۱۹۸۵ء میں مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلوی کی زیر قیادت اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی رہنمائی میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے اس دھڑا نے جماعت اسلامی کے تعاون سے کافی ترقی کی تو اس دھڑے میں پروفیسر صاحب مرکزی جنرل سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۹۴ء میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے اندرون وطن میں عسکری اقدامات کئے تو مرکزی عاملہ میں اختلافات رونما ہوئے، مولانا سیف الاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے ان اقدامات کی سخت مخالفت کی تھی، جس میں پروفیسر صاحب پیش پیش تھے۔

۱۹۹۵ء میں پروفیسر صاحب، مولانا سیف الاسلام، اظہار میاں ایم پی، اور سعید الرحمٰن وغیرہ نے ڈاکٹر محمد یونس سے علیحدہ ہوکر روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے اور ایک دھڑے کا اعلان کر دیا تھا، جس میں پروفیسر صاحب صدر مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دونوں دھڑے اور نورالاسلام کی زیر قیادت ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) نے متحد ہوکر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان کیا تو پروفیسر صاحب مرکزی جنرل سکریٹری چنے گئے، لیکن چند مہینوں کے بعد آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر اس کے چند سال بعد سعودی عرب چلے گئے تھے۔

سعودی عرب کے قیام کے دوران پروفیسر صاحب نے مولانا دین محمد والی روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا ساتھ دیا تھا، لیکن مولانا دین محمد صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے اس دھڑا سے بھی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

سعودی عرب میں چند سال بڑی عسرت میں گزارنے کے بعد پروفیسر صاحب بنگلا دیش چلے آئے، ضعف جسمانی تو ہے ہی، یوں آج کل صاحب فراش ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے، آمین۔

پروفیسر صاحب نہایت دین دار، پرہیزگار اور ملت وقوم پر فدا انسان ہیں، آپ کی طویل قومی وملی خدمات کے حوالے سے لکھا جائے تو کم سے کم ایک دفتر کی ضرورت ہوگی، اللہ تعالی آپ کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے، آمین یارب العالمین۔

اڈووکیٹ نورالاسلام صاحب شیل خالوی:

سرزمین ارکان کے معروف انقلابی اور سیاسی رہنما محترم نورالاسلام صاحب ۱۳؍دسمبر؍۱۹۴۸ء میں شمالی منگڈو کی معروف بستی شیل خالی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی جناب ماسٹر عمر حمزہ صاحب علاقے کے ایک بڑے زمیندار اور سردار ہونے کے ساتھ سرکاری اسکول کے استاد تھے، ساتھ ہی ساتھ نہایت انصاف پسند، عدل دوست اور بڑے سخی اور فراغ دل بھی، کہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب علاقے بھر کے غریبوں، مسکینوں مصیبت زدوں اور پریشان حالوں کے ملجا و ماوی ہونے کی حیثیت سے نہ صرف اپنے علاقے بلکہ منگڈو شہر میں بھی معروف تھے۔

نورالاسلام صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور پرائمری سرکاری اسکول میں ہوئی، مکتب میں ناظرۂ قرآن کریم اور کچھ دینیات کی تعلیم کے ساتھ سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے ۱۹۶۸ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا، یہاں کے دوران تعلیم کے متعلق جناب اقبال صاحب باغگونوی مقیم حال ولایات متحدہ امریکہ کا بیان ہے کہ:

> ''نورالاسلام صاحب کا منگڈو کے دوران تعلیم شعور خاصا بیدار ہو چکا تھا، آپ ایک ذہین وفطین طالب علم تھے، اسی ایام میں دماغ کی روشنی کے ساتھ ساتھ ان کے قلب میں قوم کے حوالے سے ایک طوفان بپا تھا، ظاہر ہے کہ ہر طرف مگھ برمیوں کے مظالم عروج پر تھے، جنہوں نے یہاں کے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی تھی، تو انہوں نے ان مظالم کے خلاف آوازیں اٹھانی شروع کیں، اندر ہی اندر میں مسلم طلباء کو حرکت میں لانا شروع کر دیا تھا، ان کی ایسی جد و جہد سے صاف نظر آرہا تھا کہ نور الاسلام صاحب مستقبل میں قوم کی رہنمائی کریں گے، بعد میں اس کا تحقق بھی ہوا''۔

جناب نورالاسلام صاحب مٹرک کے امتحان پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۶۹ء میں رنگون پہنچے، یہاں سے ۱۹۷۳ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی، پھر اگلے سال ۱۹۷۴ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرتے ہوئے آپ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی میں نورالاسلام صاحب نے دوران تعلیم بہت ساری قومی خدمات انجام دیں، جن میں سے مسلمان طالب علموں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، اس حوالے سے محترم محمد اقبال صاحب باغگونوی کا یہ بیان ملاحظہ ہو کہ:

"رنگون میں طالب علمی کے دوران جناب نورالاسلام صاحب نے اپنے ساتھی طالب علموں کی نمایاں خدمات انجام دیں اور انہوں نے اپنے جیب خرچہ تک ان طالب علموں کے تعاون اور مدد میں لگا دیا تھا، حتی کہ سننے میں آیا کہ بسا اوقات وہ اپنے جیب خالی کرتے ہوئے بھوکے تک رہتے تھے، لیکن وطن کے طالب علموں کو پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے، زمیندار کے صاحب زادہ تھے، پیسے گھر سے آتے اور ساتھیوں پر لٹاتے رہتے تھے، ان کی یہ صفت ہمارے زمانے کے دیگر کسی بھی طالب علم میں دیکھی نہیں گئی تھی"۔

رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم نورالاسلام صاحب مختلف سیاسی، سماجی، ثقافتی اور فکری تنظیموں کے پروگراموں میں حصہ لیتے رہے تھے، ۱۹۷۰ سے ۱۹۷۱ء تک یعنی ایک سال رنگون یونیورسیٹی کے روہنگیا طلبا تنظیم "روہنگیا اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن" (RSA) کے آپ صدر رہ چکے تھے، یوں آپ نے اس طلبہ تنظیم کا رکن اور صدر رہتے ہوئے قوم کی عموما اور مسلم روہنگیا طلباء کی خصوصا بہت نمایاں خدمات انجام دی تھیں، محترم اقبال صاحب کے بیان کے مطابق آپ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے ایک فنڈ جمع کیا تھا، جسے غریب، مسکین اور نادار طلباء پر خرچ کیا گیا تھا، اس سلسلے میں آپ کے مربی جناب بن یامین صاحب (جو ایک طویل مدت تک برمی خبر رساں ایجنسی کے اعلی عہدیدار تھے) نے بڑا ہی تعاون کیا تھا، یاد رہے کہ جناب نورالاسلام صاحب بن یامین صاحب کو اپنا مربی اور سیاسی استاد مانتے تھے، اور بن یامین صاحب بھی آپ کو بڑی شفقت کی نظر سے دیکھتے اور آپ پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم جناب نورالاسلام صاحب نے اس وقت زیرزمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) سے لو لگا لیا تھا، لیکن اور ایک رویت کے مطابق آپ نے منگڈو کے دوران تعلیم ہی اس تنظیم کی رکنیت حاصل کر لی تھی، جناب اقبال صاحب کے بیان

سے مؤخر الذکر بات کا ثبوت ملتا ہے کہ:

"جناب نورالاسلام صاحب منگڈو کے دوران تعلیم روہنگیا قومی سیاست سے پوری طرح وابستہ ہو چکے تھے، انہوں نے منگڈو کے مسلمان طلباء کو منظم کیا تھا، وہ اپنے ساتھیوں کے تعاون سے برمی مظالم اور درندگی کے خلاف جاندار پوسٹرز تیار کر کے دیواروں میں چسپاں کرتے تھے، ان کی جرأت اور بے باکی کی یاد اب بھی ہمارے ذہن میں تازہ ہے، وہ سوئے ہوئے طلباء کو جگاتے اور جاگے ہوؤں کو فعال بناتے تھے، منگڈو میں کام کرنے والے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے اعلی لیڈران ان کی رہنمائی کرتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے، ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کے کردار بڑے قابل داد ہیں، غرض شک نہیں کہ جناب نورالاسلام صاحب ایک نڈر، جرأت منداور فعال طالب علم تھے"۔

ابھی نورالاسلام صاحب رنگون یونیورسیٹی میں زیر تعلیم تھے کہ ارکان میں زیرزمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) والوں کی نظریں آپ پر پڑیں، یوں آپ کو ارکان آ کر اس تنظیم میں شامل ہو کے قومی خدمات کے لئے دعوت دی گئی تھی، لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ اس تنظیم میں براہ راست شامل نہیں ہو سکے، لیکن ان کو امید دلائی کہ آپ اسے تعاون کرنے میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

نورالاسلام صاحب نے ۱۹۷۴ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد چند مہینے رنگون میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا تھا، لیکن چند مہینے جاتے نہ جاتے آپ کے لئے برما کی زمین تنگ ہو گئی یا کر دی گئی تھی، یوں آپ کو زیرزمین جا کر کام کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا، ویسے آپ ۱۹۷۴ء کے اواخر میں رنگون سے وطن پہنچے اور ۱۹۷۵ء کے اوائل میں اس وقت زیرزمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہو کے اپنی انقلابی جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔

۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء تک نورالاسلام صاحب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے کبھی نائب صدر اور کبھی سکریٹری برائے امور خارجہ کے مناصب پر کام کرتے رہے تھے، قائد تنظیم جناب محمد جعفر حبیب

صاحب آپ کو بہت ہی پسند کرتے اور آپ پر خاصے اعتماد کیا کرتے تھے، میں نے قائد حبیب کے یہ الفاظ بہت ساروں کی زبانی سنے کہ:

''ہمارے ساتھیوں میں مجھے نورالاسلام سے جتنی امیدیں ہیں اتنی اور کسی سے نہیں ہیں، وہ مستقبل میں انشاءاللہ تعالیٰ قوم کی رہنمائی اور قیادت کرے گا، اور توقع ہے کہ وہ جو بھی کرے گا خوب سے خوب تر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دے''۔

بطور خاص جناب نورالاسلام صاحب جس زمانے میں روہنگیا فدائین محاذ کے سکریٹری برائے امور خارجہ تھے، اسی زمانے میں آپ کی صلاحیات نمایاں ہوکر سامنے آئیں، اس دوران آپ نے بڑی بڑی قومی خدمات انجام دیں، آپ نے محمد جعفر حبیب کی قیادت میں روہنگیا مسلمانوں کی اس اکلوتی تنظیم کو نہ صرف بعض اقوام عالم سے متعارف کرایا بلکہ روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار سے اقوام عالم کو عموماً اور مسلم دنیا کو خصوصاً آگاہ کیا تھا، آپ کی ان خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے ہمارے ایک قابل قدر ساتھی نے یہ کہا کہ:

''۱۹۷۵ء کے بعد ارکان کے مسلمانوں پر ہونے والے آئے دن نت نئے مظالم نے جناب نورالاسلام صاحب کے لطیف احساسات کو اور بھی تیز کردیا تھا، مہاجرت کی اس زندگی ہی میں سہی ان کو سہانی رات اور روشن صبح کبھی راس نہیں آئی، ان کو اپنے وطن کے مسلمانوں کی یادیں ہمیشہ ستاتی رہیں''۔

۱۹۷۸ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں اختلافات نے مزید بال وپر نکالے، بطور خاص اعلیٰ قیادتوں کے مابین اختلافات کھل کر سامنے آئے تھے، جن سے جناب نورالاسلام صاحب بھی نہ بچ سکے تھے، بالآخر آپ اپنے چند ساتھیوں کے ورغلانے سے تنگ ہوکر روہنگیا فدائین محاذ سے مستعفی ہوگئے، اگرچہ بعد میں آپ کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوچکا تھا لیکن مواقع تو ہاتھ سے نکل چکے تھے، اور آپ ایسے سیاسی رسہ کشی اور تناؤ کے دلدل میں پھنس چکے کہ جس سے بچنے کی کوئی راہ کھلی نہیں رہی تھی، آپ زندگی بھر اس واقعہ بلکہ حادثہ پر اپنی ندامت کا اظہار کرتے رہے ہیں، ایک دن راقم سطور سے

اس افسوسناک حادثہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''مولانا! (نورالاسلام صاحب راقم سطور کو ہمیشہ مولانا کے لفظ سے یاد کرتے ہیں) دراصل ہم سے بڑی اور ناقابل تلافی غلطی ہوچکی تھی، روہنگیا فدائین محاذ سے مستعفی ہونے کے چند دن بعد مجھے اپنی غلطی کا شدید احساس ہوچکا تھا، لیکن میں ایک دلدل میں پھنس کر رہ گیا تھا، لوگوں نے محمد جعفر حبیب کو سست اور غافل کہا، مگر آج احساس ہورہا ہے کہ اتنی بڑی ایک تنظیم کا قیادت کرنا کتنا ہی کٹھن کام ہے، منزل بھی دور اور راستہ بھی دشوار ہے، تجربہ شاہد ہے کہ اس راہ کے مسافروں کو کتنے ہی مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، محمد جعفر حبیب ہمارے لیڈر، قائد اور رہنما تھے تو بڑے خوب تھے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم ان کے زیرسائے کام کرتے، ان کو مرشد اور قائد مان کر ہم اپنی صلاحیت کے مطابق کام انجام دیتے؟ کاش ہم ان سے بچھڑ نہ جاتے، آج ہمارا حال کچھ اور ہوتا، درحقیقت مجھے بعض نادانوں نے راہ راست سے ہٹایا تھا، ورنہ مجھے اس وقت بھی تھوڑا تھوڑا احساس تھا کہ کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں چل رہے ہیں؟ آج میں خود اپنی ذات سے شرمندہ ہوں، اپنوں کے سامنے نادم ہوں، شاید قوم کی اگلی نسلوں کے سامنے بھی شرمسار رہوں گا''۔

روہنگیا فدائین محاذ سے مستعفی ہونے کے بعد جناب نورالاسلام صاحب نے اپنے ہم نواؤں کے تعاون سے ایک دعوتی قسم کی تنظیم کی بنیاد رکھی، جس کا نام ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) رکھا گیا تھا، پھر تقریباً ساڑھے تین سالوں کے بعد اس تنظیم نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا، جس کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں تاحال باقی ہے۔

غرض ۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا اعلان ہوا تو جناب نورالاسلام صاحب اس کے موسس صدر مقرر ہوئے، یہاں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ اگرچہ نورالاسلام صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے موسس صدر تھے، لیکن بعد میں دنیا بھر میں آپ کی پہچان اس کے بعد قائم ہونے والی تنظیمیں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن

(ARNO) کے صدر کی حیثیت سے ہوئی، جب کے آپ کے دیرینہ ساتھی بلکہ بعد کے رقیب جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا تعارف روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کے لیڈر کی حیثیت سے ہوا تھا۔

بہر حال ۱۹۸۴ء کے دوران روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن میں شگاف پڑ گیا تھا، ایک دھڑا کی قیادت جناب نورالاسلام صاحب کر رہے تھے جب کہ دوسرے دھڑا کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب نے سنبھالی تھی، پھر ۱۹۸۵ء کے بعد مؤخر الذکر دونوں لیڈروں کی قیادت میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن نے دنیا میں شہرت پائی تھی۔

۱۹۸۶ء میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) نورالاسلام دھڑا اور روہنگیا فدائین محاذ شبیر حسین دھڑا (یاد رہے کہ ارایس او کی طرح اسی زمانے میں ار پی ایف بھی دو دھڑوں میں منقسم ہو چکی تھی، ایک دھڑا کی قیادت جناب شبیر حسین صاحب جب کہ دوسرے دھڑے کی قیادت محمد جعفر حبیب صاحب نے سنبھالی تھی) کے درمیان ہونے والے معاہدہ کے نتیجے میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) قائم ہوئی تھی۔

ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے تاسیسی صدر جناب شبیر حسین صاحب کو چنا گیا تھا، جب کہ نورالاسلام صاحب نے نائب صدارت کا عہدہ سنبھالا تھا، ابھی فرنٹ کا اعلان ہوا چند مہینے بھی گذرنے نہیں پائے کہ بعض نا قابل بیان حالات کے پیش نظر جناب نورالاسلام صاحب شبیر حسین صاحب کو معزول کر کے فرنٹ کے منصب صدارت پر براجمان ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے نہ صرف فرنٹ کے اندر بلکہ باہر بھی ہمارے سیاسی اور انقلابی حلقوں میں افراتفری ہوئی تھی اور جناب نورالاسلام صاحب پر بہت سارے الزامات لگائے گئے تھے، بہر حال شبیر حسین کو معزول کر کے نورالاسلام صاحب نے عہدۂ صدارت سنبھالا تو فرنٹ عرصۂ دراز تک بحران کی شکار رہی، لیکن بعد میں اس میں استقراریت آ گئی تھی۔

دسمبر ۱۹۹۸ء میں قوم کے دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک حضرات علماء اور دانشوران، سیاست دان اور انقلابی لوگوں کی پیہم جدوجہد کے نتیجے میں قومی سطح پر تین متحرک تنظیموں:

۱۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (زیر قیادت جناب نورالاسلام صاحب)

۲۔ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (زیر قیادت ڈاکٹر محمد یونس صاحب)

۳۔ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (زیر قیادت پروفیسر محمد زکریا صاحب)

کے مابین اتحاد اور یک جہتی عمل میں آئی، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام عمل میں آیا تھا، اس نئی تنظیم کا دستور آساسی اور قوانین مرتب ہوئے، اس دستور کے تحت الکشن ہوا تو جناب نورالاسلام صاحب صدر اور ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب نائب صدور منتخب ہوئے تھے۔

لیکن قوم کی بدقسمتی ہے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کا قیام کے چند مہینے جاتے نہ جاتے اس میں بھی وہی کہانیاں شروع ہوئیں جن کی وجہ سے ہمارے ماضی کے مختلف ادوار میں انتشار وافتراق کی جلوہ سامانیاں دکھائی دی تھیں۔

نورالاسلام صاحب پر تنقید و گرفت کرنے والے بہت کچھ کہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ تنفید کرنے والوں کو تنقید کرنے کا حق بھی ضرور حاصل ہے، اب کی بار آپ پر یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ نورالاسلام صاحب اس تنظیم کے مؤسس صدر ہیں، کیوں آپ اسے پارہ پارہ ہونے سے نہیں بچا سکے تھے؟ ایک حیثیت سے اس تنظیم میں پوری قوم کے اعلی دماغ جمع ہو چکے تھے، کیوں آپ اسے سنبھال نہیں سکے تھے؟؟ ان سوالوں کا جواب آپ دے سکتے ہیں، لیکن اس حوالے سے میں اتنی سی بات عرض کر سکتا ہوں کہ اس وقت قومی اتحاد اور یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے میں ایک صرف جناب نورالاسلام صاحب کی کوتاہی اور تنگ دامنی ہی ذمے دار نہیں تھی بلکہ اس کے ذمے دار وہ حضرات بھی تھے جنہوں نے اس نازک حالت میں مختلف بہانے تراش تراش کے راہ فرار اختیار کی تھی، کاش ان حضرات کی مشترکہ کوشش ہوتی تو شاید اس قومی اتحاد اور یک جہتی کو بحسن خوبی بچایا بھی جا سکتا تھا، تاہم اس ضمن میں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ اس اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں ہمارے دشمن کا بھی ضرور ہاتھ تھا، لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ خود اس تنظیم کے بعض لوگوں نے دانستہ اور نادانستہ طور پر ہمارے دشمن کی اس سازش کو کامیاب بنا دیا تھا، جس کی توقع اس مرتبہ کبھی نہیں کی گئی تھی، میں ان حقائق کی طرف ضرور جا سکتا ہوں، کیوں کہ میں بذات خود اس تنظیم میں شروع ہی سے شامل تھا، میں قائمہ کمیٹی (NSC) اور شریعہ کونسل کا رکن ہونے کے

علاوہ بعد میں مجلس عاملہ (CEC) کا ممبر بھی رہا تھا، لیکن ان حقائق کی تفصیلات کی طرف جاؤں تو تلخیاں بڑھنے کا شدید اندیشہ ہے، جس سے سردست بچنا ہی ناگزیر ہے۔

بہر حال نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) یعنی قائمہ کمیٹی اور عاملہ سے بہت سارے لوگوں کے نکل جانے کے وجود جناب نورالاسلام صاحب کے چند مخلص اور قریبی ساتھیوں نے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو مکمل کالعدم ہونے سے بچالیا تھا، جن میں خود میں بھی شامل تھا، تنظیم کے ایسے بحرانی حالات میں جناب نورالاسلام صاحب اس حیثیت سے بڑے قابل داد اور لائق صد ستائش لیڈر رہتے کہ جنہوں نے ایسے مشکل حالات میں اس تنظیم کی ایسی ڈگرگھاتی اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچالیا تھا،

جناب نورالاسلام صاحب کو بعض لوگ انفرادیت پسند بھی کہتے ہیں، لیکن میں نے آپ کو طبعی طور پر بڑے حوصلہ منداور خود اعتمادی کے مالک انسان پایا، تاہم یہ ایک الگ بات ہے کہ وقت اور حالات کبھی کبھار آپ کے حق میں ساز گار نہیں ہوتے تھے، اگر آپ کی بلند حوصلگی، خود اعتمادی، دانشمندی اور انقلابی فطرت کے ساتھ حالات بھی ساز گار ہوتے تو دنیا نے سرزمین ارکان سے طلوع ہونے والا ایک عظیم قائد اور رہنماء دیکھتا اور جو کم سے کم مطلع ارکان میں ایک نیر اعظم بن کے چمکا ہوتا۔

۱۹۹۹ء کے اواخر میں جناب نورالاسلام صاحب نے ارکان کے حوالے سے میدان میں کام کرنے والی غیر مسلم متحدہ تنظیم نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کو رواداری اور بقائے باہمی کے اصول کی بنیاد پر وطنی یک جہتی کی طرف دعوت دی اور اس حوالے سے طویل جد و جہد اور پیہم کوششوں کے نتیجے میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (A R N O) اور نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے درمیان ایک تاریخی الائنس (معاہدہ) ہوا اور ستمبر ۲۰۰۰ء میں اس تاریخی معاہدہ کا اعلانیہ بھی جاری ہوا جس کی وجہ سے برمی درندوں کے قصر مظالم و استبداد میں زلزلہ برپا ہو گیا تھا، جسے دنیا بھر کی بہت ساری امن پسند قوموں اور ملکوں نے بھر پور خیر مقدم کیا تھا، اس متحدہ اعلان کے بعد سیاسی اور فکری اعتبار سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو قدرے سنبھالا ملا تھا، تنظیم کے اراکین اور خاص طور پر لیڈروں میں خود اعتمادی کی فضا قائم ہو چکی تھی، اس حوالے سے جہاں تک میری جانکاری کا تعلق ہے کہ اس تاریخی معاہدہ کو کرنے میں جناب نورالاسلام صاحب کی کوشش اور جد و جہد بڑی کارگر

ثابت ہوئی تھی، ساتھ ہی ساتھ اس تاریخی معاہدہ کے لئے راہ ہموار کرنے میں محترم دوست جناب نو کمال صاحب خایونگ خالوی کی کوشش بھی ناقابل فراموش ہے، انہوں نے اور تو اور اپنی ذاتی تجوری کا دروازہ کھول کر رکھ دیا تھا، جنہوں نے غیر مسلم لیڈروں کو عموما اور بطور خاص نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے اس وقت کے صدر ڈاکٹر کین ماؤنگ کو خصوصا اپنا ہم خیال بنالیا تھا، اس کے علاوہ بھی غیر مسلم لیڈروں میں سے بعض لوگوں کو اس تاریخی معاہدہ کے لئے قربان ہو جانے کے لئے تیار کر لیا تھا، اس حوالے سے جناب نور کمال صاحب کی دانشمندی اور سخاوت تاریخ ارکان کبھی بھی بھول نہیں سکتی، اللہ تعالی ان کو اس جیسی انسان دوستی کی مزید توفیق عنایت کرے۔

محترم نورالاسلام صاحب کے بارے میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ آپ ارکان میں پائے جانے والے غیر مسلموں کے بڑے اور شدید دشمن ہیں، تو اس تاریخی معاہدہ کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ نہ صرف ارکانی مگھوں کے دشمن نہیں بلکہ وہاں پائی جانے والی دیگر نسلی گروہوں کے بھی خیر خواہ ہیں، آپ ارکان میں رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں پر جینے مرنے والے ایک انقلابی لیڈر اور دانشمند سیاست دان ہیں، چنانچہ اس زمانے میں آپ نے اپنی ایک تقریر کے دوران کہا تھا کہ:

> ''یہ ایک غلط بات ہے کہ ہم ارکان میں صرف مسلمانوں کے علاوہ ساری قوموں اور نسلی گروہوں کے دشمن ہیں، یہ ایک صرف الزام ہے جسے ہمارے سروں پر تھوپا گیا ہے، یاد رہے کہ ہم تمام بنی نوع انسان کے دردمند اور ان کے خیر خواہ ہیں، ہماری دوستی اور دشمنی کی بنیاد انسانیت پر منحصر ہے، جو بھی انسانیت کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے، اور جو انسانیت کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے، بھلا وہ انسان ہمارا دوست کیسے بنے گا جو انسانیت کا دشمن ہو، ہم نہیں چاہتے کہ ارکان میں بسنے والے کوئی بھی انسان مظلوم رہے، پریشان حال رہے، ہم نہیں چاہتے کہ یہاں والوں کی آزادی اور خود مختاری کی غارت ہو جائے، ہم دراصل انسانیت کے دوست اور ظالم اوران کے ظلم و بربریت کے سخت دشمن ہیں''۔

جناب نورالاسلام صاحب نے اور ایک موقع پر کہا تھا کہ:

''ہم رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں پر ارکان میں جینا اور مرنا چاہتے ہیں، تمام بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی ہمارے دین اسلام کا مطالبہ اور چاہت وطلب ہے، ہم مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کے ہاتھوں کسی انسان پر ظلم و جبر ہو یہ ہمارے دین کی منافی بات ہے، اسلام دنیا میں امن وشانتی، انسان دوستی اور رواداری کا دین ہے، اسلام انسانوں کے مابین وصل کا طالب ہے فصل کا طالب نہیں ہے، اسلام دلوں کو جوڑنے کی تعلیم دیتا ہے توڑنے کی نہیں، ارکان میں ہم تمام مذاہب کے مابین رواداری اور برداشت کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ مسجدوں کے مناروں کی بلندی کے ساتھ کہیں پگوڈوں کی عمارتیں گرائی جائیں، بلکہ ہماری چاہت، طلب اور مطالبہ یہی ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والے یہاں باہم شیر شکر بنے رہیں، امن وشانتی سے رہیں، نہ کسی کا کسی پر ظلم ہو اور نہ یہاں بغض وعداوت کی فضا قائم رہے، ہماری ان امنگوں کے ساتھ ہماری امید ہے کہ ایک نہ ایک دن ارکان کے تمام باشندے امن وآشتی، رواداری اور بقائے باہمی کے اصول کی طرف واپس آئیں گے، ہر ایک خود بھی خوشی کے ساتھ جئے گا اور دوسروں کو بھی جینے دے گا''۔

نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے ساتھ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا یہ معاہدہ نہ صرف جناب نورالاسلام صاحب بلکہ ہماری پوری قوم کی ایک بڑی کامیابی تھی، درحقیقت ہمارے سیاسی سوچ رکھنے والے علماء اور دانشوروں کا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ ارکان کی کم سے کم دو بڑی قوموں (مگھ اور مسلمان) اور ساتھ ہی ساتھ ارکان کی دیگر نسلی گروہوں کی سیاسی یک جہتی اور وطنی ہم آہنگی کے بغیر ارکان سے برمیوں کے ظلم وستم کی یہ گھٹا ٹوپ اندھیاری کبھی ختم نہیں ہو سکتی، اگر اس سرزمین کو برمی ظالموں کی ستم رانی سے آزاد کرنا ہے تو ان قوموں اور نسلی گروہوں کا سب سے پہلا قدم یہی ہونا چاہئے کہ ان کے مابین سیاسی اور فکری یک جہتی کی فضاء قائم ہو، قومی اور وطنی ہم آہنگی کے ساتھ ایک ہی پلیٹ فارم سے برمیوں کے خلاف مشترکہ جدوجہد ہو۔ تو جناب نورالاسلام صاحب نے اپنی ایک طویل مدتی کوشش کے ذریعے کم سے کم ایک ایسی انقلابی اور سیاسی غیر مسلم تنظیم

سے معاہدہ کرنے میں کامیابی حاصل کی کہ جس میں رکھائنگ (مگھ) قومیت کی ایک بھاری اکثریت کے علاوہ دیگر نسلی گروہوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔

اس حوالے سے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس دوران اندرون اور بیرون وطن مگھ قوموں کی دیگر تنظیمیں جو تھیں انہوں نے اس تاریخی معاہدہ کی نہ صرف سخت مخالفت کی تھی بلکہ اس معاہدہ کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے اور بھانت بھانت کی سازشیں بھی رچا رکھی تھیں، ادھر برمی درندوں نے بھی اس معاہدہ کے خلاف پروپیگنڈوں اور سازشوں کا جال پھیلا دیا تھا، لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ ارکانی مسلمانوں کی ساری سیاسی اور انقلابی تنظیموں نے اس کا بھرپور طریقے سے خیر مقدم کیا تھا، میرے علم کی حد تک اور تو اور ارکانی مسلمانوں کا شاید کوئی بھی ایک فرد ہو کہ جس نے اس معاہدہ کا استقبال نہیں کیا ہو، اسے معاہدہ ناگوار گزرا ہو، غرض مگھوں کے برخلاف روہنگیا قوم کے سارے سمجھدار اور واقعیت پسندوں نے اس معاہدہ پر مسرت کا اظہار کیا تھا۔

اسی طرح عالم اسلام کی تقریباً تمام سیاسی اور فکری جماعتوں اور تنظیموں اور انسانیت دوست ملکوں نے اس معاہدہ کا بھرپور استقبال کیا تھا، بطور خاص انسانی حقوق کے علمبرداروں نے اس معاہدہ پر اپنی اپنی مسرت کا برملا اظہار کیا اور ارکان اور وہاں کے باشندوں کے حق میں اس معاہدہ کو ایک خوش آئند قدم قرار دیا تھا، اور تو اور حکومت امریکہ نے ان دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کی اس دور اندیشی اور دور بینی پر اپنی مسرت کا اظہار کیا تھا، اور امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے باقاعدہ ایک خط کے ذریعے اس معاہدہ کی داد دی تھی۔

بہر حال پچھلی سطور میں جس طرح عرض کی جا چکی ہے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے آر ایس او والوں کی مکمل علیحدگی کے بعد اگرچہ تنظیم خاصی پریشانی کی شکار ہو چکی تھی، تاہم محترم نور الاسلام صاحب کی قیادت میں اس تنظیم کو دوبارہ اس وقت قدرے سنبھالا ملا جب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) اور نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے مابین ستمبر ۲۰۰۰ء میں ایک تاریخی معاہدہ پر دستخط ہوا تھا، جس کی وجہ سے اور تو اور تنظیم سمیت روہنگیا مسلمانوں کا بہت ہی فائدہ ہوا تھا، جسے علاقائی اور بین الاقوامی بعض تنظیموں، فورموں اور حلقوں نے نہایت پرشکوہ انداز میں

سراہا اور دونوں تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

یاد رہے کہ نیشنل یونائٹڈ پارٹی آف ارکان اس وقت برمی مخالف زیر زمین کام کرنے والے ارکانیوں کی ایک مشترکہ تنظیم تھی، جو دراصل پچھلی پچیس جماعتوں کا مشترکہ پلیٹ فارم بھی، جس میں اورتو اور ارکانی مسلمانوں کی بھی نمائندگی تھی، دراں حالیکہ اس میں مونگ چونو نامی ایک مسلمان نائب صدارت جیسے موقر عہدہ پر فائز تھا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تاریخی معاہدہ کو یہاں من وعن درج کر دیا جائے، تاکہ ہم اور ہماری اگلی نسلوں کو اس سے فائدہ پہنچے:

نیشنل یونائٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے درمیان کیا گیا ایک معاہدہ (الائنس) کا

متحدہ اعلان

سرزمین ارکان قدیم زمانے سے ایک آزاد اور خودمختار سرزمین ہے، برما پہلی خارجی طاقت تھی کہ جس نے ۱۷۸۴ء میں چڑھائی کرکے اسے اپنے قبضے میں لے لیا، پھر ۱۸۲۴ء میں برطانوی استعماری سامراجیوں نے ہمارے وطن کو غصب کیا، مگر ارکانی قوم نے ہر موقع پر اپنے وطن کو آزاد کرنے کے لئے ان خارجی استعماری قوتوں کے خلاف خون آشام جنگیں لڑی تھیں۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران دنیا کی دیگر ممالکِ مستعمرہ کی اقوام کی طرح ارکانی قوم نے بھی اپنی کھوئی ہوئی آزادی کے حصول کے لئے بڑی جدوجہد کی، لیکن ۱۹۴۸ء میں برطانوی سامراجی طاقت باوجودیکہ اس کے پاس کوئی جواز نہ تھا کہ ناجائز طریقے سے ارکانی قوم کی رائے اور خواہش وطلب کے خلاف ارکان کو برمیوں کے ہاتھ میں دے کر یہاں سے چلی گئی، واقعہ یہ ہے کہ آج برمن لوگ برطانوی استعمار کی جگہ پر ایک دوسرے مستعمرین بن چکے ہیں، جو اپنی قہرمانی سطوت کے ناطے ارکان کو ان کا کالونی بناکر خودساختہ اور بناوٹی یونین آف برما کے اندر رکھنے کے لئے اپنے موروثی روایت اور اپنی پرانی پالیسی ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کی بنیاد پر حکومت کررہے ہیں۔

برمی سامراجی حکومت ہمیں نگل کر پوری طرح برمیانے کی پالیسی کے تحت ہمارے نام ونشان کو

مٹا رہی ہے، صفایا اور نسل کشی، تشدد اور مظالم کے ذریعے ہماری پوزیشن اور قومی ساکھ کو ختم کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر ہماری تمام قومی روایات اور یادگاروں کو مٹا رہی اور لوٹ رہی ہے، آج ہماری قوم خود اپنے وطن میں خانہ بدوش ہے، پھر اس کی ایک بھاری اکثریت دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی ہے۔

ہمارے آبائی وطن ارکان جسے ہمیں دانستہ طور پر واپس نہیں دیا گیا تھا، ایک ایسی سرزمین ہے جواب تک مستعمرہ ہے اور یہاں کی ساری قومیں استعماری سوسائٹی کے اندر ہیں، جب کہ برمن لوگ ہمارے غیر بھی ہیں اور غیر ملکی ناجائز دخلاء بھی۔

ہم ارکانی قومیں ہیں، یہاں رکائن اور روہنگیا دو بڑی نسلی گروہوں کے علاوہ دیگر قبائلی اور نسلی گروہ ہیں جن میں مرو، مرونگ، کامی، آنو، کانگ سو، لونکی، شانڈو، شاؤ، چھن، جاکموا (جاک) ڈائنا، کمان، مریماگری (بڑوا) بھی موجود ہیں، جنھوں نے مظالم اور تشدد، پابہ زنجیری اور غلامی سے نجات اور برمی استعماری سامراجیوں کے پنجے سے مکمل آزادی کا فیصلہ کرلیا ہے۔

اور ہم اپنے آزادانہ جذبات وامنگ، آزادانہ ضمیر وشعور کے ساتھ آزاد قوموں کی حیثیت سے اپنی قومی منزل مقصود تک پہنچنے اور اپنی اولاد ونسل کے مستقبل کے لائحۂ عمل کو مرتب کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے خواہاں ہیں۔

اور ہم اپنے فیصلہ کن مرحلہ پر نیشنل یونائٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ایک دوسرے کو پوری ارکانی قوم کی قانونی نمائندہ تسلیم کرتے ہیں۔

دونوں جماعتیں آپس کے تمام مسائل کو پوری سنجیدگی اور آگہی، پوری دانش مندی اور باریک بینی کے ساتھ مکمل تصفیہ کرچکی ہیں، اور ہم اپنے قومی اور سیاسی مسائل کو ایک ہی خیال سے سوچتے اور دفاعی وبین الاقوامی تعلقات جیسے میدان کے مسائل کو ایک ہی سطح پر اور ایک ہی نقطہ نظر سے سمجھتے ہوئے ۱۶/ستمبر/۲۰۰۰ء میں دونوں جماعتوں کے درمیان ہماری قوم کی مکمل آزادی کے پیش نظر ایک تاریخی اور سیاسی معاہدہ (الائنس) کرنے کے ساتھ یہی اعلان کرتے ہیں کہ:

۱- نیشنل یونائٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) دونوں پوری ارکانی قوم کی قانونی نمائندہ تنظیمیں ہیں۔

۲- ان یو پی اے اور اے آر این او کی برمن استعمار کے خلاف متحدہ جدو جہد ''ارکان کی مکمل آزادی'' کے لئے ہے۔

۳- تمام ارکانی قومیں، ان کا تعلق اندرون وطن سے ہو یا ہجرت کی سرزمین سے، تمام کی تمام ارکانی قوم کا ایک غیر منقسم حصہ ہیں، ہمارا معاہدہ (الائنس) ہر قسم کی ذات پات، رنگ ونسل، دین ودھرم اور علاقائی عصبیت سے بلند ہو کر قومی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر کرے گا۔

۴- ہمارا معاہدہ، ہمارا مشترکہ قومی دشمن حالیہ برمی فوجی حکومت (SPDC) کے خلاف اٹھ کھڑی ہونے والی تمام قومی انقلابی تحریکوں اور جمہوری قوتوں کے ساتھ تعاون اور مل جل کر جدو جہد کرنے کا متمنی ہے۔

۵- یہ معاہدہ اقوام عالم، اقوام متحدہ (UNO) اسلامی کانفرنس (OIC) سمیت تمام عالمی اور علاقائی جماعتوں، قریبی ملکوں، غیر سرکاری تنظیموں (NGO) اور تنظیم برائے انسانی حقوق سمیت دیگر تمام انسانی تنظیموں کو پورے تعاون اور بھر پور امداد کی دعوت دیتا ہے۔

کینگ ماؤ نگ
صدر یونائٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA)
ارکان

نورالاسلام
صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)
ارکان

اس معاہدہ کے حوالے سے حکومت امریکہ کے اظہار مسرت کی بات آئی تو ایک واقعہ کا تذکرہ یہاں ناگزیر معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس معاہدہ کے فوراً بعد برمی فوجی حکومت نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ایک دہشت گرد تنظیم ہے، یہ تنظیم نہ صرف طالبان اور القاعدہ جیسی تنظیموں سے تعلق رکھتی ہے بلکہ خود اس کے اندر ان تنظیموں کے افراد نے بھی پناہ لے رکھی ہے، برمیوں نے یہ اور اس قسم کی دیگر سازشیں اور پروپیگنڈے عالمی پیمانے پر شروع کر رکھے تھے، جن کے ذریعے برمی حکومت نے امریکہ اور اس کے حلیفوں کو یہی باور کرنے کی کوشش کی تھی کہ طالبان اور القاعدہ کی طرح ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو بھی بزور طاقت ختم کرنا ناگزیر ہے۔

جبھی یہ سازش اور پروپیگنڈہ کھل کر سامنے آیا تو ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ایک طرح کی ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی، اب نیشنل یونائٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے

لیڈران سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے امریکہ اور اس کے حلیفوں کو یہ باور کرایا کہ:

''برمی درندے دراصل ہمارے اس تاریخی معاہدہ پر سازش اور پروپیگنڈے کر رہے ہیں، ہم یقین دلاتے ہیں کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کا طالبان اور القاعدہ سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اور نہ اس کے اندر ان جماعتوں کے کوئی بھی فرد موجود ہے، بلکہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن ایک دہشت گردی کی مخالف تنظیم ہے، برمی عنصریت پسند حکومت نہ صرف دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے بلکہ ہمیشہ کی طرح ارکان اور وہاں کے باشندوں کو غلام بنائے رکھنے کی سازشیں کر رہی ہے، ہم امریکہ اور اس کے تمام حلیفوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن ایک معتدل سیاسی اور انقلابی تنظیم ہے، حال ہی میں اس کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا ہے، یہ نہ کوئی دہشت گرد تنظیم ہے اور نہ یہ کسی دہشت گرد تنظیم کو پسند کرتی ہے، اس کی تمام جدو جہد کا تعلق صرف اور صرف ارکان اور وہاں کے باشندوں کی خیر خواہی اور بہبودی اور نجات سے ہے''۔

یوں یونائٹڈ پارٹی آف ارکان کی کوشش بڑی بار آور اور کارگر ثابت ہوئی تھی، جس کے بعد امریکی وزارت خارجہ کی جانب سے ایک خط آیا، جس میں اظہار مسرت کیا گیا تھا۔

اعداد جہاد وقتال کے حوالے سے ہماری تاریخ جہاد میں جناب نورالاسلام صاحب کی بڑی بڑی خدمات ہیں، خصوصی طور پر انہوں نے ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے زمانے سے اس سلسلے میں بڑی بڑی بار آور کوشش کی تھی، مجاہدین کو مسلح کرنے اور طاقت کے اعتبار سے تنظیم کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کامیاب جدو جہد کی تھی، حتی کہ میدان میں ان کی جماعت طاقت کے اعتبار سے ارکان کی دیگر جماعتوں سے آگے ہو گئی تھی، اسلامک فرنٹ کے ابتدائی زمانے میں مجاہدین آپ کو یہ کہہ کر تنگ کرتے تھے کہ صاحب! ہمیں صرف چند جدید اسلحے کا بندوبست کر دیجئے! ان کے بغیر میدان کارزار میں ہم بحسن وخوبی کام نہیں کر پائیں گے، مجاہدین کی اس گزارش پر نورالاسلام صاحب کا بیان ملاحظہ کیجئے کہ:

''ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے جوانوں نے ایک روز مجھ سے کہا تھا کہ جناب صدر صاحب! ہمیں صرف بارہ اے کے ۴۷ چاہئے، یہ ملتے ہی ہم میدان قتال میں اتر جائیں گے، سردست اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں، گوریلا سرگرمیوں کے لئے ہمارے لئے بس اتنے ہی کافی ہیں، تو میں نے ان جوانوں سے کہا تھا کہ بھائیو! میرا یقین ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ہمارے پاس اسلحہ کا بھاری انبار ہوگا، لیکن اس انبار کو اٹھانے کے لئے پتے کے افراد میسر نہیں ہوں گے، پھر بڑی قلیل مدت میں میری یہ بات حقیقت بن گئی، آج ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا زمانہ ہے، الحمد للہ ہمارے پاس جدید ترین اسلحہ جات کی فراوانی ہے، لیکن ان اسلحہ جات کو اٹھانے کے لئے پتے کے افراد کی قلت محسوس ہو رہی ہے، خدا کرے کہ اسلحہ جات کی طرح افراد کی بھی فراوانی ہو جائے''۔

راقم سطور کے اندازے کا جہاں تک تعلق ہے کہ نور الاسلام صاحب کی ہمیشہ امور قائدین سے زیادہ امور مجاہدین سے دلچسپی رہی تھی، آپ نے قائدین کے اتحاد و اتفاق اور ہم آہنگی کے تہ بتہ مجاہدین کو باہمی اختلافات سے دور رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے، اگرچہ آپ کی یہ کوشش کبھی کبھار ناکام بھی رہی، لیکن عمومی طور پر بار آور ثابت بھی ہوئی تھی، اتفاق واتحاد کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رہے کہ ہمارے مجاہدین ان کا تعلق جس کسی بھی تنظیم سے کیوں نہ ہو، ہمیشہ اتحاد و اتفاق کے حامی رہے ہیں، مگر قائدین کے مابین برسوں سے پھیلی ہوئی بے اعتمادی اس اتفاق واتحاد کی کوششوں میں آڑے آتی رہی ہے، جیسا کہ عرض کی جاچکی ہے کہ مجاہدین میں ان کا تعلق جس تنظیم سے کیوں نہ ہو کہ باہمی مشترکہ امور میں ایک سمجھوتہ کی خواہش ہمیشہ پائی جاتی رہی، لیکن قائدین کے مابین عدم اعتماد کی فضاء ہمیشہ رکاوٹ بنی رہی تھی، جیسا کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) والے قائدین ہمیشہ جناب نور الاسلام صاحب کی نیک نیتی پر شک کرتے رہے ہیں، اسی طرح ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) والے قائدین ڈاکٹر محمد یونس صاحب اوران کے بعض ساتھیوں پر بھروسہ نہیں کرتے ہیں، اگرچہ ۱۹۹۸ء میں ان دونوں تنظیموں نے مل کر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی بنیاد رکھی تھی، لیکن

وہی بے اعتمادی اور سوئے تفاہم نے اسے بھی متزلزل اور پارہ پارہ کر دیا تھا۔

بات چلی جناب نور الاسلام صاحب اور مجاہدین کی، کہ جہاں تک سنا اور میں نے دیکھا کہ جناب نور الاسلام صاحب دفتری کام اور تنظیمی جدوجہد کے ساتھ مختلف سرگرمیوں اور متنوع مصروفیات کے باوجود آپ کی زندگی کا ایک دن یا ایک رات شاید ایسی گزری ہوگی کہ جس میں آپ اپنے مجاہد بھائیوں کے خیال یا یاد سے غافل رہے ہوں، اور تو اور میں نے جہاں تک دیکھا کہ آپ ہر عیدین کی خوشیاں اپنی رہائش گاہ میں اپنی اولاد، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ منانے کے بجائے مجاہدین کے ساتھ مناتے رہے ہیں، ہر عید کے ایک دن پہلے معسکر جاتے اور عید کا دوسرا دن رہائش گاہ واپس آتے رہے تھے، اس سے آپ کے مجاہدین سے محبت کا پتہ مل گیا ہے۔

جناب نور الاسلام صاحب پر بعض لوگ یہ الزام بھی لگاتے پھرتے ہیں کہ آپ کی پوری سیاسی اور انقلابی زندگی باہمی اختلافات اور تنازعات کی مظہر رہی ہے، میں اس بات سے سراسر اقرار یا انکار نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن آپ پر آج تک کسی نے بھی مالی بدعنوانی یا غبن کا الزام نہیں لگایا اور نہ لگا سکا، صرف یہی نہیں بلکہ آپ کے بدترین مخالفین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے اپنی اس طول طویل عملی زندگی میں کبھی بھی قومی امانت پر ناجائز طریقے سے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

جناب نور الاسلام صاحب سے سیاسی، انقلابی، فکری غرض ہر میدان میں اختلاف ضرور ممکن ہے، تاہم ہمارے علمائے کرام اور دانشوران عظام میں سے بہت سارے حضرات آپ کو ارکانی مسلمانوں کا حالیہ دھڑکن بھی کہتے ہیں، کچھ لوگ آپ کے فکری اور سیاسی نظریات، خیالات اور آپ کی بعض کارکردگی اور سرگرمی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے اپنی زندگی میں روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے بڑی بڑی مثبت اور کارآمد خدمات بھی انجام دی ہیں، اندرون وطن اور وطن سے قریب رہ کر جس طرح آپ نے قومی اور ملی خدمات انجام دیں ٹھیک اسی طرح مغرب کے سیاسی کلیجے میں پہنچ کر برمی اور ارکانی مسلمانوں کے حوالے سے کافی جرأت اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں، اور ہر کجا روہنگیا مسلمانوں کے مفاد میں سینہ تان کر کام کر رہے ہیں، ۲۰۰۳ء کے

بعد آپ نے مغربی دنیا سے روہنگیا مسلمانوں کے حق میں اس دھب سے آوازیں بلند کیں کہ جن سے مگھ برمیوں کے قصر استبداد میں زلزلہ برپا ہو چکا ہے، الحمدللہ آپ کی آوازیں بین الاقوامی اداروں میں سنائی دینے لگیں، آپ کی ان خدمات کے حوالے سے لکھنا ہے تو ایک دفتر کی ضرورت ہوگی، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے اور آپ کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔

ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغگونوی:(۱)

ڈاکٹر محمد یونس بن ماسٹر علی احمد بن تعظیم الدین بن واعظ الدین بن سرفراز الدین بن زین العابدین بن محمد الیاس بن کلی پاس بن کالا حاجی کی ولادت ۱۹۴۵ء میں جنوبی منگڈو کی معروف اور مردم خیز بستی باغگونہ میں ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کے جدامجد کالا حاجی (شاید ان کا ایک اسلامی نام بھی رہا ہو) کے متعلق آپ کے خاندان کے بعض راویوں کا بیان ہے کہ وہ ایک بڑے عالم دین، داعی الی اللہ اور نہایت خداترس اور سخی بزرگ تھے، خاندانی روایت کے مطابق اس خاندان کا تعلق عرب کی سرزمین یمن سے تھا، حاجی صاحب سے پہلے کوئی داعی اسلام یمن سے ہندوستان ہو کے ارکان تشریف لائے اور اس سرزمین کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے خاندان کو علاقے میں (عزی باروگشٹی) کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جدگرامی مرحوم تعظیم الدین کے بڑے بھائی کا نام عزیز الرحمٰن تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے والد جناب ماسٹر علی احمد صاحب بن تعظیم الدین کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں باغگونہ منگڈو میں ہوئی، انہوں نے اردو اور برمیز کی تعلیم حاصل کی، ساتویں جماعت پاس کرنے کے بعد سرکاری ٹیچر کی حیثیت سے ارکان کے مختلف مقامات میں تعلیمی خدمات انجام دیں، آپ نہایت خلیق، مسلمانوں کے خیرخواہ، بڑے نفاست پسند اور نستعلیقی کیفیت کے مالک صاف گو دانش ور تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگان دین اور خدامان وقوم گزرے ہیں، جن میں ماسٹر امیر حمزہ بن عزیز الرحمٰن، ماسٹر صلاح الدین دودومیاں، ماسٹر جعفر احمد بن مولانا خلیل الرحمٰن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

---

(۱) یادرہے کہ راقم سطور کی تصنیف ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' جلد پنجم جناب ڈاکٹر محمد یونس اور محترم جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب کے حالات زندگی پر وقف ہے، دونوں کی زندگی کی تفصیلات مطالعہ کرنا ہوتو اسے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو مکتب میں بیٹھایا گیا، قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ کچھ ابتدائی دینیات کی تعلیم بستی کے مکتب میں پائی، ساتھ ساتھ ارکانی مسلمانوں کی عام روایت کے مطابق سرکاری پرائمری اسکول میں بھی بھرتی کرایا گیا، جہاں سے آپ نے چوتھی جماعت پاس کی، اس کے بعد آپ منگڈو ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۱ء میں امتیازی نمبرات کے ساتھ مٹرک پاس کیا، مٹرک پاس کرنے کے بعد آپ رنگون جا کے رنگون یونیورسیٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف میڈیسن میں داخل ہوئے، ویسے ۱۹۶۹ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی تھی۔

منگڈو میں دوران تعلیم ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے خفیہ طور پر روہنگیا قوم کے مفاد میں کام کرنے والی بعض تنظیموں سے رشتہ جوڑ لیا تھا، لیکن رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم آپ علانیہ طور پر رنگون یونیورسیٹی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (RUMSA) میں شامل ہو گئے تھے، اگر چہ یہ تنظیم بظاہر ایک طلبہ تنظیم تھی لیکن ملک کی مسلم سیاست سے اس تنظیم کی خاصی وابستگی رہی تھی، جس میں شمولیت کی وجہ سے ایک طرف اس تنظیم میں جان سی آ گئی تو دوسری طرف سیاسی اور فکری اعتبار سے آپ کی تربیت بھی ہو پائی تھی۔

۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہوئے تھے، جس کے زیر سائے بڑی بڑی ملی وقومی فریضے انجام دیتے رہے تھے، جن کی تفصیلات راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے جلد پنجم'' میں دیکھی جا سکتی ہیں، تاہم یہاں صرف اتنی سی بات عرض ہے کہ اس تنظیم میں شمولیت نے ایک طرف آپ کے اندر احساس ذمے داریوں کے جذبات بھرے تو دوسری طرف سیاسی اعتبار سے آپ کافی بالغ نظر بھی بن گئے تھے۔

۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر صاحب نے تعلیم سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک برمی وزارت صحت کے تحت برما اور ارکان کے مختلف مقامات کے سرکاری ہسپتالوں میں ملازمت کی، جن کا اجمال یہ ہے کہ:

۱۔ تھا بک ین (برمی علاقہ) میں بحیثیت ٹاؤن شپ میڈیکل افسر۔

۲۔ اکیاب ڈویزن ہسپتال آف ارکان میں بحیثیت اسسٹنٹ سول سرجن۔

۳۔ کیوکتو (ارکان) میں بحیثیت ٹاؤن شپ میڈیکل افسر۔

ڈاکٹر صاحب کے قریبی دوستوں کے بیان کے مطابق آپ نے بحیثیت ایک ڈاکٹر جہاں بھی کام کیا تھا، مریضوں کے علی الرغم لوگوں کی نظریں آپ پر لگی رہتی تھیں، اللہ تعالی نے جسمانی اعتبار سے آپ کو بڑی خوب صورت بنایا ہے، بڑی جاذب نظر شخصیت کے مالک انسان ہیں، آپ کی زبان میں شیرینی بھری ہے، بعض جاننے والوں کا کہنا ہے کہ مریض آپ کو پاتے ہی ایک طرح کے سکون اور طمانیت محسوس کرتے تھے، یوں ہر ایک آپ کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، نہ صرف روہنگیا بلکہ برادران وطن بھی آپ کو قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

بایں ہمہ ڈاکٹر صاحب کے دل ودماغ میں بے قراری کا طوفان برپا تھا، کہ آہ! ارکان کے مسلمان کیوں ظلم واستبداد کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں؟ ان مظلوموں کو ان مصائب سے نجات دلانے والا کون ہے؟؟ ویسے آپ ایک بڑی ذہنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے، اب کیا کریں اور کیا کرنا چاہئے؟ لیکن اس الجھن میں بھی آپ بڑے پرامید تھے، ویسے آپ نے اپنے بعض قریبی دوستوں سے مشورہ کیا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟۔

کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے دوستوں میں پروفیسر محمد ذکریا صاحب سرفہرست تھے، چوں کہ پروفیسر صاحب بھی روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے ممبر تھے، تو ان کے سامنے ڈاکٹر صاحب کو اپنے دل کی باتیں چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، چوں کہ اسی زمانے میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے قیام کا اعلان ہو چکا تھا تو دونوں دوستوں نے فیصلہ کر لیا کہ ترک وطن کر کے اس نئی قوم تنظیم میں شامل ہو جائیں، چنانچہ ۱۹۷۵ء میں دونوں نے ترک وطن کر کے روہنگیا فدائین محاذ میں شمولیت اختیار کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب اور پروفیسر صاحب شاہی فریدیپ پہنچے تو روہنگیا فدائین محاذ کے لوگوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا، یاد رہے کہ یہ دونوں حضرات جس وقت روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو رہے تھے تب تک روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہو چکی تھی، تاہم ان کی شمولیت کے بعد مجلس عاملہ کی دوبارہ تشکیل کی گئی تو ڈاکٹر صاحب اور پروفیسر صاحب کو عاملہ میں شامل کر لیا گیا تھا، ذیل میں اس کے بعد کی مجلس

عاملہ میں شامل اراکین کے اسمائے گرامی اور مناصب درج کئے جارہے ہیں:

۱۔ محمد جعفر حبیب علی چنگی:	صدر تنظیم۔
۲۔ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی:	جنرل سکریٹری۔
۳۔ جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب:	سکریٹری برائے امور خارجہ۔
۴۔ جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغکونوی:	رکن عاملہ۔
۵۔ مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی:	رکن عاملہ۔
۶۔ پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری:	رکن عاملہ۔
۷۔ جناب انعام اللہ صاحب کیلادنگی:	رکن عاملہ۔

۲/نومبر ۱۹۷۵ء میں عسکری تربیت شروع ہوئی تو اس میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے بھرپور حصہ لیا تھا، یوں تو کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر لوگ بڑے آرام کے طالب ہوتے ہیں، ان کی دین داری کا یہی عالم ہوتا ہے کہ وہ سنت رسول میں سے اپنے لئے وہی چیزیں منتخب کیا کرتے ہیں جن میں ان کی زندگی کے لئے کوئی گرانی نہ ہو، لیکن ڈاکٹر محمد یونس کا معاملہ اس کا برعکس تھا، آپ نے اپنی زندگی کے آرام وعیش کو ترک کر کے خاک وخون میں تڑپنے والی زندگی اختیار کی، اپنی زندگی کو داؤ پر لگاتے ہوئے میدان کارزار کی راہ چن لی تھی۔

ستمبر/۱۹۷۶ء کے اواخر میں روہنگیا فدائین محاذ کے اراکین عاملہ کے مابین اختلاف رونما ہوا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ جناب اڈووکٹ نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا، مولانا محمد کبیر، جناب شبیر حسین اور جناب انعام اللہ کی رائے یہی تھی کہ محمد جعفر بڑے سست اور غافل ہیں، اس لئے وہ عہدۂ صدارت سے مستعفی ہوجائیں، لیکن محمد جعفر حبیب تو مستعفی نہیں ہوئے تاہم اختلافات کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہوگیا تھا، پھر بھی روہنگیا فدائین محاذ رینگتے رینگتے چل رہی تھی۔

ستمبر/۱۹۷۷ء میں عاملہ کے تقریباً تمام ممبروں نے اختیارات کو سپریم کونسل کے حوالے کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ کونسل جو بھی فیصلہ کرے گا اس پر سر تسلیم خم کیا جائے گا، چنانچہ کونسل نے بڑے غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا کہ محمد جعفر حبیب صاحب عہدۂ صدارت پر بحال رہیں گے اور ان کے نائب نورالاسلام

صاحب ہوں گے، لیکن مجلس عاملہ کے وہ اراکین جنہوں نے محمد جعفر حبیب کے خلاف محاذ آرائی کی تھی، انہوں نے سپریم کونسل کے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کردیا تھا۔

۱۹۷۸ء میں بڑی تعداد میں روہنگیا مہاجرین بنگلا دیش پہنچے تو روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے ڈاکٹر محمد یونس نے ایک گروپ کی قیادت کرتے ہوئے مہاجرین کی مقدور بھر طبی خدمات کیں، آپ کی ان خدمات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان خدمات کے میدان میں آپ نے دن رات کو ایک کردیا تھا۔

لیکن برمی حکومت کے مظالم کے ردعمل کے بطور روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے کوئی بھی قابل قدر یا نا قابل فراموش سرگرمی نہیں ہوسکی تو حساس روہنگیاؤں میں عموماً اور روہنگیا فدائین محاذ کے باشعور افراد میں خصوصاً تنظیم کے اعلی قیادت پر شکوک وشبہات پیدا ہوگئے تھے، جن میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب بھی سرفہرست تھے، ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب صاحب پریشانی میں مبتلا ہوگئے تھے، بالآخر محمد جعفر حبیب نے مجلس عاملہ سے مشورے کے بعد مجاہدین کے دو دستے میدان کارزار میں اتار دیئے تھے، اس حوالے سے راقم سطور کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

> ''ایسے حالات میں فدائین محاذ کے بعض اراکین نے مطالبہ کردیا کہ محاذ برمی درندوں کے خلاف عسکری سرگرمیوں کا آغاز کرے، چنانچہ حالات کے تقاضے کے پیش نظر محمد جعفر حبیب نے مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا اور طویل غور وخوض کے بعد مجاہدین کے دو دستے میدان میں اتارنے کا فیصلہ کیا، تاہم اس فیصلہ کے خلاف فرنٹ لائن کمانڈر مولانا محمد کبیر خواندنگی صاحب نے سخت مخالفت کی تھی، ان کا کہنا تھا کہ فدائین محاذ میں اب تک وہ استعداد پیدا نہیں ہوئی جس کے بل بوتے پر گوریلا انداز کی سہی کوئی کاروائی کی جاسکے، لیکن اکثریت کے فیصلے پر مجاہدین کے دو دستے میدان کارزار میں اتارے جاچکے تھے، مگر چند دن جاتے نہ جاتے دونوں دستے کوئی بھی قابل ذکر کاروائی کے بغیر واپس آئے، اور مولانا محمد کبیر کا کہنا سچا ثابت ہوتا''۔

۱۹۷۸ء میں بدنام زمانہ ''ناگامن اپریشن'' کے دوران اور اس کے بعد کے حالات روہنگیا فدائین محاذ کے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے، ایک طرف مہاجرین کی پریشانیوں پر پریشانیاں تو دوسری طرف

اندرون وطن میں بچے کھچے روہنگیا مسلمانوں کی غیر یقینی صورت حال، جن کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ میں خصوصاً ایک ہو کا عالم چھایا ہوا تھا۔

محاذ کے دونوں عسکری دستوں کی نامراد واپسی اور روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے کوئی قابل قدر خدمات نہ ہونے کی وجہ سے تنظیم کے اراکین میں مزید شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے، اب محمد جعفر حبیب نے اس عدم اعتماد کی فضا کو دیکھ کر محاذ کے تمام اختیارات چار سن رسیدہ روہنگیا بزرگوں کے حوالے کر دیے، جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔
۲۔ جناب اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی۔
۳۔ جناب الحاج مظفر احمد صاحب (DEO) خیر فاروی۔
۴۔ جناب الحاج محمد عبدالغفار صاحب نکھوروی۔

ایسے حالات میں ڈاکٹر محمد یونس بڑے پریشان تھے، درحقیقت بات یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں ارکان میں جہاد وقتال کے حوالے سے اتنی کھلی نہیں تھیں جتنی بعد کے طویل تجربات سے کھل چکی تھیں، تاہم ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر آپسی سیاست اور باہمی رسہ کشی کے داؤ پیچ میں الجھے بغیر ہر حال میں جہاد وقتال کے طرف دار نکلے ہیں اور ہماری قومی وملی مشکلات کا واحد حل بعض ضروری سیاسی جدو جہد کے ساتھ صرف اور صرف جہاد وقتال کی شکل میں دیکھتے رہے ہیں۔

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ روہنگیا فدائین محاذ میں اختلاف کا خلیج بڑھتا ہی گیا تھا، بڑے بڑوں نے اس آپس کے اختلاف کو مٹانے کی کوششیں کی تھیں، لیکن ان کی تمام کوششیں دھری کی دھری رہ گئی تھیں، بالآخر ڈاکٹر محمد یونس، اڈووکٹ نورالاسلام، پروفیسر محمد زکریا سمیت چند لوگوں نے فدائین محاذ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، یاد رہے کہ اس واقعہ سے پہلے جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی بھی محاذ سے علیحدہ ہو گئے تھے، جب کہ مولانا محمد کبیر اور انعام اللہ صاحب نے روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدہ ہو تے ہوئے ایک نئی تنظیم کا اعلان کر دیا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدہ ہو جانے کے بعد جناب نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد

زکریا وغیرہ نے ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) نامی تنظیم کی بنیاد رکھی اور بنگلا دیش کے علاوہ متحدہ عرب امارات، پاکستان اور سعودی عرب میں رہائش پذیر روہنگیا برادری کے باشعور لوگوں کو ہم نوا بنانے کی کوشش کی تھی، اس کے بعد جماعت اسلامی والوں سے ناطہ استوار کر لیا، جس کے بعد ارکان مسلم آرگنائزیشن میں جان سی آ گئی تھی، اس حوالے سے راقم سطور کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

> ''ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے زیر سائے ڈاکٹر محمد یونس، جناب نور الاسلام اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ نے اس نئی تنظیم کو آگے بڑھانے کی مسلسل کوششیں کیں، اس حوالے سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی کے اہل حل وعقد سے رابطہ استوار کر لیا اور جماعت اسلامی نے بھی نہ صرف اس کی حمایت کی بلکہ مادی ومعنوی اعتبار سے اس مظلوم قوم کی اس تنظیم کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا، اگرچہ بعد کے حالات نے ظاہر کیا کہ اس تعاون وحمایت نے ہماری اندرونی سیاست کے علاوہ دیگر حالات اور علاقائی سیاست کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہمارا بڑا نقصان ہوا تھا، لیکن اس تعاون واکرام کی وجہ سے ہمارے لئے بعض ضروری اسلامی انقلاب وسیاست کا بڑا فائدہ بھی ہوا تھا، ہمارے لوگ اسلامی سیاسیات سے تقریباً نابلد تھے، تو جماعت اسلامی کے تعاون کی وجہ سے ہمارے برادری کے باشعور اور اسلام پسند افراد کا ذہنی اور اور فکری اعتبار سے کافی فائدہ ہوا تھا، خصوصاً فریضۂ اقامت دین کے نقطۂ نظر سے ہمارے لوگوں کے کردار وعمل میں ایک گونہ انقلاب سا آ چکا تھا، جماعت اسلامی کے ساتھ ہماری اس تنظیم کی وابستگی نے اگرچہ خود اس تنظیم کے اعلی قیادت کے مابین بعد میں نظریات کے حوالے سے اختلافات بھی رونما ہوئے تھے، تاہم جب ارکان مسلم آرگنائزیشن نے بعد میں ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کا روپ دھارا تو جماعت اسلامی والوں نے مادی اور معنوی اعتبار سے کھل کر وہ تعاون کیا جسے ارکانی مسلمانوں کی سیاسی اور انقلابی تاریخ کبھی بھی بھولنے نہیں پائے گی''۔

ارکان مسلم آرگنائزیشن کے اعلان کے تین ساڑھے تین سال کے بعد اس کے نام میں تبدیلی لائی گئی، اور اس کی جگہ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن سامنے آئی، جس میں اڈووکٹ نورالاسلام صاحب صدر اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب نائب صدر منتخب ہوئے، ان دونوں رہنماؤں کے علاوہ اس تنظیم کے اولین میں پروفیسر محمد زکریا، ایم پی اظہار میاں اور سعید الرحمٰن صاحب راموی فاروی ناقابل فراموش شخصیات ہیں۔

اب قومی سطح پر دو تنظیمیں سرگرم عمل ہوچکی تھیں، روہنگیا فدائین محاذ (RPF) محمد جعفر حبیب اور شبیر حسین کی قیادت میں روہنگیا کاز کو آگے بڑھا رہی تو روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس وغیرہ کی قیادت میں قدم آگے بڑھا رہی تھی، مؤخر الذکر تنظیم نے بڑی تگ ودو کے بعد چند اسلحے حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی تو روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے میدان کارزار میں کام کرنے والی دو مسلح تنظیمیں سرگرم عمل ہوچکی تھیں۔

روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) اب ایک مسلح تنظیم بن چکی تھی، جناب نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام کی کوششوں کے نتیجے میں جماعت اسلامی سے رشتہ استوار ہوا تو رہ رہ کر یہاں اسلامی تربیتی پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو اسلامی سیاست اور انقلاب کے نظریات سے واقفیت ملی، ایسے حالات میں اس تنظیم میں اختلافات رونما ہوگئے تھے۔

۱۹۸۴ء کے دوران جناب نورا اسلام اور ان کے ہم نوا و ہم خیال جناب ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم خیالوں سے نالاں اور برگشتہ ہوگئے تھے، جناب نورالاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا نقطۂ نظر تھا کہ سرزمین بنگلا دیش میں جماعت کے علاوہ بھی دیگر بہت سی تنظیمیں موجود ہیں، نظریاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو تقریباً ساری دینی اور سیاسی تنظیمیں جماعت اسلامی کی مخالف ہیں، اب روہنگیا جیسی ایک کم زور، مجبور اور معذور قوم کی ایک تنظیم نے جماعت اسلامی سے رشتہ جوڑ لے گی تو یہاں کی بقیہ تمام تنظیمیں روہنگیا اور اس کی تمام سرگرمیوں کی مخالف ہوجائیں گی، جن کی مخالفت روہنگیا قومی کاز کے لئے خطرناک ثابت ہوجائے گی، اس لئے ہمارے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت اسلامی سے اس قدر رشتہ استوار کرنے کے بجائے ہمارے ساتھ ساری تنظیموں کے یکساں تعلقات رہے، تاکہ

موافقت نہ بھی ہوسکی تو مخالفت کا سامان بھی پیدا نہ ہوجائے۔

جماعت اسلامی کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے جناب نورالاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا نقطۂ نظر کا ایک گوشہ یہاں بیان کیا جاچکا ہے، پھر ان کا دسرا گوشہ کچھ اس طرح کا ہے کہ:

> ''چوں کہ سرزمین ارکان کے تقریباً تمام علمائے کرام اور مدارس دینیہ کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے، جو ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے مخالف ہیں، اور جو ہمارے معاشرہ کے بڑے بااثر حصے بھی، جن کی مخالفت ہمارے لئے بڑے نقصان کا باعث بن سکتی ہے، اس لئے بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسی جماعت سے دائمی طور پر رشتہ استوار نہ کیا جائے جس سے ہمارے علماء کو ناگور گزرے''۔

بہر حال جناب نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے تمام ہم خیالوں کو روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن سے باہر کردیا تھا، اس اخراج کے بعد ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کا دوسرا دھڑا قائم کرلیا تھا، پہلے پہلے ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک اس مؤخر الذکر دھڑا نے مولانا سیف الاسلام صاحب کی زیر صدارت کافی ترقی کی تھی، لیکن بعد میں اس میں بھی اختلافات رونما ہوگئے تھے۔

۱۹۸۹ء میں مولانا سیف الاسلام صاحب عہدۂ صدارت سے مستعفی ہوگئے تو ڈاکٹر محمد یونس کو قائم مقام صدر چنا گیا تھا، پھر چند مہینے کے بعد مجلس شوری کا اجلاس بلایا گیا، جس میں انتخابات ہوئے تو ڈاکٹر صاحب صدر/ امیر اور مولانا سیف الاسلام صاحب ان کا نائب منتخب ہوئے تھے۔

۱۹۹۴ء میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن نے اندرون وطن میں مسلح کاروائیاں کیں، لیکن بری طرح ناکامی کی شکار ہوگئی تو تنظیم میں اختلافات رونما ہوئے، جن کے نتیجے میں پھر یہ تنظیم دو متحارب دھڑوں میں تقسیم ہوگئی تھی، ایک کی رہنمائی ڈاکٹر محمد یونس صاحب کررہے تو دوسرے کی قیادت پروفیسر محمد زکریا اور مولانا سیف الاسلام کررہے تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام ہوا تو یہ دونوں دھڑے بھی اس مؤخر الذکر تنظیم میں شامل ہوگئے تھے، بعد میں ڈاکٹر صاحب نے یہاں سے بھی نکل کراے ایل جی

ایف(ALGF) نامی تنظیم کا اعلان کیا تھا،لیکن اس تنظیم کی کوئی بھی خاطرخواہ ترقی نہ ہوسکی تو انہوں نے دوبارہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن(RSO) کے صدر ہونے کا دعوی کردیا،آج ۲۰۲۲ء کا سال ہے،ظاہر ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن چند دھڑوں میں منقسم ہے،تاہم ایک دھڑا کے صدر خود ڈاکٹر صاحب ہیں،اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے۔

حبیب الرحمٰن صاحب سائندافاروی:

جناب حبیب الرحمٰن بن شاکر محمد بن کرم علی بن فرﺀان علی کی ولادت ۱۹۴۹ء میں جنوبی منگڈو کی بستی سائندہ فارہ میں ہوئی،وہ ابھی چھ مہینے کے شیرخوار بچے تھے کہ برماٹیریٹوریل فورس(BTF) نامی بدنام زمانہ مگھ درندوں اور برمی خوانین نے ان کے والد کو ناکردہ جرم کی پاداش میں شہید کردیا،اور بہانہ یہ تراشا گیا کہ ان کے والد نے ۱۹۴۲ء کے ہنگامۂ رستخیز کے دوران ایک مگھ لڑکی سے شادی کی تھی،یاد رہے کہ ان کے والد جناب شاکر محمد صاحب ۱۹۴۲ء کے جہاد میں شریک تھے اور انہوں نے اپنے مال و جان کے ذریعے مجاہدین اسلام کا بھرپور تعاون کیا تھا۔

والد کی شہادت کے بعد حبیب الرحمٰن صاحب بشمول ان کی والدہ اپنے چچا کے زیرسائے رہے، ابتدا میں ارکان کے عام بچوں کی طرح مکتب میں بٹھائے گئے،پھر خونیہ فارہ سرکاری اسکول میں داخلہ کرایا گیا،یہاں سے پہلی جماعت کے امتحان پاس کرنے کے بعد علی تانجو کے سرکاری اسکول میں جناب ماسٹر حبیب الرحمٰن صاحب سے تعلیم پائی،یہاں سے چوتھی جماعت کے امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کرکے جنوبی بوسیدنگ کے معروف قصبہ یونگ چنگ کے مڈل اسکول میں داخلہ لیا،یہاں سے ساتھویں جماعت کا امتحان پاس کیا،اس کے بعد دوبارہ علی تانجو کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا(یاد رہے کہ اس درمیانی عرصے میں علی تانجو کے سرکاری پرائمری اسکول کو مڈل اسکول بنایا گیا تھا) حبیب الرحمٰن صاحب نے علی تانجو کے سرکاری اسکول میں اس علاقے کے معروف استاد جناب ماسٹر عبدالجلیل صاحب(جو اس زمانے میں کلکتہ یونیورسیٹی سے ڈگری حاصل کرکے یہاں آئے ہوئے تھے) سے تعلیم حاصل کی،اس دوران جناب حبیب الرحمٰن صاحب کا تعارف حضرت مولانا جلال احمد صاحب(تقریبا ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن تشریف لائے تھے) سے ہوا، مولانا نے ان کی خاصی رہنمائی کی اور دینیات کی طرف ان کے رجحان کو بڑھایا۔

علی تانجو کے سرکاری مڈل اسکول سے آٹھویں جماعت کے امتحان پاس کرنے کے بعد حبیب الرحمٰن صاحب نے منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۸ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا،جس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے رنگون گئے تھے۔

باوجودیکہ حبیب الرحمٰن صاحب سائنس کا طالب علم تھے، لیکن رنگون یونیورسیٹی میں انہوں نے آرٹ کا انتخاب کیا، اب پڑھائی کے حوالے سے ان کو کچھ پریشانی بھی ہوئی تھی، لیکن اپنی فطری ذہانت اور ذاتی محنت سے فن کو اپنا لینے میں کامیاب ہو گئے، فن تاریخ کو انہوں نے اپنا موضوع بنایا، یوں ۱۹۷۲ء میں یہاں سے بی اے کی ڈگری حاصل کر لی تھی۔

رنگون یونیورسیٹی میں پڑھائی کے دوران جناب حبیب الرحمٰن صاحب روہنگیا اسٹوڈنٹ موومنٹ (RSM) سے وابستہ رہے، بعد میں اس طلبہ تنظیم کے جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے، اس دوران ان کے بیان کے مطابق کمیونسٹ نظریات سے متأثر یونیورسیٹی کی دو طالبات سے مذاکرات کرتے رہے، اس حوالے سے ان کا بیان ہے کہ:

> ''رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم میں نے اپنی جماعت کی دو طالبات (جن میں سے ایک کا چن جب کہ دوسری چینی قومیت کی تھی، دونوں کمیونسٹ نظریات سے متأثر تھیں) سے بطور خاص فن تاریخ پر مذاکرات کئے تھے، پھر ان دونوں نے مجھے کمیونزم کی طرف دعوت دی، یوں تو اس زمانے میری کمیونسٹوں کی کتابیں اور ان میں سے بھی بطور خاص چینی لیڈر ماؤزی تنگ کی کتابیں زیر مطالعہ تھیں، تاہم میں ان سے قطعی طور پر متأثر نہیں ہو سکا، ایک دن ان دونوں طالبات نے مجھے جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے دیکھا تو بڑی زور سے تالیاں بجائیں اور کہنے لگیں کہ حبیب الرحمٰن تم اب بھی مذہب سے دل چسپی رکھتے ہو؟ لیکن میں نے بھڑ کے بغیر بڑی سنجیدگی سے ان کو جواب دیا اور بتایا کہ مذہب میری ایک فطری چیز ہے، میں مذہب سے کبھی بھی علیحدہ نہیں ہو سکتا، میرے جواب سن کر وہ دونوں میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے لگیں، اور میں ان کے سامنے نماز جمعہ ادا کرنے چلا گیا تھا''۔

۱۹۷۲ء میں حبیب الرحمٰن صاحب کا تعارف ایک مسلم ملک کے قونصل خانے سے ہوا، وہاں کے اعلی عہدیداروں نے ان کو جوش دلاتے ہوئے کہا کہ تم برما بنگلا دیش سرحد چلے جاؤ اور وہاں جا کر تمہاری قوم کی فلاح ونجات کے لئے کام کرنے والی تنظیم سے مل کر کام کرو، ہم تماری مدد کرتے رہیں گے، لیکن

انہوں نے اپنی تعلیم کو آگے بڑھانا مناسب سمجھا اور فن تاریخ میں تخصص (MASTER) کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن کچھ مدت کے بعد حالات نے جناب حبیب الرحمٰن صاحب کا ساتھ نہیں دیا، قوم کی مشکلات اور مصائب ان کی نظروں کے سامنے تھے، یوں انہوں نے اپنے مذکورہ فیصلہ کو بدل کر زیر زمین جا کر کام کرنے کو مناسب سمجھا تھا، ویسے مزید پڑھائی کو چھوڑ کر وطن چلے آئے، پھر وطن میں چند دن گزار کر سرحد میں زیر زمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو گئے تھے، یاد رہے کہ اس درمیانی مدت میں یعنی ۱۹۶۹ء میں انہوں نے شادی کی سنت ادا کر لی تھی۔

۱۹۷۵ء میں حبیب الرحمٰن روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو گئے، جہادی تربیت جناب ماسٹر شبیر حسین صاحب فوٹما لوی سے حاصل کی، پھر اس تنظیم کے مختلف اعلی عہدوں پر فائز ہوتے رہے تھے۔

روہنگیا فدائین محاذ کے انتشار نے جناب حبیب الرحمٰن کو بڑی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، ۱۹۷۸ء میں جناب نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) بنی تو حبیب الرحمٰن صاحب نے پہلے پہلے اس کی شدید مخالفت کی تھی، لیکن بعد میں اس نئی تنظیم سے ایک اسلامی جماعت کا رشتہ استوار ہوا تو اس جماعت کے اسلامی اور دینی لٹریچرز نے ارکان مسلم آرگنائزیشن کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی تھی، چنانچہ انہوں نے ایک گفتگو کے دوران کہا تھا کہ ''میں دراصل ارکان مسلم آرگنائزیشن سے کوئی متأثر نہیں تھا بلکہ جماعت اسلامی کے لٹریچرز نے میری توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی''۔ بعد میں ارکان مسلم آرگنائزیشن کا نام تبدیل کیا گیا اور اس کی جگہ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو حبیب الرحمٰن صاحب بڑے فکر مند ہو گئے تھے۔

۱۹۸۴ء کے اواخر میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں دراڑے پر گئے، چنانچہ یہ تنظیم دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک کی قیادت جناب نور الاسلام صاحب کر رہے تو دوسری کی رہنمائی ڈاکٹر محمد یونس صاحب کر رہے تھے، دراں حالیکہ جناب حبیب الرحمٰن صاحب روہنگیا فدائین محاذ کے سپہ سالار تھے، اسی دوران جناب شبیر حسین صاحب نے محمد جعفر حبیب کو فدائین محاذ کے عہدۂ صدارت سے معزول کر دیا اور وہ عہدۂ صدارات پر براجمان ہو گئے تھے، ۱۹۸۵ء میں جناب شبیر حسین

اورنورالاسلام صاحب کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل عمل میں آئی، اب اس نئی اعلان شدہ تنظیم میں جناب حبیب الرحمٰن صاحب مجلس عاملہ کا رکن بنے تھے۔

۱۹۹۰ء میں بعض نا قابل بیان وجوہات کی بنیاد پر حبیب الرحمٰن صاحب ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) سے مستعفی ہو کے سنگاپور چلے گئے، جہاں انہوں نے ایک باوقار نوکری کے ساتھ کچھ تجارت سے ناطہ جوڑا، ویسے اگلے چند سالوں میں نام بھی کمایا اور پیسے بھی۔

حبیب الرحمٰن صاحب طبعیتاً سنجیدہ، حلیم الطبع، بردبار ہونے کے ساتھ قوم کے حوالے سے بڑے دردمند انسان ہیں، اگر چہ ۱۹۹۰ء میں انہوں نے مسلح جدو جہد سے علیحدگی اختیار کی، لیکن کسی بھی قیمت پر قومی سطح پر کام کرنے والی جہادی، مذہبی، ثقافتی اور رفاہی تنظیوں یا ان میں کام کرنے والوں کو نہیں بھولا تھا، تقریباً ۱۹۹۲ء کے بعد ان کی ذاتی دل چسپی ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے ہوگئی تھی، مثال کے طور پر اگر ان کا مالی تعاون شامل حال نہ ہوتا تو شاید راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' چھپ کر منظر عام میں آسکی ہوتی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

جناب حبیب الرحمٰن صاحب ایک سیاسی اور انقلابی ہونے کے ساتھ ذاتی طور پر فن تاریخ (جوان کے مطالعہ کا خاص موضوع ہے) سے خاصی دل چسپی لیتے ہیں، بطور خاص روہنگیا مسلمانوں کی قومی تاریخ پر ان کی خاصی نظر ہے، چنانچہ ان کے بعض دوستوں کا بیان ہے کہ ''ہم نے جناب حبیب الرحمٰن صاحب کو تاریخ کی کتابوں سے کبھی دور نہیں دیکھا تھا'' سرزمین ارکان کی تاریخ کے متعلق انہوں نے راقم کو اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازا تھا، جو راقم کے لئے مشعل راہ سے کسی درجہ میں کم نہیں تھے۔

۱۹۹۹ء میں حبیب الرحمٰن صاحب سنگافور سے بنگلا دیش چلے آئے، جس کے بعد ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی مجلس عاملہ کے رکن بنے، اس رفاہی تنظیم کے زیر سائے انہوں نے بڑی قابل قدر خدمات انجام دیں، پھر ۲۰۰۸ء کے بعد وہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا رکن بنے، ۲۰۱۹ء تک حبیب الرحمٰن صاحب اس تنظیم کے نائب صدر تھے۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب دھودائنگی:

برادر محترم الحاج ڈاکٹر محمد علی بن جناب ماسٹر سید حسین صاحب شمالی منگڈو کی معروف بستی دھودائنگ میں ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان علمی اور فکری ہونے کے ساتھ ایک متمول اور زمیندار خاندان ہے، جس میں بڑے بڑے نامور علمائے کرام اور فضلائے عظام اور صاحب علم وبصیرت دانشوران پیدا ہوئے، جن میں ڈاکٹر محمد علی کے لائق چچا مولانا ماسٹر نذیر حسین مہاجر مکی اور آپ کے برادران عزیزان مولانا حافظ شوکت علی صاحبؒ اور محترم مولانا مفتی سعید عالم صاحب (مدیر دارالانصار الخیریہ چاٹگام) نا قابل فراموش ہستیاں ہیں۔

ڈاکٹر محمد علی کا دادا مرحوم عبدالجلیل صاحب ایک نیک اور سخی زمیندار تھے، اور آپ کے والد بزرگوار جناب ماسٹر سید حسین صاحب مرحوم ایک مرد باخدا اور ایک صحیح معنی کے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ تھے، جو تعلیم سے فراغت کے بعد ایک سے زیادہ سرکاری اسکولوں کے استاد پھر ایک ایمان دار پولیس انسپکٹر رہ چکے تھے۔

یوں تو کہنے میں ماسٹر سعید حسین صاحب ایک عصری تعلیم یافتہ بزرگ تھے لیکن عنفوان شباب ہی سے دنیائے تزکیہ واحسان/تصوف وسلوک سے ایک سالک کی حیثیت سے ناطے جوڑے ہوئے تھے، یوں رفتار زمانے کے ساتھ ماسٹر صاحب کی زندگی میں روحانیت کا رنگ بھرا تھا، انہوں نے شروع شروع میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے دو نامور ارکانی شیوخ حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالسلام صاحب ارکانی اور حضرت مولانا شاہ صوفی ولی بخش صاحب پندوفرانگی سے نسبتیں لیں، لیکن ان دونوں شیوخ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ صوفی ولی بخش صاحب کے نامور صاحب زادہ وجانشین حضرت مولانا حافظ مشتاق احمد صاحب پندوفرانگی کی طرف رجوع کیا، ایک طویل ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے سلوک وطریقت کے مدارج ومراحل طے کرتے ہوئے خلعت اجازت بیعت سے سرفراز ہوئے، یوں انہوں نے اپنی بقیہ زندگی کے دن رات ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے گزاری، آج ماسٹر صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن وطن عزیز کے اندر و باہر ان کے سینکڑوں مریدان اور متعلقین بطور یادگار موجود ہیں، راقم کا ان سے ایک باپ بیٹا جیسا تعلق تھا، بڑے بلند مقام کے بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ ان کے

مراتب بلند کرے اور جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب کی والدہ محترمہ الحمدللہ تادمِ تحریر حیات سے ہیں، جو نہایت علم دوست اور علماء و طلباء پسند بڑی پاکیزہ صفات اور نیک طینت خاتون اسلام ہیں، سچ تو یہی ہے کہ مسلمانوں کی مائیں ان جیسی ہونی چاہئے، شاید ان کی پاک طینتی اور علماء پسندی کی برکت ہو کہ ان کے بطن سے ڈاکٹر صاحب جیسے دین دار، انسانیت دوست اور خدا ترس خادم قوم کے علاوہ مولانا حافظ شوکت علیؒ اور مولانا مفتی سعید عالم صاحب جیسے بلند پایہ کے علماء پیدا ہوئے، اللہ تعالی اس عابدہ وزاہدہ خاتون کی حیات اور صحت میں برکت دے اور ان کی نیک تمنائیں اور دعائیں ان کی اولاد و احفاد کے علی الرغم ہم جیسے غریبوں اور مسکینوں کے حق میں کام آئیں۔

ڈاکٹر محمد علی کی مروجہ تعلیم علاقے کے دینی مدرسہ اور سرکاری اسکول سے شروع ہوئی، آپ اپنے نانا ماسٹر کبیر احمد صاحب بلی بازاری (ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ مڈل اسکول بلی بازار) اور آپ کے نامور چچا ماسٹر مولوی نذیر حسین صاحب متوفی ۲۰۰۰ء (بی اے بی ایڈ، ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ مڈل اسکول بلی بازار، اور ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ مڈل اسکول راسیدنگ، پھر ممبر رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ) کی زیرِ سرپرستی پل کر جواں ہوئے، کچھ بڑے ہوئے تو محمد علی صاحب کو منگڈو ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا، یہاں آپ نے اپنے اور ایک محسن استاد ماسٹر فروخ احمد صاحب بلی بازاری (ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ ہائی اسکول منگڈو) کے زیرِ سائے رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی، اس کے بعد آپ رنگون پہنچے اور ۱۹۶۹ء میں اسٹیٹ ہائی اسکول آف بزوائن ڈائنگ سے مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد آپ نے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء میں معاشیات (ECONOMIC) میں بی کم کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرکزی وزارت برائے امور مالیات میں نوکری لی، اور ۱۹۷۶ء میں اسی وزارت کے ماتحت ایک علاقائی افسر کی حیثیت سے رنگون سے منتقل ہو کے بوسیدنگ آئے، لیکن یہاں چند مہینے بھی گزار نے نہیں پائے، کیوں کہ یہاں آئے دن روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم نے آپ کو اپنی قوم کے مستقبل پر سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، یوں آپ کی زندگی نے ایک بڑی قسم کی انگڑائی لی اور نوکری تو کجا آپ کو ہمیشہ کے لئے اپنے وطن تک کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔

یوں تو سرزمین ارکان اور برما کے مسلمان مگھ وحشیوں، برمی درندوں اور نام نہاد مذہبی بودھ بھکشوؤں کی بربریت کے شکار رہے ہیں، لیکن ۱۹۶۲ء سے جب برمی وحشی فوجی عفریت جنرل نیون نے مرکزی اقتدار پر قبضہ کیا تو یہاں کے مسلمانوں کی حالت ابتر سے ابتر ہو چکی تھی، اب کی بار نسل پرست بربر اور متعصب فوجی حکومت نے یہاں کے مسلمانوں کی انسانی، وطنی، قومی، دینی وملی غرض تمام حقوق سلب کر لئے، قتل وغارت اور جبری انخلاء جیسے گھناؤنے مظالم بلکہ جرائم کے ذریعے مسلمانوں کی نسل کشی اور صفایا کا عمل شروع کر دیا تھا، تو برمی حکومت کی اس متعصّبانہ اور سفاکانہ پالیسی نے محمد علی صاحب کی غیرت دینی اور حمیت ایمانی کو للکارا اور آپ نے اپنی ملی تشخص کی بقاء اور امت مسلمۂ ارکانیہ کی عزت کی حفاظت کے لئے زیرِ زمین جا کر کام کرنے کو مناسب سمجھا، یوں آپ ترک وطن کر کے اس وقت محمد جعفر حبیب کی زیرِ قیادت چلنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہو گئے اور محمد جعفر حبیب کے رفیق محترم جناب ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئما لوی سے عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

۱۹۷۸ء میں جناب ڈاکٹر محمد علی کو روہنگیا فدائین محاذ کی مجلس شوری ''روہنگیا نیشنل کانگرس (RNC) میں منگڈو ٹاؤن شپ کا ممبر چنا گیا، ساتھ ہی روہنگیا فدائین محاذ کے اولین سشن میں مرکزی مجلس عاملہ (CEC) رکن بھی منتخب کر لیا گیا تھا۔

۱۹۸۲ء میں رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ کی دعوت پر ایک سہ رکنی وفد محمد جعفر حبیب کی قیادت میں حجاز مقدس کا آفیشل دورہ کیا تھا، جس میں ڈاکٹر محمد علی اور جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی بھی شامل تھے، اس سنہری موقع پر ڈاکٹر صاحب نے حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت حاصل کی، اس دورہ کے دوران اس وفد کو عالم اسلامی کے عظیم المقام ہستی سماحۃ الشیخ مفتی سعودی عرب عبداللہ بن باز نے ریاض بلایا، یوں اس وفد نے شیخ سے ملاقات کی اور شیخ نے کام کے حوالے سے اس وفد کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور دعائیں دی تھیں۔

اس کے علاوہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) اور رابطۃ العالم الاسلامی نے بھی اس وفد کا پرتپاک استقبال اور شاندار خیر مقدم کیا تھا، اور روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے ارکانی مسلمانوں کے حوالے سے کی جانے والی مساعی اور کوششوں کو بلند الفاظ میں سراہا تھا۔

۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر محمد علی نے روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے اس وقت کے عالم اسلام کے انقلابی ملک لیبیا کا آفیشل دورہ کیا، پھر اسی سال روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے ایک سہ رکنی وفد جناب ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئمالوی کی زیر قیادت طرابلس پہنچا اور اس وفد نے کرنل معمر القذافی سے ملاقات کی تھی، جس میں ڈاکٹر محمد علی کے علاوہ کمانڈر سلیم اللہ شجاع فاروی صاحب بھی شریک تھے، یاد رہے کہ اس وفد کا یہ دورہ ہمارے انقلاب کے حوالے سے بڑا باثمر نکلا تھا۔

۱۹۸۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی سپریم کونسل نے (ممکن ہے کہ ایک سازش کے تحت ہو) محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے معزول کر کے جناب شبیر حسین صاحب کو صدر بنایا، تو اب کی بار تشکیل پانے والی مجلس عاملہ میں ڈاکٹر محمد علی صاحب نائب صدر کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

۱۹۸۶ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے نورالاسلام دھڑا نے ایک معاہدہ کے تحت انضمام ہوکر ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کا اعلان کیا تو ڈاکٹر محمد علی صاحب اس میں جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، لیکن بعض نا قابل بیان وجوہات اور نا مساعد حالات کی وجہ سے اگلے چند مہینوں کے بعد آپ اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے تھے۔

۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر محمد علی صاحب نے جناب محترم ہڈ ماسٹر محمد سعید صاحب تنگ بازاری (سابق ہڈ ماسٹر اسٹیٹ ہائی اسکول تنگ بازار بوسیدنگ) کی بڑی صاحب زادی محترمہ تسنیم فاطمہ سے شادی کی، اللہ تعالی نے آپ کی اولاد میں برکت دی، تین بیٹیاں بالترتیب ڈاکٹر صادقہ عالیہ، ڈاکٹر مہرین صالحہ، انجینئر طحاوین صائمہ اور محمد بن علی کے ذریعے اس گھرانہ کو منور کیا، اللہ تعالی ان سب کی حیات دراز فرمائے، آمین۔

۱۹۸۹ء میں اس وقت ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی طرف سے دعوت ملی تو ڈاکٹر محمد علی صاحب اس میں شامل ہو گئے تھے، پہلے پہلے آپ اس تنظیم کی مجلس شوری کے ممبر رہے، لیکن بہت جلد آپ کو مرکزی مجلس عاملہ میں سکریٹری برائے امور خارجہ کا منصب سونپا گیا، یوں آپ نے اپنی ذمے داری کو بحسن وخوبی نبھایا، جس کا سلسلہ تقریبا ۹۹۵ء تک جاری رہا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب نے ۱۹۹۱ء میں متحدہ عرب امارات میں میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ نے:

۱۔ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی (حاکم شارجہ اور ممبر آف سپریم کونسل متحدہ عرب امارات)۔

۲۔ شیخ سالم بن محمد القاسمی (چیف آف اسلامک آفیرز اینڈ اوقاف)۔

۳۔ شیخ جمال بن عبدالعزیز القاسمی (نائب اسلامک آفیرز اینڈ اوقاف)۔

کے تعاون وتائید سے ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی مدد اور تعاون کے لئے ایک رفاہی دفتر بنام "ریلیف آفس فار مسلم آف برما" کھولا تھا، اس رفاہی دفتر کے ذریعے آپ نے ارکان اور برما کے مسلمانوں کی بہت ہی نمایاں خدمات انجام دی تھیں، یاد رہے کہ اس رفاہی دفتر کی ترقی وتطویر میں درج ذیل عرب حضرات کی خدمات بھی نا قابل فراموش ہیں:

۱۔ شیخ محمد بن غالب۔

۲۔ انجینئر ڈاکٹر راشد اللیم۔

۳۔ شیخ سلطان بن حدہ۔

علاوہ ازیں اس رفاہی دفتر کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے امیر محترم ڈاکٹر محمد یونس اور ان کی رفقائے کار کی خدمات اور کوششیں بھی یاد رکھی جانے کی قابل ہیں، اس ریلیف دفتر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد علی تھے، جب کہ مولانا اکرام اللہ صاحب اور برادر عبد المناف صاحب علی تانجوی آپ کے معاون۔

لیکن یہ ہماری بدقسمتی کی المناک داستان تھی کہ چند سال گزرتے نہ گزرتے قوم کے اس محسن ادارے کے خلاف سازش اور پروپیگنڈوں کا طوفان اٹھا تھا، ہماری برادری کے چند نا عاقبت اندیش افراد کی نا عاقبت اندیشانہ کردار وحرکات کے نتیجے میں ملت وقوم کی خدمات انجام دینے والا یہ دفتر بھی نہ بچ سکا، یعنی سازش کاروں نے ڈاکٹر محمد علی اور آپ کے رفقا کار کے خلاف بدنامی اور دشنام طرازی کا جال پھیلا دیا تھا، بالآخر حکومت امارات نے ڈاکٹر محمد علی اور آپ کے رفقائے کار کے ماضی وحال کی تمام سرگرمیوں اور کوششوں کی ایک حیرت انگیز طریقے سے تفتیش کی اور بڑی جانچ پڑتال کے بعد حکومت اس نتیجہ پر پہنچی کہ ڈاکٹر محمد علی نہ صرف ایک امانت دار انسان ہیں بلکہ ہر اعتبار سے ایک قابل اعتماد

مفید شخصیت بھی، چنانچہ حکومت نے اس رفاہی دفتر کو ''چیریٹی انٹرنیشنل آف شارجہ'' میں انضمام کرتے ہوئے آپ کو ''برما کمیٹی'' کا نمائندہ اور مولانا اکرام اللہ صاحب کو آپ کا نائب مقرر کر دیا، یوں اللہ تعالی نے آپ کی عزت بچائی اور مرتبہ کو مزید بلند کر دیا تھا۔

تاہم سازش کاروں نے آپ کا اب بھی پیچھا نہیں چھوڑا تھا، لیکن ان سازش کاروں کی امید و توقع کے برعکس حکومت امارات نے ۱۹۹۹ء میں یہ کام کیا کہ مذکورہ برما کمیٹی کو کالعدم کر کے ''چیریٹی انٹرنیشنل'' کی زیر سرپرستی ''ایشیا کمیٹی'' کے نام سے ایک دفتر کھولا، جس میں:

۱۔ شیخ سالم بن محمد القاسمی چیرمن۔

۲۔ ڈاکٹر محمد علی سکریٹری جنرل۔

۳۔ انجینئر ڈاکٹر راشد اللیم جنرل منیجر۔

۴۔ شیخ سلطان بن حدہ السویدی ڈائرکٹر آف پبلک ریلیشن۔

مقرر ہوئے، ڈاکٹر محمد علی صاحب نے اس دفتر کے زیر سائے نہ صرف ارکان و برما کے مسلمانوں کے بلکہ ایشیا اور افریقہ کے غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور ناداروں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، اللہ تعالی آپ اور آپ کے ٹیم کی جمیع مساعی و خدمات کو قبول کرے اور آپ کے عزائم، بلند حوصلگی اور صبر جمیل میں مزید برگ و بار لائے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو میرے علم و اطلاع کے مطابق ڈاکٹر محمد علی صاحب بڑے خوش ہوئے تھے، اور تو اور آپ نے مجھے یہاں تک بتایا تھا کہ ''اللہ تعالی کی توفیق شامل حال رہی تو میں اس نوتشکیل شدہ تنظیم کا بھرپور ساتھ دوں گا اور ہمیشہ تعاون کرتا رہوں گا''، لیکن نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ اس نوتشکیل شدہ تنظیم کو بھی چند مہینے کے اندر باہمی رسہ کشی، اختلافات اور افتراق کی عفریب نے آلیا، یوں ڈاکٹر صاحب کی تمام امیدیں، توقعات اور نیک خواہشات دھری کی دھری رہ گئیں۔

میری معلومات کی حد تک یوں تو محمد جعفر حبیب کے زمانے سے روہنگیا مسلمانوں کی مختلف تنظیموں نے (روہنگیا ارکان کی ایک معقول اقلیت کے بطور) منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں ممبرشپ

حاصل کرنے کی مسلسل کوششیں کی تھیں، لیکن آج تک ان کی کوششیں بارآور ثابت نہیں ہو سکیں، میرے ناقص خیال میں اس ناکامی کے دیگر اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہمارے آپس کے اختلافات اور باہمی رسہ کشی ہے، اس حوالے سے بالخصوص ۲۰۰۳ء کے بعد جناب نور الاسلام صاحب (صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن) کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں، انہوں نے برطانیہ میں پناہ لینے کے بعد یورو برما آفس کا رہنما شان لیڈر مسٹر ہانگ شوے کے تعاون سے نہایت زوردار کوشش کی تھی، تاہم ان کی یہ کوشش اب تک باثمر نہیں نکلی، شاید اس کوشش کا سلسلہ تاحال کسی قدر رہ رہ کر جاری بھی ہو۔

۲۰۱۱ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کی زیر سرپرستی ارکان روہنگیا یونین (ARU) کا قیام عمل میں آیا تو ڈاکٹر محمد علی صاحب نے اس کے پہلے کونونشن میں ''برما روہنگیا ایسوسی ایشن متحدہ عرب امارات (BRAUAE) کے بحیثیت چیرمن بذات خود شرکت کی، پھر دوسرے کونونشن میں اس ایسوسی ایشن کی طرف سے راقم سطور نے بھی حصہ لیا تھا، بہرحال ۲۰۱۱ء سے لے کر تادم تحریر ڈاکٹر محمد علی صاحب کو اس یونین کے بڑے خیر خواہ سمجھا جاتا ہے۔

۲۰۱۱ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی کے صدر دفتر جدہ میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تشکیل عمل میں آئی تو ڈاکٹر محمد علی صاحب کو سکریٹری برائے امور مالیات چنا گیا تھا، اس کے بعد ۲۰۱۳ء کے دوسرے کونونشن میں انتخابات ہوئے تو اس میں بھی آپ کو سابقہ منصب پر بحال رکھا گیا، یاد رہے کہ ۲۰۱۳ء والے کونونشن میں راقم سطور ڈاکٹر محمد علی صاحب کی عدم موجودگی میں آپ کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے عاملہ کا امیدوار بنا تو آپ کی عام مقبولیت کا یہ عالم دیکھ کر تعجب کی انتہاء ہوگئی تھی کہ انتخابات میں راقم نے ڈاکٹر محمد علی کے نام پر سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب نہایت حساس و ہشیار، زیرک و دور اندیش، فعال و بالغ نظر انقلابی سیاست دان ہیں، ساتھ ہی ساتھ روہنگیا قوم کے بڑے خیر خواہ اور متعاون اور دردمند انسان بھی، آپ نے اپنی زندگی میں مختلف دینی، سیاسی، انقلابی، سماجی، معاشرتی، ثقافتی اور رفاہی پروگراموں کو ہاتھ لے کر مختلف ملکوں کا دورہ کیا، جن میں جرمنی، اٹلی، ایران، لیبیا، ترکی، پاکستان، تھائی لینڈ، سنگاپور، سعودی عرب کے علاوہ افریقہ کے چند ممالک بھی ہیں، بنگلا دیش تو خیر آپ کا اپنا دوسرا وطن جیسا ہے، آپ جہاں بھی گئے روہنگیا

مسلمانوں کی حالت زار سے وہاں کے انسان دوست لوگوں کو مطلع کیا اور ان کے دل و وجدان کو ان مظلوموں کے حق میں جھنجوڑتا رہا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی نے اپنی زبان وقلم سے روہنگیا مظلوموں کی طرف دنیائے انسانیت کو عموما اور عالم اسلامی کو خصوصا پھرانے کی بھرپور کوشش کی، اس حوالے سے آپ نے مختلف پمفلٹ، مقالات، کتابچے لکھے، اور اپنے انٹرویوز کے ذریعے مسلم امۃ کی نظریں ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی طرف پھرانے میں کامیاب کوششیں کی تھیں۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب کی ایک گرانمایہ انگریزی تصنیف ''روہنگیا کی جدوجہد'' (ROHINGYA STRUGGLE) میری نظر سے گزری، ماشاءاللہ یہ تصنیف آپ کی فکری آگاہی، سیاسی بصیرت اور بالغ نظری کی بین ثبوت ہونے کے ساتھ آپ کی قومی وملی ہم دردی اور دردمندی اور وطن کے حوالے سے جان سپاری ودل سوزی کی مظہر بھی ہے۔ اللہ تعالی آپ کی حیات اور صحت میں برکت دے اور آپ کو قوم وملت کی مزید خدمات کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

ابوالفیاض صاحب (BA) نافیتارڈیلوی:

جناب ابوالفیاض صاحب ۱۹۳۶ء میں نافیتارڈیل منگڈو میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں اور پرائمری سرکاری اسکول میں پائی اور ۱۹۶۵ء میں منگڈو ہائی اسکول سے مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد رنگون گئے، ۱۹۶۹ء میں رنگون یونیورسیٹی سے فن تاریخ میں بی اے کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد وطن واپس آئے، اور ۱۹۷۰ء میں کھاری فارہ منگڈو کی ایک لڑکی سے شادی کی۔

ابوالفیاض صاحب اس درمیان روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے ممبر بن کر قومی سیاست سے وابستہ ہوئے، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں بنگلادیش پہنچے، بنگلادیش کی جنگ آزادی کے دوران آپ بالکل غیر جانب دار رہے، پھر بھی ۱۹۷۲ء میں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے تمام ساتھی پاکستان کے حامی تھے، جس کی وجہ سے مجبور ہوکر آپ نے روپوشی اختیار کی، پھر بعد میں ارکان آزاد فوج/روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں شامل ہوگئے تھے۔

جناب ابوالفیاض صاحب ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے تاسیسی ممبر تھے، پھر ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو آپ مجلس عاملہ کے رکن چن لئے گئے تھے، ۱۹۸۶ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) نورالاسلام دھڑا کے مابین ایک معاہدہ ہوا، جس کے بعد ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) وجود میں آئی تو آپ مجلس شوری (RNC) کے چیرمن رہے، بعد میں اس تنظیم کے عاملہ ممبر بھی چن لئے گئے تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی بنیاد کے دوران ابوالفیاض صاحب نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر تھے، آپ نے ہر حال میں قومی اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، آپ نے ۲۰۰۵ء میں چاٹگام میں انتقال کیا اور یہاں کی معروف قبرستان ''سوتو ئنہ گلی'' میں مدفون ہیں۔

جناب ابوالفیاض صاحب بڑے دردمند، مدبر اور نہایت عالی ظرف کے مالک انسان تھے، آپ محمد جعفر حبیب کے بہت ہی قریبی دوستوں اور خیر اندیشوں میں سے تھے، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی مرحوم

الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی بن ماسٹر نورالزمان شمالی منگڈو کی مردم خیز بستی خیر فارہ میں ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک پرئمری اسکول کے استاد ہونے کے علاوہ ایک دین دار ،عالم دوست ،نہایت سخی اور ہر دل عزیز بزرگ تھے، اور آپ کے بیان کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پرہیزگار اور خداترس خاتون تھی۔

سلیم احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں پائی، چوتھی جماعت کی تعلیم پاکر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے ساتھویں کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد آپ برما کے دارالحکومت رنگون گئے، جہاں ایک روایت کے مطابق آپ نے اپنے اگلے تعلیمی مراحل کو مزید آگے بڑھایا تھا۔

۱۹۶۰ء کے دوران رنگون ہی میں آپ نے پولیس کی نوکری اختیار کی، پہلے پہلے غیر کمیشن پھر کمیشن افسر بنے، ویسے آپ نے چار سالوں تک پولیس میں نوکری کی، اس کے بعد بعض پریشانیوں کی وجہ سے پولیس سے مستعفی ہوگئے، اس کے معا بعد وطن واپس آگئے، اور اگلے چند دن وطن میں گزار کر مشرقی پاکستان (حالیہ بنگلا دیش) کی طرف ہجرت کی۔

مشرقی پاکستان پہنچنے کے بعد آپ نے الحاج نبیہ حسین صاحب شاہی فریدیپ والے کی صاحب زادی (ہمشیرۂ الحاج بدیع الرحمان اور شفیع الرحمان وغیرہ) سے نکاح کیا، اللہ تعالی نے اس نکاح میں کافی برکت دی، ان کے بطن سے دو صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جو تادم تحریر الحمد للہ حیات سے ہیں، اللہ تعالی ان ساروں کی حیات دراز کرے، آمین۔

سلیم احمد صاحب کا صاحب زادہ سیف الدین (منا) ماضی میں میرے قدرے قریبی ساتھی رہ چکا تھا، بڑا ذہین وفطین، نہایت حساس تھا، شاعر مشرق علامہ سرمحمد اقبال کے فریفتہ تھا، اس کے والد صاحب جناب سلیم احمد کو اس پر کافی اعتماد اور بھروسہ تھا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور شاید اب بھی ہو کہ آج تک وہ کسی بھی قومی کام کا نظر نہیں آرہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کی ہدایت کا فیصلہ کرے۔

الحاج سلیم احمد صاحب روہنگیا انڈی پینڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہ چکے تھے، کہتے ہیں

کہ اندرون وطن میں اس تنظیم کے زیرسائے آپ نے قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی تھیں، آپ ریف کے سربرآوردہ رکن جناب سرفراز احمد بن ماسٹر ولی احمد صاحب شجاع فاروی مرحوم کے قریبی دوستوں میں سے تھے، ساتھ ہی ساتھ قائد تحریک حضرت محمد جعفر حبیب کے بڑے چہیتے ساتھیوں میں سے بھی۔ ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل ہوئی تو آپ اس تنظیم کے اعلی رکن قرار پائے تھے، بعد میں رکن عاملہ بھی بنے، جس میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، اس حوالے سے آج بھی ہمارے بعض سیاسی اور انقلابی حلقوں میں آپ سراہے جاتے ہیں، جس کی بڑی تفصیلات ہیں۔

۱۹۸۶ء اور اس سے پہلے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں حضرت محمد جعفر حبیب اور جناب شبیر حسین فوئمالوی کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو سلیم احمد صاحب نے بعض سیاسی اور انقلابی وجوہات کی بنیاد پر شبیر حسین صاحب کا ساتھ دیا، بایں ہمہ حضرت محمد جعفر حبیب سے بھی آپ نے دوستی اور راہ ورسم کو بحال رکھا تھا، چناں چہ ۱۹۸۷ء میں حضرت محمد جعفر حبیب کا چاٹگام میڈیکل ہسپتال میں انتقال ہوگیا تو حضرت کی نعش مبارک کو سلیم احمد صاحب کی رہائش گاہ لایا گیا تھا، اور آپ کی پہلی نماز جنازہ بھی وہیں ہوئی تھی۔

۱۹۸۸ء کے دوران سلیم احمد صاحب کی سرکردگی اور قیادت میں روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا قیام چاٹگام میں ہوا، جس میں آپ صدر منتخب ہوئے، اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ آپ کا عہدۂ صدارت بلاکسی بھی چوں وچرا کے آپ کے انتقال تک بحال رہا تھا۔

جناب سلیم احمد صاحب کو میں ۱۹۸۶ء سے دیکھ رہا تھا، جتنا بھی دیکھا کہ بہت قریب سے دیکھا تھا، آپ کی رہائش گاہ گویا ہماری پناہ گاہ تھی، جبھی ملاقات کرتا تھا آپ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے، بہر حال آپ نے اپنی عمر مستعار میں حجاز مقدس کی زیارت کی سعادت چند مرتبہ حاصل کی، ۲۰۰۴ء کے دوران میں حجاز مقدس میں تھا، آپ وہاں پہنچے اور چند مہینے وہیں گزارے، رہ رہ کر وہیں بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، جہاں تک اندازہ کیا گیا تھا کہ اس زمانے میں آپ بڑے اداس، سہمے ہوئے بہت ہی پریشان حال تھے، سیاسی وفکری اعتبار سے بھی اور اقتصادی ومعاشی اعتبار سے بھی، وہیں چند مہینے گزار کر

بنگلا دیش چلے آئے تھے۔

جناب سلیم احمد صاحب نہایت علم اور عالم دوست انسان تھے، مخصوص طور پر وطن کے علماء، صلحاء اور طلباء سے محبت اور شفقت کی برتاؤ کیا کرتے تھے، آپ مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب کے بڑے مداح تھے اور قدر دان بھی، اور وطن کے حوالے سے مولانا محترم کی ذات، شخصیت اور ان کی لیاقت و صلاحیت پر خاصے پر امید تھے، آپ کا تقریبا یقین تھا کہ مولانا وطن کے حوالے سے ضرور کچھ کر پائیں گے، اور جو بھی کریں گے تاریخ ساز کریں گے، ویسے بھی جہاں تک میں نے دیکھا کہ وطن عزیز کے حوالے سے دونوں شخصیات کے خیالات وآراء تقریبا ایک جیسی تھیں، اور فکری اعتبار سے بھی دونوں قریب قریب ہم آہنگ اور ہم نوا تھے۔

روہنگیا لبریشن آرگنائزیشن (RLO) میں مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب اور جناب سلیم احمد صاحب کے علی الرغم اور ایک نمایاں شخصیت بھی تھی، وہ تھے مولانا محمد کبیر خواندگی صاحب، جنہیں کبھی اس تنظیم میں ایک حیثیت سے روح رواں بھی سمجھا جاتا تھا، تنظیم کے بعض امور کے حوالے سے مولانا حسین احمد اور مولانا محمد کبیر کے مابین اختلافات رونما ہوا کرتے تھے، جو کبھی کبھار شدت بھی اختیار کر جاتے تھے، ان اختلافات کے دوران اکثر دیکھا اور اندازہ کیا گیا تھا کہ جناب سلیم احمد صاحب مولانا حسین احمد صاحب کے ہم نوا اور ہم خیال ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے مولانا محمد کبیر صاحب کبھی کبھار جناب سلیم احمد صاحب پر برہم بھی ہو جایا کرتے تھے۔

مؤخر الذکر تنظیم سے مولانا محمد کبیر صاحب کی مکمل علیحدگی کے بعد مولانا حسین احمد اور جناب سلیم احمد صاحب نے ۱۹۹۱ء کے دوران اس تنظیم کو از سر نو احیاء کرنے کی کوشش کی، جس کی بعض ضروری روداد میری بعض کاوشوں میں دیکھی جاسکتی ہے، اس احیاء اور تجدید نو کے دوران جناب سلیم احمد صاحب نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔

سلیم احمد صاحب بڑے ذہین اور فکر رسا کے مالک انسان تھے، عالمی سیاسیات پر عموما اور ہماری قومی سیاسیات پر خصوصا آپ کی نظر گہری اور دوررس تھی اور امت مسلمہ کے حالات زار پر عموما اور ہمارے قومی وملی حالات پر خصوصا ہمیشہ تڑپتے رہتے تھے، کہنے میں تو بظاہر ایک دانشور اور تجارت

خیال کے انسان تھے، لیکن دینی حمیت اور ایمانی غیرت کے حوالے سے آپ کی تڑپ کبھی کبھار دیکھی جانے کی قابل تھی۔

غرض جناب سلیم احمد صاحب مولانا حسین احمد صاحب کے بڑے خیر خواہ انسان تھے، آپ کی اس خیر خواہانہ صفات سے مجھے بھی بہت کچھ ملا تھا، نہایت کریمانہ اور مشفقانہ اخلاق کے مالک ایک قومی لیڈر تھے، آپ کی زندگی کے آخری ایام جہاں تک اندازہ کیا گیا تھا کہ بڑی عسرت سے گزرے تھے، ان ایام میں غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کے بھی تیر سہتے رہے تھے، اور زخم سے چور ہو کر بالآخر قوم کے اس نڈر، بہادر، انقلابی سیاست دان نے سرزمین چاٹگام میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ افسر دل افسردہ کند انجمنے را۔

یونس احمد صاحب پیر خالوی:

جناب یونس احمد بن الحاج امیر حسین صاحب ۱۹۳۰ء میں پیر خالی تنگ بازار بوسیدنگ میں پیدا ہوئے، انہوں نے اپنی بستی میں قرآن کریم کے ناظرہ کے ساتھ دینیات کی کچھ تعلیم پائی، اس کے بعد تنگ بازار کے سرکاری اسکول سے اردو کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آٹھویں جماعت تک برمیز اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۲ء کے دوران گھریلو کام کاج میں مصروف ہوگئے تھے۔

۱۹۶۴ء میں جناب یونس احمد صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہوکے قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، اس تنظیم سے آپ کی وابستگی کی بات مشہور ہوگئی تو آپ روپوش ہوگئے تھے، پھر وطن کی زمین آپ کے لئے بالکل تنگ کردی گئی تو آپ نے ۱۹۶۹ء میں ترک وطن کیا اور مشرقی پاکستان میں پناہ لی۔ ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیس ہوئی تو جناب یونس احمد صاحب نے اس میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، اور بڑی بڑی قومی خدمات انجام دی تھیں، پھر ۱۹۷۵ء میں آپ کو اس تنظیم کے نمایاں لوگوں میں دیکھا گیا تھا۔

جناب یونس احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے بہت ہی قریبی ساتھی اور نہایت خیر اندیش مشیر تھے، محمد جعفر حبیب کو آپ پر بہت ہی اعتماد تھا، آپ ایک نڈر، بہادر، دل کے سچے اور وفادار ہونے کے ساتھ بطور خاص قائد حبیب کے حقیقی معنی کے جان نثار تھے، دوست تو خیر دوست بلکہ بعض دشمن نے بھی بعد میں آپ کو صدق وصفا کے مالک انسان ہونے اعتراف کیا تھا، محمد جعفر حبیب کے انتقال کے بعد آپ روہنگیا فدائین محاذ کے ممبر بنے رہے اور محاذ کے نام کو عرصۂ دراز تک اپنے سینے سے تھامے رکھا تھا۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تاسیس کے دوران جناب یونس احمد صاحب نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر رہے، اسی حالت میں آپ نے ۲۰۰۳ء میں انتقال کیا اور خاک نائکان سری میں مدفون ہیں۔

آپ کو میں نے عرصۂ دراز تک بہت ہی قریب سے دیکھتا رہا تھا، جہاں تک اندازہ کیا کہ آپ قوم کے بڑے مخلص اور خیر خواہ انسان تھے، حق تو یہ ہے کہ آپ جیسے حق گو اور زبان کے سچے میں نے اپنی زندگی میں بہت ہی کم دیکھا، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے۔

ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی مرحوم:

ماسٹر دلیل احمد صاحب بوسیدنگ کی مردم خیز بستی رنگیا دنگ میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد نہایت دین دار اور عالم دوست ہونے کے علاوہ بڑے متمول اور سخاوت پسند بزرگ تھے۔

ماسٹر صاحب نے دینیات کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں پائی، ساتھ ہی ساتھ بستی کے سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کر کے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے ۱۹۴۹ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔

دلیل احمد صاحب عنفوان شباب سے ایک سیاسی اور انقلابی ذہنیت رکھنے والے تھے، ۱۹۵۰ء کے دوران انہوں نے محمد جعفر حسین قوال اور جہاد کونسل کا بھرپور تعاون کیا تھا، دامے درمے قدمے سخنے ہر اعتبار سے مجاہدین اسلام کی مدد کی اور کبھی اور کسی بھی حالت میں اس تحریک کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

۱۹۶۴ء میں جب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا قیام ہوا تو وہ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے اور تحریک کے پروگراموں میں جم کر حصہ لیتے رہے تھے، بات مشہور ہوگئی تو انہوں نے ۱۹۶۸ء میں ترک طن کیا اور نائکان سری کے مقام میں مقیم ہوگئے تھے، یہیں انہوں نے انتقال کیا اور یہیں ان کا آخری آرام گاہ ہے۔

ماسٹر دلیل احمد صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے ممبر رہے، پھر ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیسی ارکین میں بھی شامل تھے، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں ان کو روہنگیا فدائین محاذ کا رکن عاملہ چنا گیا، جس میں انہوں نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ صرف کیا تھا۔

۱۹۸۶ء کا زمانہ روہنگیا فدائین محاذ کی تاریخ کے حوالے سے یہ ایک دل شکن زمانہ تھا، جس میں ہمارے انقلاب کے ماحول میں بھگدڑ کا سماں چھایا ہوا تھا، تناؤ اور رسہ کشی خاصی عروج پر تھی، ایک طرف ادھر محمد جعفر حبیب کے حامی اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طریقے سے شبیر حسین صاحب اور ان کے ہم خیالوں کو زیر کر کے محمد جعفر حبیب کو دوبارہ عہدۂ صدارت پر لایا جا سکے، تو ادھر دوسری طرف جناب شبیر حسین صاحب اور ان کے حامی بھی اس موقع کی تلاش میں تھے کہ محمد جعفر حبیب کے پاس روہنگیا فدائین محاذ کے جتنے بھی ہتھیار تھے ان کی بازیابی کی جا سکے۔

غالباً آگست ۱۹۸۶ء کے اواخر میں مسٹر شبیر حسین صاحب کے حامیوں کے ایک مسلح گروپ نے محمد جعفر حبیب کے گھر پر داوا بول دیا تھا، جس کی سرپرستی جناب حبیب الرحمٰن صاحب اور قیادت کمانڈر عبدالرحمٰن خائندہ فاروی اور کمانڈر محمد امین کینسوی نے کی تھی، اس حوالے سے خود اس حملے میں شریک ایک مجاہد کمانڈر کا بیان ہے کہ:

''ہم جناب حبیب الرحمٰن صاحب کی زیر سرپرستی اور عبدالرحمٰن ومحمد امین کی قیادت میں مجاہدین کا ایک دستہ کے ساتھ نائکان سری آئے، رات کی گپ اندھیری تھی، دراں حالیکہ نائکان سری میں الکشن کا دور چل رہا تھا، ہمیں اس بات کا پورا پورا علم تھا کہ محمد جعفر حبیب صاحب کے گھر میں چند ہتھیار مدفون ہیں، اور اس بات کی بھی پوری اطلاع تھی کہ ان ہتھیاروں کا علم ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی (محمد جعفر حبیب کے ساتھی اور راز دان) کو ہے، ہم ابھی ماسٹر دلیل احمد کو ڈھونڈتے ہوئے ایک انتخابی جلسہ میں پہنچے تو جلسہ والے خائف ہوگئے، یہ حالت دیکھ کر ہم نے ان کو اپنا چہرے دکھائے تو وہ مطمئن ہوگئے کہ یہ تو روہنگیا مجاہدین ہیں۔ اب ہم نے ماسٹر صاحب کو بلایا تو محمد جلال گرجنوی (یہ مجاہدین کا دیرینہ حامی اور مددگار ایک بنگلا دیشی تھا، جس نے اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں) بیچ میں کھڑے ہوکے کہنے لگے کہ آپ لوگ دلیل احمد صاحب نہیں لے جاسکتے، اب ہم نے ان کو بھی یقین دلایا کہ ان کو کچھ بھی نہیں کیا جائے گا تو وہ بھی مطمئن ہوگیا، پھر ہم نے ماسٹر صاحب کو لے کر محمد جعفر حبیب کے گھر آئے، اور ان سے پوچھا کہ ہتھیار کہاں ہیں؟ انہوں نے پہلے پہلے اپنی لاعلمی اظہار تو کیا لیکن عبدالرحمٰن صاحب کے دھمکانے پر پتہ بتا دیا، یوں ہم سارے ہتھیار حاصل کر کے معسکر آگئے تھے''۔

ماسٹر دلیل احمد صاحب بڑے ذی شعور، حاضر دماغ اور دور اندیش سیاسی اور انقلابی تھے، محمد جعفر حبیب کے قریبی دوستوں میں ان کا شمار تھا، نہایت مخلص اور وفا شناس انسان تھے، جب تک محمد جعفر حبیب زندہ تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

محمد اشرف عالم صاحب کلیجہ بانگاوی مرحوم:

محمد اشرف عالم صاحب کی پیدائش ۱۹۴۸ء میں مشرقی منگڈو کی بستی خلیہ باں (کلیجہ بانگا) میں ہوئی، آپ ایک متمول گھرانے کے فرزند ارجمند تھے، آپ کے والد بھی اسی بستی میں پیدا ہوئے، جنھوں نے رنگون کی دانش گاہ ''زینت الاسلام ہائی اسکول'' میں تعلیم حاصل کی تھی۔

اشرف عالم صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، آپ نے منگڈو ہائی اسکول سے مٹرک کا امتحان پاس کر کے رنگون یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔

رنگون میں دوران تعلیم اشرف عالم صاحب مختلف طلبہ تنظیموں سے منسلک رہے، جن میں روہنگیا اسٹوڈنٹ یونین (RSU) سرفہرست ہے، ان تنظیموں کے زیر سائے آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں، اس ضمن میں ایک ناقابل فراموش بات یہ ہے کہ جو پیسے آپ کے والد صاحب آپ کے خرچے کے لئے بھیجتے تھے ان میں سے کچھ بچا کر آپ دوسرے ضرورت مند طلباء کی خدمت میں لگایا کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ رنگون میں مقیم روہنگیا برادری کے متمول حضرات کے پاس جاتے اور ان سے چندے وصول کر کے ان کو نادار روہنگیا طلباء پر خرچ کیا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ رنگون یونیورسیٹی میں دوران تعلیم اشرف عالم صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا رکن بن چکے تھے، اور بڑی رازداری سے اس کے پروگراموں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اشرف عالم صاحب وطن آئے اور حالات کی نزاکت دیکھ کر آپ نے زیر زمین جاکر کام کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، یوں ۱۹۷۵ء میں سرحد چلے آئے اور روہنگیا فدائین (RPF) میں شامل ہوگئے تھے، آپ نے جہادی تربیت ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئمالوی سے حاصل کی تھی۔

۱۹۷۸ء میں روہنگیا فدائین محاذ میں انتشار پھیلا تو اشرف عالم صاحب چاٹگام میں مقیم ہوگئے، یہاں آپ نے نجی تجارت شروع کی، تجارت کے حوالے سے آپ کو شاید زیادہ کامیاب کہا جاسکتا ہو لیکن بالکل ناکام بھی نہیں کہا سکتا تھا۔

اشرف عالم صاحب ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کے دور اول کے ممبروں میں سے ایک تھے، روہنگیا قوم کی نشر واشاعت کے حوالے سے آپ کی گرانقدر خدمات ہیں، نہ صرف ارکان ہسٹریکل سوسائٹی بلکہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) پھر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) غرض جن جن تنظیموں سے آپ کی وابستگی رہی تھی ان میں آپ کی گراں مایہ خدمات تھیں، آپ کی یہ خدمات روہنگیا قومی تاریخ کبھی بھی بھلا نہیں سکتی، میرے علم و آگہی کے مطابق ارکان اور روہنگیا کے حوالے سے جتنی بھی گراں قدر تصانیف ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوئیں، ان میں آپ کے ناقابل فراموش حصے ہیں، جن میں میری تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' بھی شامل ہے، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی کے بعد اشرف عالم صاحب ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے رکن رہے تھے، اس کے بعد روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کے ممبر رہے تھے، اس کے بعد ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کا قیام ہوا تو اس کی مجلس شوری اور عاملہ میں رہ کر آپ نے بڑی تندہی سے کام کیا تھا۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل کے دوران اشرف عالم صاحب نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کے رکن رہے، بعد میں مجلس عاملہ کا رکن بھی منتخب ہوئے، پھر اگلے دو سال کے بعد مجلس عاملہ کی دوبارہ تشکیل ہوئی تو آپ نائب صدر بنے (یاد رہے کہ اس مجلس عاملہ میں راقم بھی عاملہ ممبر اور مرکزی سکریٹری برائے امور تنظیم تھا)۔

اشرف عالم صاحب بڑے خوش اخلاق اور خوش مزاج اور کام سے لگن رکھنے والے بڑے سچے انسان تھے، سستی اور غفلت آپ کو چھو کر بھی نہیں گذری، قومی نشر واشاعت کے حوالے سے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ نے ۲۰۲۱ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، اور خاک چاٹگام میں مدفون ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الحاج محمد اقبال صاحب باغونوی،، منگڈوی:

الحاج محمد اقبال بن محمد اسحاق صاحب ۱۹۵۰ء میں جنوبی منگڈو کی معروف بستی باغونہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محمد اسحاق صاحب درزی ایک دین دار، خداترس اور ہر دل عزیز بزرگ تھے۔

اقبال صاحب نے اپنی بستی کے مکتب میں ناظرۂ قرآن کریم کے علاوہ دینیات کی کچھ بنیادی تعلیم پائی، پھر بستی کے سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت کی تعلیم پا کر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے ہائی اسکول فائنل (آج کل کی دسویں جماعت) کا امتحان پاس کیا تھا۔

منگڈو کے دوران تعلیم آپ نے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہے، کہتے ہیں کہ آپ مذکورہ تنظیم کے زیر سائے کام کرنے والی طلبہ تنظیم کے سرگرم کارکن تھے، آپ نے ۱۹۶۸ء کے دوران منگڈو ٹاؤن شپ کے مسلم طلبہ کو طلبہ تنظیم میں جمع کرنا شروع کیا تھا۔

۱۹۷۲ء میں روہنگیا یوتھ فرنٹ (RYF) کے مرکزی لیڈروں میں آپ بھی تھے، جس کے زیر سائے آپ نے مختلف قومی خدمات بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں اور روہنگیا نوجوانان اور جوانوں کے اندر آپ نے قومی وملی شعور واحساس کو جگایا تھا، سوئے ہوؤں کو بیدار کیا اور بیدار ہونے والوں کو منزل کی راہ دکھائی تھی۔

۱۹۷۵ء میں ارکان بنگلا دیش کے سرحدی علاقے میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی از سر نو تجدید ہوئی تو آپ نے بشمول اپنے ساتھیوں کے اس میں شامل ہو کر عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد جہادی فریضہ انجام دینا شروع کر دیا تھا، یہاں آپ نے اپنوں کے مابین اخوت اور بھائی چارگی اور قومی و ملی فریضے ادا کرنے کی راہ پر قربانیاں دینے کے جذبے کو فروغ دیا تھا، جس کی وجہ سے نہ صرف روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بلکہ بہت سے ممبروں کا کافی فائدہ بھی ہوا تھا، ماشاء اللہ آپ کافی ذہین اور فکر رسا کے مالک انسان ہیں، ملت وقوم کی راہ پر خود بھی قربان گئے اور دوسروں کو بھی قربانی اور جانفشانی کی طرف بلایا تھا، آپ دل دینے اور دل لینے کے حوالے سے کافی مہارت رکھنے والا انسان ہیں۔

۱۹۸۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ میں اختلافات رونما ہوئے تو آپ دل برداشتہ ہو گئے تھے، بالآخر آپ نے اپنے ذاتی معاشی بحران کو کچھ سہارا دینے کے لئے سعودی عرب کی راہ لی، لیکن وہاں بھی

آپ کوملت وقوم کی فکر نے چین سے رہنے نہیں دیا تھا، اور معاشی کام کو چھوڑ کر وہاں بھی قومی وملی راہوں پر دوڑتے رہے تھے۔

۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) بنی تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے تھے، اور ۱۹۸۵ء میں اس تنظیم کی چاہت پر بنگلا دیش واپس آئے، اور اس تنظیم کے سرگرم میدانی رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

۱۹۸۶ء کے دوران مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلوی ارایس او کے امیر تھے، اقبال صاحب اور آپ کے بعض ہم خیالوں نے امیر صاحب اور مجلس عاملہ کے بعض امور سے اختلاف کیا، اور آگے چل کر اس اختلاف نے باہمی رسہ کشی کی شکل اختیار کرلی تھی، آخر کار بات کسی بھی طرح نہیں بنی تو آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔

۱۹۸۸ء کے دوران مولانا محمد حنیف راغبؔ صاحب فرندنگی کی قیادت والی تنظیم ''اتحاد المجاہدین ارکان'' سامنے آئی تو آپ اس میں شامل ہوگئے تھے، یہاں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا، اس دوران آپ کو جناب نورالاسلام صاحب کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔

اتحاد المجاہدین کی ناکامی اور مکمل تباہی کے بعد آپ نے ۱۹۹۰ء میں ارکان مجاہدین فرنٹ (AMF) نامی ایک تنظیم کی بنیاد رکھی تھی، جس میں آپ کے چھوٹے بھائی محمد ایوب صاحب جنرل سکریٹری رہے تھے، اقبال صاحب نے اس کے صدر کی حیثیت سے پاکستان کا دورہ بھی کیا تھا، لیکن بعد میں اس تنظیم کو بھی بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

۱۹۹۷ء میں اقبال صاحب روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ڈاکٹر محمد یونس گروپ میں دوبارہ شامل ہوگئے تھے، جہاں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا، اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ارایس او کی جانب سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے لئے راہ ہموار کی تھی، جس کی وجہ سے مؤخر الذکر تاریخی تنظیم کا قیام عمل میں آیا تھا۔

آخر کار ۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) بہتوں کی بہت ساری کوششوں کے نتیجے میں اعلان ہوگیا تو آپ اس کے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر کے علاوہ

انتخابات کے نتیجے میں ہونے والی مجلس عاملہ کے رکن بھی ہوئے تھے۔

مؤخر الذکر تنظیم میں بعد میں اختلافات رونما ہوئے تو آپ اس کے صدر مسٹر نورالاسلام صاحب کے حامی رہے، آپ نے اپنوں کے مابین ہونے والے اختلافات کو مٹانے کی راہ پر بے حد کوششیں کیں، مجاہدین کو متحدہ پلیٹ فارم پر لانے کے لئے صدر محترم نورالاسلام صاحب اور راقم سطور کے ساتھ روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) والے معسکر کا خطرناک دورہ کیا تھا، اس حوالے سے یاد رہے کہ اس وقت صدر صاحب کے ہم خیال ہونے کی وجہ سے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا رہا تھا کہ خدا نہ کرے کہ ہم تینوں کی شہادت بھی ہوسکتی تھی، ہمارے ساتھ اقبال صاحب کی اس جانبازی اور جان سپاری کو کبھی بھی بھلایا نہیں جاسکتا، لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا کہ بڑی کوشش اور جدوجہد کے باوجود ان بگڑے ہوئے مجاہدین کو اپنایا نہیں جاسکا، اور ہم تینوں کو اس دنگل سے افسوس کے ساتھ واپس آنا پڑا تھا۔

بہرحال ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) سے بگڑے ہوؤں کو اپنانے اور قوم کی امیدوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی راہ میں اقبال صاحب کی اس وقت کی کوششیں یاد رکھی جانے کی قابل ہیں، اس وقت قیادات کے مابین پائے جانے والے اختلافات اور مجاہدین کے درمیان ہونے والے افتراق کو مٹانے کے لئے اقبال صاحب نے بڑی قابل تعریف جدوجہد کی، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

۲۰۰۱ء کے بعد اقبال صاحب بڑے شکستہ خاطر ہوچکے تھے، حتی کہ عرصۂ دراز تک گم نامی کی زندگی اختیار کرتے ہوئے ڈھاکہ جاچھپے تھے، اس کے بعد راقم سطور نے بھی ۲۰۰۳ء میں سعودی عرب کی راہ لی تھی، پھر بعد میں یہ بات سننے میں آئی کہ اقبال صاحب ولایات متحدہ امریکہ چلے گئے ہیں۔

۲۰۱۱ء کے بعد یہ بات سننے میں آئی تھی کہ اقبال صاحب امریکہ میں پھر دوبارہ سرگرم عمل ہوچکے ہیں اور ڈاکٹر وقارالدین (ڈائرکٹر جنرل آف ارکان روہنگیا یونین) سے مل کر قومی کام کررہے ہیں۔ غالبا ۲۰۱۴ء میں ہو کہ راقم کے ساتھ اقبال صاحب کے چند مرتبہ ٹیلفونک رابطے ہوئے تھے، آپ نے تمنا ظاہر کی تھی کہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی نیت سے سعودی عرب آئیں گے، لیکن بعد میں یہ بھی نہیں ہوسکا تھا، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی تمنا پوری کرے، آمین۔

محترم اقبال صاحب مولانا حسین احمد صاحب کے قریبی ساتھیوں اور کسی قدر دوستوں میں شمار تھے، ۱۹۸۵ء کے بعد دونوں کے مابین بہت قریبی تعلقات ہو چکے تھے، یہ دوستی ۲۰۰۳ء تک بدستور بحال رہی تھی، اس کے بعد مولانا سعودی عرب کے اور اقبال صاحب امریکہ کے ہو گئے، اور جہاں تک میں جانتا ہوں کہ آج کل ان دونوں کے مابین رابطہ بھی نہیں ہے۔

محترم اقبال صاحب کے متعلق مولانا حسین احمد صاحب کی یہ ایک رائے بھی ہے کہ آپ قوم وملت کی خاطر اتنے فدا نہیں ہیں کہ جتنے بظاہر نظر آتے ہیں، مولانا کی نظر میں آپ کی وفاداری بقدر استواری تک محدود ہے۔ تاہم یہ مولانا کی رائے ہے، لیکن میری نظر میں اقبال صاحب کی قوم وملت کی خاطر قربانی اور جانفشانی کبھی بھی بھلائی جانے کی قابل نہیں ہے، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے۔ آمین یارب العالمین۔

قائد کے چند نمایاں رفقاء:

محمد جعفر حبیب کے دیگر کے رفقائے کار کی فہرست بڑی طویل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ **<u>کمانڈر عبدالرحمٰن خائندہ فاروی:</u>** عبدالرحمٰن صاحب کی پیدائش مشرقی منگڈو کی بستی خائندہ فارہ منگڈو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی بستی اور بعد میں ثانویہ تک کی تعلیم منگڈو ہائی اسکول میں پائی، غالباً مٹرک کے سال انہوں نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شمولیت اختیار کی، ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک اس تنظیم سے وابستہ رہے، فدائین محاذ کے معسکر کے علاوہ لیبیا میں عسکری تربیت پائی، کرنل عبدالسلام جلودان کو بہت پسند کرتے تھے، تربیت کے دوران لیبیا میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا، روہنگیا فدائین محاذ میں اعلی کمانڈر رہے، حتی کہ ایک زمانے میں ان کو جنرل عبدالرحمٰن بھی کہا گیا تھا۔

عبدالرحمٰن صاحب ۱۹۸۶ء میں جناب شبیر حسین کے ساتھ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں شامل ہوئے تھے، مؤخر الذکر اسی تنظیم سے شبیر حسین صاحب کو عہدۂ صدارت سے ہٹائے جانے کے دوران انہوں نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کی، بعد میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کے ممبر بنے، پھر ۲۰۰۰ء کے دوران ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں شامل ہوئے تھے، یہاں مجلس شوری کے ممبر رہے، چند سال اس تنظیم کے زیر سائے قوم وملت کی خدمات کیں، بعد میں سعودی عرب چلے گئے، آج کل جدہ میں مقیم ہیں، اللہ تعالی حیات دراز کرے، آمین۔

۲۔ **<u>کمانڈر محمد امین صاحب کینسوی:</u>** محمد امین صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی کینسی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری اسکول میں پاکرتنگ بازار ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے مٹرک تک کی تعلیم پائی تھی۔

محمد امین صاحب ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوئے، جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی سے محاذ کے معسکر میں عسکری تربیت پاکر لیبیا گئے اور وہاں سے اعلی درجہ کی عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

محمد امین صاحب ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ میں اعلی درجہ کے کمانڈر رہے تھے، اس کے بعد ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں شامل ہوئے، جناب شبیر حسین

صاحب کو عہدۂ صدارت سے ہٹائے جانے کے بعد اس تنظیم سے علیحدہ ہوگئے تھے۔

اس کے بعد محمد امین صاحب ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) میں شامل ہوگئے، یہاں عاملہ کے ممبر بنے، ساتھ ہی ساتھ الحاج محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی کے دست راست بھی رہے، آج کل محمد ابوالکلام صاحب کی کمپنی کے افسر اور چاٹگام میں مقیم ہیں۔

۳۔ **کمانڈر محمد ناصر صاحب کیوکتوی**: محمد ناصر صاحب کی پیدائش کیوکتو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں پاکر وہاں کے ہائی اسکول سے مٹرک کا امتحان دیا، بعد میں ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوگئے تھے، جناب شبیر حسین صاحب کے علاوہ لیبیا سے عسکری تربیت حاصل کی تھی، پھر ۱۹۸۶ء کے دوران ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں شامل ہوگئے تھے، لیکن جناب شبیر حسین صاحب کی معزولی کے بعد اس تنظیم سے علیحدہ ہوگئے تھے، اس کے بعد چند سال چاٹگام میں رہ کر ملائشیا پہنچے، آج کل وہاں مقیم ہیں، اللہ تعالی حفاظت فرمائے، آمین۔

۴۔ **کمانڈر محمد سلیم شجاع فاروی**: جناب محمد سلیم صاحب شمالی منگڈو کی معروف بستی شجاع فارہ میں پیدا ہوئے، آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری اسکول سے ابتدائی تعلیم پاکر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے مٹرک تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔

محمد سلیم صاحب ۱۹۷۶ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوئے، جناب شبیر حسین صاحب کے بعد لیبیا سے عسکری تربیت حاصل کی تھی، ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ میں رہے تھے، اس تنظیم میں شمولیت کے وقت اگرچہ ان کی عمر کم تھی لیکن عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی صلاحیت بھی بڑھتی چلی گئی تھی، جس کی وجہ سے یہاں کے اعلی کمانڈر بنے تھے، پھر ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں شامل ہوگئے تھے، عرصۂ دراز تک یہاں بھی اعلی درجہ کے کمانڈر پھر کمانڈر انچیف رہے تھے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہوئی تو جناب محمد سلیم صاحب ایک طرف مجلس عاملہ کے ممبر تو دوسری طرف اس تنظیم کے عسکری شاخ (RNA) کے کمانڈر انچیف بھی رہے تھے، ۲۰۰۲ء کے اواخر میں ان کو حکومت بنگلا دیش نے حراست میں لیا تھا، ویسے

قوم کی خاطر چند سال قید و بند کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، لیکن بعد میں باعزت رہا ہوگئے تھے، پھر چند سال پہلے انہوں نے ایک علیحدہ تنظیم بنام ارکان روہنگیا یونین (RNU) کا اعلان کیا، آج کل اس تنظیم کے صدر اور چاٹگام میں مقیم ہیں، اللہ تعالی کام کی توفیق عنایت کرے، آمین۔

نواں باب

رسالہ روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار اور مطالبات:

۱۹۷۶ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے صدر محمد جعفر حبیب کے زیر اشراف رسالہ روہنگیا مسلمانوں کے چیخ و پکار اور مطالبات (ROHINGYA OUTCRY AND DEMAND) لکھا گیا، اور اسے طبع کر کے وسیع پیمانے پر شائع بھی کیا گیا تھا، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس رسالہ کو راقم سطور نے اردو میں ترجمہ کیا ہے، راقم نے اس رسالہ کا ایک پیش لفظ بھی لکھا ہے، جس میں سے چند اقتباس حاضر خدمت ہیں کہ:

''بہر حال محمد جعفر حبیب کی قیادت میں ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی سرگرمی کا آغاز ہوا، ۱۹۷۵ء اور اس کے بعد اس تنظیم کی شہرت عروج پر پہنچی، اس کے دیگر خدمات اور کارناموں سے صرف نظر یہ سچ ہے کہ اس نے اپنے مقدور بھر مطبوعات کے ذریعے روہنگیا مسلمانوں پر عرصۂ دراز سے ہونے والے مظالم کی داستانوں کو بیان کرنے اور اس کی درد بھری آواز کو اقوام عالم، اقوام متحدہ (UNO) تک عموماً اور عالم اسلام تک خصوصاً پہنچانے کی مقدور بھر کوشش کی، جس کے خاصے فوائد بھی ہوئے تھے۔

تو زیر نظر کتابچہ ''روہنگیا مسلمانوں کی چیخ و پکار اور مطالبات'' جو ۱۹۷۶ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی طرف سے انگریزی میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا، بڑی مقبول ہو کر ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا''

اور پھر

''۱۹۸۵ء کا زمانہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا، کہ ایک دن محمد جعفر حبیب نے ایک مجلس میں اپنی اس آرزو کا اظہار کیا کہ کاش یہ کتاب دوسری زبانوں کے علی الرغم اردو میں ترجمہ ہو سکے تو کیا ہی اچھا ہوتا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے دو سال بعد محمد جعفر حبیب نے اس جہان فانی کو الوداع کہہ دیا، یوں آپ کی دوسری آرزو کے ساتھ یہ آرزو بھی آپ کی زندگی میں پوری نہیں ہو سکی تھی۔

پھر اتفاق سے اس واقعہ کے چند سال بعد غالباً ۱۹۹۵ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے اور ایک قائد اور بعد میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے مؤسس صدر جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی (متوفی ۱۹۹۷ء) نے بھی اپنی ایک خاص مجلس میں وہی آرزو ظاہر کی جو ان سے پہلے محمد جعفر حبیب نے ظاہر کی تھی، تو میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایک قومی خدمت کے بطور میں ان دونوں خادموں اور دل جلے لیڈروں کی اگر چہ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد ہی سہی تمنائیں پوری کر دوں، یوں اللہ تعالی کے فضل و کرم اور خاص عنایات کی امید پر بعض احباب جن میں ممتاز جمیل بن ماسٹر ابو جمیل صاحب خیر فاروی/ وکیل فاروی نا قابل فراموش ہیں کے تعاون سے سن ۲۰۰۰ء کے کسی مہینے میں میں نے ترجمہ کا آغاز کیا، یوں میری دیگر مصروفیات کے درمیان چند مہینوں کے اندر ترجمہ مکمل ہو چکا، لیکن ایک طرف میرے دیگر مصروفیات اور طول طویل اسفار کی وجہ سے نہ اس کی نظر ثانی ممکن ہو سکی اور نہ یہ زیور طباعت سے آراستہ ہو سکا''۔

اب زیور طباعت کی بات تو خدا ہی جانے، تاہم اس کی ذات اقدس سے امید ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میری دیگر مؤلفات کی طرح اس کی طباعت کا کوئی سامان پیدا کر دے گا، لیکن یاد رہے کہ یہ اور اس جیسے امور کے حوالے سے روہنگیا قوم کا جہاں تک سوال ہے کہ میں نے اس قوم کے اصحاب ثروت و دولت میں آج تک ایک ایسا انسان نہیں پایا جو اس قوم کے حوالے سے لکھنے والے مصنفین اور قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہو، میں نے بذات خود اس حوالے سے دردر کی ٹھوکریں بہت کھائیں، بس زبانی جمع

وخرچ والے بہت ملتے ہیں لیکن کام کا جبھی وقت آتا تو خبر نہ دارد۔

دراصل یہ کتاب ''روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار اور مطالبات'' روہنگیا قوم کی تاریخ کے حوالے سے ایک گراں قدر سرمایہ ہے، جو اپنے جلو میں خاصی مفید معلومات اور بڑی قیمتی دستاویزات رکھتی ہے، مجموعی طور پر اس کے سارے بیانات دل کو چھونے والے ہیں، تاہم میرے نظر میں اس میں کچھ تالیفی، ترتیبی، کتابتی اور طباعتی خرابیوں کے ساتھ کچھ فنی فروگزاشتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں :

۱۔ اصل کتاب تو انگریزی میں ہے، اس کے بعض پیراگراف کے مابین بحث کے حوالے سے ترتیب کے فقدان کے ساتھ سلسلۂ کلام میں عدم تسلسل پایا جاتا ہے۔

۲۔ بعض فقروں اور جملوں کے درمیان خلط مباحث پایا جاتا ہے۔

۳۔ بعض جملوں اور فقروں کی تکرار پائی جاتی ہے، یہ شاید اس لئے بھی ہو کہ ''نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کم یابی'' کی بنیاد پر ان جملوں اور فقروں کو بار بار دہرایا گیا ہو۔

۴۔ ترتیب میں جدت کے فقدان کے ساتھ جدید تالیفی/تصنیفی تجربات کی کمی محسوس کی گئی ہے۔

۵۔ اس کتاب میں چند بڑے عناوین تو ہیں، لیکن بعض ضروری دیگر عناوین کے ساتھ لازمی ذیلی عناوین کی خاصی کمی ہے۔

۶۔ اس کتاب میں چند ایسے جملے اور فقرے ہیں، جن کے مفہوم غیر واضح ہیں، جن کی وجہ سے اور تو اور ترجمہ کرنے میں بڑی دقت محسوس ہوئی ہے۔

۷۔ اس کتاب میں غیر ضروری جملوں اور فقروں کی بھرمار ہیں۔

۸۔ بعض ضروری حوالہ جات کی عدم موجودگی ظاہر ہے۔

مذکورہ فروگزاشتوں کی پیش نظر ترجمہ میں کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کی اصلیت میں کوئی خلل پڑے بغیر قدرے ہی سہی ان کی اصلاح ہو جائے، جس میں کتنی کامیابی ہوئی وہ اسے انشاء اللہ تعالیٰ پڑھنے والے ہی فیصلہ کرسکیں گے۔

بہرحال یہ کتاب محمد جعفر حبیب کی زیر سرپرستی ایک بورڈ نے لکھی تھی، جس میں اڈووکیٹ شمش الدین، جناب نور الاسلام، جناب حبیب الرحمٰن وغیرہ شامل تھے، چوں کہ ایک طرف یہ کتاب روہنگیا

فدائین محاذ (RPF) کی طرف سے آفیشل مطبوعہ ہے تو دوسری طرف اس میں بحیثیت ایک تنظیم کے صدر کے محمد جعفر حبیب کے افکار و نظریات اور خیالات کا نچوڑ بھی آ گیا ہے، اس لئے ہم ذیل میں چند ذیلی عناوین کے تحت اس کے بعض اقتباس قارئین کرام کے سامنے حاضر کر رہے ہیں:

بعض مؤرخین پر شکایت:

ارکان اور یہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے لکھنے والے بعض مؤرخین سے شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''ارکان اور برما کے حوالے سے لکھنے والے بعض غیر مسلم مضمون نگاروں کی تحریریں اور ان کے بعض مضامین میں ہندومت، بودھ مت اور عیسائیت کے علاوہ یہاں کے بعض مسلمان شخصیتوں کے حالات اور تذکرے تو ملتے ہیں، لیکن ان کی تحریروں میں یہاں کے مسلمانوں کے حالات و کیفیات یا تو نہایت مختصر ہیں یا مسخ شدہ اور غلط بیانیوں پر مشتمل ہیں، باوجودیکہ ارکان کے باشندوں میں عرصۂ دراز تک مسلمانوں کی اکثریت تھی، اور ہمیں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور علم و تمدن کا ایک قیمتی حصہ ورثہ میں ملا ہے، لیکن ان مؤرخین نے نہ صرف اس کی طرف توجہ نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ لااعتنائی کا مظاہرہ بھی کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم شامل حال ہو تو ہمیں یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں کہ یہاں ہماری سطوت و طاقت دوبارہ بحال ہو جائے گی، اور ہم ان طاقتوں کے سہارے ظالموں کو محو حیرت میں ڈال دیں گے، اور یاد رہے کہ ہم نے سرزمین ارکان میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ بحیثیت اکثریت ۱۹۴۲ء تک پرسکون زندگی بسر کی تھی''۔

بزرگوں پر خراج تحسین:

روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار اور مطالبات میں ہمارے اسلاف اور بزرگوں کو گلدستۂ عقیدت اور

خراج تحسین پیش کیا گیا ہے، جو قابل دید ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''ہماری قومی روایات اور حالات، قدیم تاریخیں اور پرانی داستانیں اس بات کی شاہد ہیں کہ سرزمین ارکان میں مغربی اور ایشیائے وسطی سے بڑے بڑے اولیاء اور صوفیاء تبلیغ دین متین اور اشاعت دین حنیف کی نسبت سے تشریف لائے تھے، ان برگزیدہ ہستیوں کی بے مثال قربانیوں، کوششوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ تھا کہ عمان سے لے کر فلپائین اور چین تک تمام ساحلی علاقہ جات دین اسلام کی ضیا پاشی سے منور اور تاباں ہوئے، ہمارے اس دعوی کا جیتا جاگتا ثبوت دریائے کلا ڈان اور دریائے ناف کا درمیانی علاقہ (مایوفرنٹیر) میں کایا پری/خیرہ پری، حنیفا ٹنکی (مزار) امباری والے شاہ منعم بابا جی کے مزار پاک اور اکیاب کے پیر بدر شاہ (بدر عالم شاہ) کے آستانے بجا طور پر ملتا ہے''۔

محمد جعفر حبیب یوں بھی بزرگان دین متین اور کبار اولیاء کے چشم و چراغ تھے، آپ نے جبھی ہوش سنبھالا اپنے خاندان کے بزرگوں اور ان کے آثار دیکھے، چنانچہ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''تاریخی روایات سے پتہ ملتا ہے کہ روہانگ کے اس خطے میں صوفیاء اور درویشوں نے صدر اول میں اسلام کی اشاعت کی، ان کے بعد مسلم تاجروں نے اس میں معتد بہ حصہ لیا تھا، بہت سارے صوفیاء اور اولیائے کرام اور ان کے متبعین مختلف ادوار میں عہد قدیم سے مروجہ بحری راستے سے بنگال اور ارکان کے نام سے معروف ان علاقہ جات میں ایران اور دیگر ممالک اسلام سے یہاں آئے، اور یہاں کے مختلف شہروں اور دور دراز کی دیہاتوں میں پھیل گئے تھے، جنھوں نے اسلام کی تبلیغ کی، اور معرفت الہیہ کے دانے بوئے، یہاں کے عوام کی اصلاح کی، جہاں بھی گئے اپنے بلند اخلاقی نمونے پیش کرتے رہے، یہاں ایمانی قوتوں کا مظاہرہ کیا، عوم کی مادی و معنوی مشکلات حل کرتے رہے، عوام کے سامنے نہایت شفقت و پیار سے پیش آتے رہے، ان کی اسلام کے ادبی، ثقافتی اور تہذیبی کارناموں سے مدد فرماتے رہے تھے''۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

''صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام تجار اس علاقے کے عوام کو اور ساتھ ہی ساتھ طالبین حق کو اسلام کی من موہنی باتیں سناتے تھے، چوں کہ یہاں کے عوام زمانوں سے ظلم وستم اور جور و جبر کے شکار تھے، اور راہ حق سے نا آشنا تھے، ویسے ان بزرگوں کے اقوال و اعمال اور اخلاق سے متأثر ہوکر یہاں کے ہندومت اور بودھ مذہب کے پیروکار اور دیگر عقائد کے لوگوں کی بڑی تعداد نے بڑی رغبت و محبت سے اسلام قبول کر لیا تھا''۔

برمی نسل پرستی پر کڑی تنقید:

برمی نسل پرستی، عدم رواداری اور نفرت وعداوت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''دنیا میں نسل پرستی اور نسلی برتری جیسے غلط تصورات کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن بن جاتا ہے، لوگ غلامی کی زنجیروں میں انسانوں کو جکڑنے کے در پے ہو جاتے ہیں، یوں ایک انسان دوسرے انسان کو ظلم کرنا شروع کر دیتا ہے، ایک انسان دوسرے انسان کے مال ومتاع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا در پے ہو جاتا ہے، اس ناروا اور باطل تصورات کی وجہ سے محبت، انسانیت، رواداری، بھائی چارگی اور عدل وانصاف کا خون ہوکر انسانوں کے دلوں میں کدورت ونفرت پیدا ہو جاتی ہے، اور ہر کجا نسل پرستی اور عصبیت کے بھوتوں کا راج ہو جاتا ہے، ویسے یہاں اس گندہ اور انسانیت دشمن اور نام نہاد اصولوں کے پیروکار برمی حکام بڑے ظالم بن چکے ہیں، باوجودیکہ وہ اپنے اصولوں کے نام پر بے اصولو لی کے نتائج دیکھ رہے ہیں، لیکن پھر بھی وہ اپنے ناپاک عزائم سے باز نہیں آتے، بلکہ وہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنانے میں ڈھٹے ہوئے ہیں''۔

اشتراکی نظام کی مخالفت:

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) وراس کے قائد محمد جعفر حبیب نے برمی اشتراکی نظام حکومت کی شدید مخالفت کی ہے، اس حوالے سے روہنگیا مسلمانوں کی چیخ وپکار میں لکھا گیا ہے کہ:

''برمی حکومت یہاں بزور طاقت وقوت اشتراکی نظام حکومت قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے، یوں اس نے برمی سوشل ازم کی راہ پر(BURMA WAY TO SOCIALASM) جیسی نام نہاد صدا بلند کر رکھی ہے، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی آواز ایک دھوکہ اور فریبی سازش پر مبنی آواز ہے، جو کبھی بھی مستمر اور پائدار نہیں ہو سکتی، دراصل برمی حکومت کا حالیہ معاشی نظام ایک مخلوط نظام ہے، جس میں مسلمان کبھی بھی حصہ نہیں لے سکتے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ برمی نظام ایک غیر فطری نظام ہے، ہم اس نظام کی خرابیوں سے اپنی قوم کے لوگوں کو متنبہ کرتے ہیں، اور لوگوں کو ہمارا یہ متنبہ کرنا اور اس نظام کے فساد سے روشناس کرانا کوئی سیاسی اور اخلاقی جرم نہیں ہے، اور نہ یہ کوئی آداب اخلاق وسیاست کے خلاف اقدام ہے، تاہم کبھی کبھار ہمارے ایسے اقدامات دشمنوں کی ناراضگی کا سبب بھی بن جاتے ہیں، جن پر ہمیں کوئی بھی افسوس نہیں ہے''۔

اور دوسری جگہ پر لکھتے ہیں کہ:

''ان برمیوں کی صدائے آزادی اور ''برمی طریق اشتراکیت (BURMA WAY TW SICIALASM) کی طرف'' کا اعلان ایک بے معنی کا اعلان ہے، ادھر ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ لادینی (سیکولر) اور اشتراکی واشتمالی ملکوں میں بھی اقلیتوں کی بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے، لیکن برما کا معاملہ ان سے بالکل مختلف ہے، اور ''برمی طریق اشتراکیت کی طرف'' کی صدا ایک بے معنی صدا نہیں تو اور کیا ہے؟ دراصل اشتراکیت کے لبادے میں یہاں نسل پرستی اور عصبیت کی سرگرمیاں ہی جاری ہیں''۔

روہنگیا زبان ورسم الخط:

محمد جعفر حبیب کی زیر سرپرستی لکھی جانے والی اس مذکورہ کتاب میں روہنگیا مسلمانوں کی زبان اور رسم الخط کے متعلق بڑی واضح اور تاریخی بات لکھی گئی ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ماضی میں روہنگیا مسلمانوں کی قومی زبان کو عربی رسم الخط میں لکھا جاتا رہا تھا۔

علاوہ ازیں سرزمین ارکان کے معروف باشندے ''مگھ'' قوم کی زبان بھی مخدوش تھی، اس کا کوئی بھی رسم الخط نہیں تھا، اور نہ اب بھی ہے، چنانچہ لکھا گیا ہے کہ:

''برمی تحریری رسم الخط سرزمین اسلام ارکان میں بڑی دیر سے پہنچی، جس کے عام رواج ہونے سے پہلے ایک زبان یہاں وجود میں آچکی تھی، اور ایک حد تک ترقی کر گئی تھی، جس کا نام ''روہنگیا'' پڑا تھا، بعد میں یہ زبان عربی اور بنگالی (صدیوں سے عربی میں لکھی جاتی رہی، لیکن بعد میں کچھ چیزیں بنگالی رسم الخط میں بھی لکھی جانے لگی تھی، جس طرح حضرت شاہ علاول اور دولت قاضی وغیرہ کی نظمیں شاہد عیاں ہیں) رسم الخطوط میں لکھی جانے لگی تھی، پھر مگدھ نامی مقام جو ہندوستان کے صوبۂ بہار میں واقع ہے سے معروف آریہ قوم کی ایک شاخ ارکان میں آگھسی (آج کل مصیبت یہی ہو چکی ہے کہ گھس بیٹھے یہاں آکر اصلی باشندوں کو گھس بیٹھے کہنے لگے ہیں) آج کے مگھ بودھ قوم اس کی نسل سے ہے، جنھوں نے برمی نسل کے اختلاط سے ایک قسم کی روہنگیا بولی کی بنیاد ڈالی، جو بعد میں ''مگھی'' (MAGHI) کے نام سے مشہور ہوئی، جو حقیقت میں ایک ہی زبان کے دو اصطلاحی نام ہیں، ارکان کی دونوں مقامی نسلیں روہنگیا اور مگھ آج تک اسی زبان میں بآسانی گفتگو کر سکتی ہیں، تاہم مگھی زبان میں کوئی تحریری مواد نہیں ملتے، یہ صرف ایک لہجہ یا بولی کی حیثیت سے رائج ہے، اور دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں بولیاں دو بہنیں ہیں، دونوں کی اصل ایک ہے، ویسے ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے''۔

اسی کتاب کی ایک دوسری جگہ پر درج ہے کہ:

''مگھی (MAGHI) ایک بولی ہے، لیکن یہ کوئی تحریری رسم الخط والی بولی نہیں ہے، اس کے برعکس روہنگیا زبان عربی یا بنگلہ رسم الخط میں لکھی جاتی رہی تھی، البتہ یہ دونوں بولیاں یہاں والوں کی عام زبان ہیں، ارکان کی تحریری زبانوں میں عربی، فارسی ، بنگالی اور برمی کے علاوہ اردو زبان بھی ہے، مگھوں نے عربی، فارسی اور بنگلہ زبان کا پڑھنا پڑھانا بہت زمانوں سے ترک کر دیا ہے، تاہم وہ لوگ مگھی ، روہنگیا اور برمی زبانیں بآسانی بول سکتے ہیں، علاوہ ازیں اردو اور بنگالی کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے سہارے بول لیتے ہیں، مگھوں کے برعکس روہنگیا قوم کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ برمی اور مگھی زبانوں کے علاوہ اردو زبان اگر شکستہ ہی سہی بڑی روانی سے بول لیتی ہے، اور روہنگیا مسلمانوں کی ایک قابل قدر تعداد عربی، فاسی اور اردو زبانوں کی تعلیم حاصل کرتی ہے، مؤخر الذکر زبانیں انہیں اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہیں، برطانوی دور حکومت میں بھی ان زبانوں کی تعلیم کا انتظام تھا''۔

روہنگیا قوم کا معتدلانہ رویہ:

مذکورہ اس کتاب میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ روہنگیا قوم ایک امن پسند اور معتدلانہ مزاج کی حامل قوم ہے، جو قدیم زمانے سے سرزمین ارکان میں رہائش پذیر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''ہر نقطۂ نظر سے ہمارا یہ دعوی مبنی برحق ہے کہ امن پسند روہنگیا ارکان (برما) کے حقیقی شہری ہیں، لیکن انہیں بدنام کرنے کی غرض سے بسا اوقات ان کو تخریبی سرگرمیوں کے کارندے یا فسادی عناصر کے نام سے یاد کرنے کرانے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں، ارکان کی روہنگیا قوم پر عرصۂ دراز سے نازی قسم کے حملے جاری ہیں، انہیں ہر طرح سے ڈرایا دھمکایا جاتا رہا ہے''۔

ارکان کا قدیم نام روہانگ ہے:

مذکورہ کتاب میں اس تاریخی حقیقت کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ سرزمین ارکان کا تاریخی نام روہانگ ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایک بدیہی تاریخی حقیقت ہے کہ ارکان کا قدیم اور تاریخی نام روہانگ تھا، جو انکار وتردید سے بالاتر ہے، عرب جغرافیہ دانوں کی تحریروں سے معلوم ہوا ہے کہ عرب اور ایرانی تجار مشرق کے بحری سفر میں ''اورناش'' (یہ روہانگ یا روشنگ ہے) میں اترے اور یہاں ٹھہرتے تھے، اس زمانے کی ایک معتبر شہادت ''آمنہ کی گریہ زاری'' نامی نظم ہے، یہ آمنہ دراصل مغل شہزادی شہزادہ شجاع کی بدنصیب بیٹی تھی، جس کی وفات/شہادت کی یاد میں سرزمین ارکان کے عظیم شاعر حضرت شاہ علاول کی نظم ہے، شاہ علاول روہنگیا صوفی شاعر تھے، مروکو شاہی دربار میں ان کی بڑی عزت ومنزلت تھی، جو کبھی شاہی گارڈ کے افسر اعلی بھی تھے، اس نظم میں شاعر نے حکومت روہانگ اور روہنگیا کا بار بار تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ''سیف الملوک بدیع الجمال'' اور ''سکندر نامہ'' دونوں شاہ علاول کی دو تاریخی نظمیں ہیں، جو ۱۶۶۹ء اور ۱۶۷۳ء کے درمیانی مدت میں لکھی گئی تھیں، جن میں بھی روہانگ اور روہنگیا کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے، ڈاکٹر ڈی سی شن کی دو نظمیں ''پری بانو کا حرمان'' (پری بانو شہزادہ شجاع کی اہلیہ تھی) اور ''شجاع کی بیٹی کی گریہ زاری'' بھی ہمارے اس دعوی کی تائید کرتی ہیں''

حضرت شاہ صوفی علاول رحمۃ اللہ علیہ ارکان کی قومی شاعر ہیں، جنھوں نے سرزمین ارکان میں اپنے زمانے میں بڑی بڑی قومی خدمات انجام دی تھیں، کسی زمانے میں ان کا یہاں بڑا اثر ورسوخ تھا، لیکن بعد میں انہوں نے بڑی بڑی پریشانیاں سہیں، حضرت شاعر کی جو نظمیں آج بنگلا رسم الخط میں ملتی ہیں وہ کبھی عربی رسم الخط میں بھی تھیں، شاعر کی سوانح حیات اور روشن سرگرمیوں پر میری ایک بڑی کاوش ہے، جو انشاء اللہ بڑی قریبی مدت میں شائع ہونے والی ہے۔

بہر حال روہنگیا فدائین محاذ کی مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''روہنگیا لوگ کہانی اور قدیم حکایات (بڑی تعداد میں) مخطوط شکل میں دستیاب ہو چکی ہیں، جن میں سے پتہ چلا کہ ۱۸۲۶ء تک ارکان کا یہ علاقہ ''روہانگ'' کے نام سے موسوم تھا، بعد میں لفظ روہانگ روکان یا ریکون میں تبدیل ہو گیا تھا، آج کل کا لفظ ''ریکائنگ'' انہیں الفاظ کا بگڑا ہوا تلفظ ہے، برمی تاریخ کے پانچویں دور میں یعنی ۱۷۸۴ء سے ۱۸۲۶ء تک کے درمیانی عرصے میں کسی وقت مگھوں نے یہ لفظ اپنی زبان میں لایا، لیکن برطانوی دور حکومت میں برطانوی حکام نے ارکان کا قدیمی عربی نام ''ارکان'' استعمال کیا ہے، جو آج بھی رائج ہے''۔

محمد جعفر حبیب کے سیاسی نظریات وافکار:

محمد جعفر حبیب کے خاندان کو جاننے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ کا خاندان بنیادی طور پر ایک دینی اور روحانی خاندان ہے، دین اسلام اس خاندان کی نس نس میں سمایا ہوا ہے، اس خاندان میں بہت بڑے بڑے اولیائے کرام روحانی پیشوایان، دعاۃ ومرشدین، علماء وصلحاء اور خدامانِ قوم و ملت گزرے ہیں، جن کے دینی اور روحانی اثرات اس خاندان کے تقریباً ہر افراد کی زندگی پر پڑے ہوئے تھے اور ہیں۔

تو محمد جعفر حبیب بھی ایک ایسا انسان تھے کہ جس کی نجی اور طویل سیاسی وانقلابی زندگی میں بنیادی طور پر اپنے خاندان کے بزرگوں کے اثرات پڑے ہوئے دیکھے گئے تھے، لوگ آپ کو جو بھی کہیں کہہ سکتے ہیں، آپ کے متعلق جو کچھ بھی سوچیں سوچنے کے بجا طور پر حق دار ہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ آپ ایک روحانیت کے چھاپ اور دینی رجحانات رکھنے والے خاندان کا فرد تھے، آپ نے آنکھیں کھولیں تو خاندان اور گھرانے میں ہر کجا دین داروں یا دینی رجحان رکھنے والوں کو دیکھا تھا، اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کا لڑکپن اور نشوونما اہالیاں قرآن وسنت کے مابین ہوا تھا، جس سے یہی نتیجہ نکالنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ آپ کی زندگی کی ابتدا ہی قرآن وسنت کے سائے میں

ہوئی، جس کا اثر میرے علم ومطالعہ کے مطابق آپ کی حیات مستعار کے آخری دم تک رہا تھا۔

محمد جعفر حبیب دراصل دین اسلام کے سائے میں رہ کر کام کرنے والے فعال سیاسی اور انقلابی انسان تھے، طویل تجربات سے گزر کر اس میدان سیاست وانقلاب میں منجھے ہوئے تھے، وقتی سیاسی مصلحت کے پیش نظر آپ کی آواز، سرگرمیوں اور کردار میں جو کچھ بھی ہو، لیکن یہ ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ آپ کا دل دین اسلام اور مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے لئے ہمیشہ دھڑکتا رہتا تھا، جان جائے تو جائے مگر اسلام سے روگردانی اور اپنی قوم سے بے وفائی آپ کے لئے ناممکن تھی، اس لئے تو آپ کی زندگی اور شخصیت اور کردار وسرگرمیوں پر پوری روہنگیا قوم کی نظریں لگی ہوئی تھیں، ایک طویل زمانہ ایسا بھی گزرا تھا کہ پوری قوم کی امیدیں اور توقعات آپ کی ذات وشخصیت سے وابستہ ہوگئی تھیں۔

بہر حال بات یہ ہے کہ بعض حقیقت ناشناس اور جذباتی طور پر کسی بھی امر کو فیصلہ کونے والوں کا یہی خیال ہے کہ محمد جعفر حبیب کے سیاسی افکار ونظریات بنیادی طور پر سیکولر رنگ کے تھے، جو ان کے مطابق اسلام کی منافی اور دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضد ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ جنہوں نے محمد جعفر حبیب کے متعلق اس قسم کے خیالات باندھے تھے وہ سراسر غلط فہمی کے شکار تھے، ان حضرات کے برعکس میں اتنا ہی بتا دیتا ہوں کہ محمد جعفر حبیب کے سیاسی افکار ونظریات کے متعلق ان حضرات کو صحت پر مبنی علم ہی نہیں، اور نہ وہ اسلام اور سیکولرازم کے صحیح معنی اور مفاہیم سے واقف تھے، اس لئے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ محمد جعفر حبیب کے سیاسی نظریات وافکار کو تقابلی طور پر اسلام اور سیکولرازم کی میزان میں پرکھا جائے، اور اس سے پہلے کہ اسلام اور سیکولرازم کے حوالے سے کچھ بحث کی جائے، یہاں میں اس بات کو برملا اظہار کر دیتا ہوں کہ الفاظ وتعبیرات کو سامنے لانے کے دوران زبان ولسان کے فرق ہونے سے حقیقی مفہوم کبھی بدل نہیں جاتا، تو اس حوالے سے یہاں چند چیزیں عرض کرتا ہوں کہ:

۱۔ اگر سیکولرازم کا مطلب ومفہوم مخالف دین ہے، سیکولرازم مذہب کو ریاست سے کلی طور پر خارج کر دینا چاہتا ہے، اس میں مذہب کی بیخ کنی کا باقاعدہ انتظام واہتمام ہے تو یقیناً یہ اسلام اور دین حنیف کی منافی بلکہ دشمن ہے، پھر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ محمد جعفر حبیب کے نظریات وافکار ایسے نہیں تھے۔

۲۔ اگر بعض مفکرین کے مطابق سیکولرازم کا مفہوم ومطلب یہ ہے کہ ریاست میں کسی بھی مذہب کو

خصوصی درجہ نہ دیا جائے یا دوسرے الفاظ میں وہاں پائے جانے والے تمام مذاہب کو برابر کا درجہ دے کر سب کا یکساں احترام کیا جائے، پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہو کہ ریاست اعزاز اور روزگار فراہم کرتے وقت اپنے شہریوں کے درمیان مذہب، ذات، رنگ ونسل، زبان ولسان اور عقائد کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز نہ برتے تو اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ (ارکان اور برما میں ہم بحیثیت اقلیت ہونے کے تناظر میں) ہمارے قائد ورہنما محمد جعفر حبیب ایک اس قسم کے سیکولر نظریات وافکار کے ایک انقلابی سیاست دان تھے۔

بہت سے لوگوں کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ سرزمین ارکان کے دورِ آخر کے عظیم قائد محمد جعفر حبیب کا سیاست اور ریاست کے حوالے سے رجحان خالص اسلامی تھا، یہ آپ کی قائدانہ دور بینی اور دور اندیشی تھی کہ آپ قومی، علاقائی اور بین الاقوامی سیاست کے تناظر میں بڑے ہشیار اور حاضر دماغ انسان تھے، گو کہ آپ نے اپنی طویل قائدانہ زندگی میں سیاست اور ریاست کے حوالے سے قومی اور اجتماعی طور پر علانیہ اسلام کا نام نہیں لیا تھا، اس پس منظر میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے اگر آپ نے اپنی سیاسی اور انقلابی زندگی میں علانیہ طور پر اسلام کا نام لیا ہوتا تو تب ہی آپ اور آپ کی تمام سیاسی اور انقلابی سرگرمیوں کو روک دیا جاتا، اس زمانے میں میرے ناقص خیال میں آپ کا علانیہ طور پر اسلام کا نام نہ لینا آپ کی سیاسی بصیرت سے بڑھ کر آپ کی ایک کرامت تھا، یوں ہمارے بعض لوگوں کی طرح بات بات میں اسلامی سیاست و انقلاب کا نام لینا روہنگیا مسلمانوں کی سیاسی اور انقلابی زندگی کے لئے باعث خطرہ سمجھتے تھے، جو بعد کے حالات میں دیکھا بھی گیا اور تحقق بھی ہوا ہے۔

۳۔ اگر اس وقت اسلامی سیاست وریاست کا نام لیا جاتا تو ارکان میں پائے جانے والے ہمارے ہم وطن مگھ سارے کے سارے مشتعل ہو جاتے، کیوں کہ مگھ تو نہیں جانتے کہ دراسلام ایک ایسا دین ہے جو دنیا میں تمام نظریات کے برعکس سارے انسانوں کا خیر خواہ اور ساری مشکلات کا واحد حل ہے، تو ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب خالص اسلامی سیاست وریاست کے نام لینے کے بجائے سیکولر نظریات و افکار کا روپ دھارنا عین مصلحت سمجھتے رہے تھے۔

۴۔ ارکان کا ایک قریبی ملک ہندوستان ہماری سیاست کے حوالے سے ایک اہم اور طاقتور سیکولر ملک ہے، جس کے حکمران اسلام اور اسلامی سیاست وریاست کے نام لینے والوں کو نہ صرف اچھی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں، ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب ارکانی مسلم سیات کے حوالے سے خالص اسلامی ریاست وسیاست کا نام لینا مبنی بر مصلحت وعقل نہیں سمجھتے تھے۔

۴۔ ارکان کا واحد پڑوسی مسلم ملک بنگلا دیش کا بھی جہاں تک سوال ہے کہ اس کی اکثر نمایاں سیاسی تنظیمیں بطور خاص ۱۹۷۱ء بعد یہاں کے حکمران جماعتوں کے سیاسی نظریات سیکولر ہیں، جنہوں نے ماضی میں یہاں کسی بھی اسلامی نظریات کی حاملین کو پنپنے نہیں دیا تھا، ظاہر ہے کہ ان کا حال بھی ماضی سے کوئی مختلف نہیں، تو ایسے حالات میں مصلحت اس بات کی تھی کہ ہم ان تمام جماعتوں کی مکمل حمایت حا صل نہ بھی کر سکیں تو ان کی مخالفت کے سبب بھی نہ بن جائیں، ماضی میں دیکھا گیا کہ ہماری ایک معروف تنظیم نے محمد جعفر حبیب کی سیاسی بصیرت کے برعکس اقدام کیا تھا، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، اس جماعت نے بنگلا دیش کی ایک معروف اسلامی جماعت سے ناطہ استوار کیا تھا، جو اس کی سیاسی اور انقلابی موت کا سبب بنا، جس کا صحیح اور برحل اندازہ محمد جعفر حبیب کو تھا، تو وجہ یہی تھی کہ آپ نے:

(الف) ہماری پڑوسی مسلم ملک کی کسی ایک جماعت یا تنظیم سے یک طرفہ طور پر رشتہ استوار نہیں کیا تھا، کیوں کہ آپ کو یہی بخوبی علم تھا کہ یہ ملک اور اس کی سیاست ملٹی پارٹی جماعتوں پر مبنی ہے، جو اس ملک کے مطابق اس کی قومی سیاست اور جمہوریت کا عین تقاضا ہے، تو محمد جعفر حبیب کو یہ اندازہ تھا کہ یہاں کی کسی ایک پارٹی کے ساتھ سیاسی رشتہ جوڑنا دیگر پارٹیوں کی مخالفت کا باعث بنے گا۔

(ب) محمد جعفر حبیب نے کسی ایک اسلامی جماعت سے رشتہ جوڑنا ارکانی مسلم سیاست کے لئے مناسب نہیں سمجھا تھا، کیوں کہ آپ کو یقینی طور پر یہ علم تھا کہ یہاں کی کسی اسلامی جماعت یا کسی بھی نامور اسلامی نظریات کے حامل لیڈر کے ساتھ ناطے جوڑنے سے یہاں کی ساری سیکولر نظریات کی حامل تنظیمیں نہ صرف روہنگیا کی مخالف ہو جائیں گی بلکہ وہ روہنگیا مسلمانوں کی خیر خواہ تنظیم اور لیڈروں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائیں گی، جس کا منطقی نتیجہ روہنگیا کے لئے برا ہوگا، یاد رہے کہ شاید اس لئے بھی ہو کہ ۱۹۷۸ء کے دوران محمد جعفر حبیب نے حضرت خطیب اعظم مولانا صدیق احمد صاحب سے براہ راست

ملاقات کرنے سے گریز کیا ہو(۱)۔

۵۔ادھر بین الاقوامی سیاسی تناظر میں اس بات سے کون ناواقف ہے کہ آج کی دنیا میں یوروپ اور امریکہ کے سیاسی پہلوانوں کا راج ہے،اس دور میں دنیا کے کسی بھی خطے اور علاقے میں اسلامی سیاست وریاست کے نام لیواؤں کو پنپنے نہیں دیا جاتا ہے،دنیا کے بعض علاقوں ،ملکوں اور خطوں میں اسلامی سیاست وریاست کے نام لیواؤں کا کیا حشر کیا جاتا ہے،جب کہ ان علاقوں ،ملکوں اور خطوں کی تحریکیں روہنگیا تحریک کی بہ نسبت بہت ہی فعال ،متحرک اور طاقتور ہیں،اس حوالے سے مثال دی جائے تو کس کس کا نام لوں؟ تو روہنگیا مسلمانوں کی اس کمزوری ، بے کسی و بے بسی اور جانکنی کی حالت میں روہنگیا کی بہبودی اور نجات کے حوالے سے کام کرنے والوں کے لئے خالص اسلامی سیاست وریاست کا نام لینا کہاں تک مبنی بر مصلحت تھا؟ اس لئے محمد جعفر حبیب نے علانیہ طور پر اسلامی سیاست وریاست کے نام لینے کے بجائے صرف ''حق خود ارادیت'' یا ارکان کی خودمختاری کی راگنی الاپی تھی، اور بظاہر سیکولر نظریات کا روپ دھارا تھا، جب کہ ہمیں اس بات کا پورا پورا علم ہے کہ آپ حقیقی معنی میں ایک اسلامی نقطۂ نظر کے انقلابی اور سیاست دان تھے،آپ کے دل میں اسلام کی سربلندی کے جذبات موجزن تھے،اور آپ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ سرزمین ارکان میں کلمۃ الحق کی بالا دستی ہو کر اسلامی سیاست کا پورا پورا نفاذ ہو جائے۔غرض محمد جعفر حبیب نے بظاہر سیکولر کا لبادہ اوڑھا اور ضرور اوڑھا تھا، جو سیاسی مصلحت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا، جسے ہم آپ کی ایک سیاسی مجبوری سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

---

(۱) پچھلی سطور میں اس حوالے سے تذکرہ کیا چکا ہے کہ خطیب اعظم حضرت مولانا صدیق احمد صاحب چکروی چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد جعفر حبیب کو بحیثیت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے قائد اور روہنگیا جمعیت علمائے ارکان (مسلح) کے قائدین کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی مقدور بھر کوشش کی تھی، تا کہ یہ دونوں تنظیمیں آپس میں مل کر مگھ وحشی اور برمی درندوں کے خلاف کاروائیاں کر سکیں، لیکن محمد جعفر حبیب نے حضرت العلام کی اس دعوت کو لبیک کہنا مناسب نہیں بلکہ مضر سمجھا تھا، جس کی شکایت نہ صرف حضرت کو تھی بلکہ اس وقت اور شاید اب بھی ہو کہ ہماری برادری کے کچھ لوگوں کو ہے۔

دسواں باب

تأثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی افضل الصلاۃ والتسلیم وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔ اما بعد۔

سرزمین ارکان کے عظیم قائد محمد جعفر حبیب (اللہ یرحمہ و یدخلہ فسیح جناتہ، ویجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ) کی عبقری شخصیت اور ان کی روشن سرگرمیوں اور تابناک کارناموں سے ہمارے اہل علم ونظر اور فکر دانش میں سے کون ناواقف ہے؟ آپ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے صدر اور روہنگیا قوم کے نامور لیڈر رہے تھے۔آپ نے بنگلا دیش کے دارالحکومت ڈھاکے اور برمی دار الحکومت رنگون میں تعلیم حاصل کی، وکالت کا امتحان پاس کیا۔رنگون یونیورسیٹی کے دورانِ تعلیم ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' (RYF) کے موسس صدر تھے، پھر ''روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس'' (RIF) کے محرک اور بانی بھی، اس کے بعد روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) میں شامل ہوئے، جس میں آپؒ نے نائب صدر کی حیثیت سے اس تنظیم میں عرصہ دراز تک قومی امور کو انجام دیا تھا، یہ ۱۹۷۲ء کی پہلے کی بات تھی، اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں آپ کی قیادت میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل ہوئی تو آپ نے اس کا عہدہ صدارت سنبھالا، جس میں ۱۹۷۵ء کے دوران قوم کے بہتوں تعلیم یافتہ نوجوانان او رجوان شامل ہوئے تھے۔

محمد جعفر حبیبؒ کے دور میں تمام قوم چاہے اس کا تعلق اندرون وطن سے ہو یا خارج از وطن، ایک حیثیت سے متحد اور منظّم تھی اور ایک مدت تک من حیث المجموع تحریکی کام کو انہوں نے بہت ہی منظّم طریقے سے سرانجام دیا، جو ہماری قومی تحریک کا ایک سنہرا دور اور ناقابل فراموش باب ہے، جسے ہم بھولے سے بھی بھلا نہیں سکتے۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ محمد جعفر حبیبؒ روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) میں نائب صدر تھے اور عرصہ دراز تک سیاست وقیادت کی عملی دنیا سے وابستہ رہ چکے تھے، اس لئے آپ کو اس میدان کے حوالے سے خاصے تجربات حاصل تھے، اسی زمانے میں تنظیم بھی خاصی کارگر اور مضبوط پوزیشن میں تھی، کام کرنے والے وطن کے اندر تھے، یوں آپؒ اس کام کی طبیعت سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے، ایک طویل مدت تک عملی میدان سے گزر کر خاصے تجربات کے حامل ہو چکے تھے۔ اسی زمانے میں ہم اگر چہ عمر کی لحاظ سے بہت چھوٹے تھے، بامعنی طور پر حالات کو سمجھنے سے قاصر تھے، تاہم انہیں اور ان کی سیاسی وانقلابی کارکردگیوں اور تنظیمی سرگرمیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، بعد میں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے ان کے نجی، سیاسی اور تحریکی حالات، ان کے کارنامے، اور ان کی تحریکی، انقلابی وسیاسی سرگرمیوں کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا، اور اخذ نتائج کی نیت سے ان کا تجزیہ، دراسہ، تحلیل اور تحقیق کرنے کی توفیق ہوئی۔

میں نے اپنی تحقیق وتجزیے اور ان سے حاصل شدہ نتائج کو ذہن میں رکھ کر ان امور کو اچھی طرح سمجھنے والے دنیا کے دیگر محققین ومبصرین، خبراء ومحللین، مفکرین اور سیاسیین سے مدتوں مشورہ کیا، جس کے بعد اس نتیجے میں پہنچا کہ ہماری سیاست وقیادت اور تحریک وانقلاب کی قومی تاریخ میں محمد جعفر حبیب ایک انمول ہیرہ تھے، ان کے افکار، ان کے سیاسی موقف، ان کے کام کی حکمت عملیاں اور پالیسیاں بہت ہی منجھی ہوئی اور سلجھی ہوئی واضح اور قابل عمل تھیں، یوں تو آپ بذاتِ خود متعلم اور ذہین تھے ہی، پھر آپ کو اس میدان کا کافی تجربہ حاصل تھا، ان تمام لازمی چیزوں کے ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے دیگر متعلم، تجربہ کار اور دیرینہ احباب، رفقائے کار اور ساتھیوں کی شمولیت سے ایک معقول، مناسب اور قابل قبول سیاسی موقف، پالیسی اور حکمت عملی کی ترتیب دی تھی۔

اس کام کی طبیعت ہی کچھ ایسی ہے کہ بسا اوقات اس کام کے سفر میں ہاتھی کی چال چلنی پڑتی ہے، اور صبر وتحمل اور برداشت سے کام لینا پڑتا ہے۔ محمد جعفر حبیب کے دور جد وجہد میں دنیا کے حالات، عالم اسلام کی پوزیشن، پڑوسی ملکوں میں سے خصوصا بنگلا دیش کا ہمارے متعلق جو موقف تھا، اس پر گہری نظر ڈالنے سے میری طرح ہر ایک صائب رائے اور صاحب بصیرت انسان اس نتیجے پر ضرور پہنچے گا کہ حضرتؒ نے اس دور میں جو سیاسی موقف، حکمت عملی اور پالیسی اپنائی تھی وہ برمحل، مناسب، قابل قبول ہی تھی، ان کی قیادت کے دوران سرزمین ارکان کی یہ روہنگیا قوم فکری اور عملی طور پر متحد اور قسما منظّم تھی، آج ہم بلا تردد اور بلا جھجک کہتے ہیں کہ ہمارے سیاسی اور انقلابی ماحول وآنگن میں جو جورسہ کشی، افراتفری، انتشار، اختلاف اور افتراق نظر آرہا ہے، وہ دراصل ان کے بعد میدان سنبھالنے والوں کی فکر وعمل کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔

بہرحال بڑے غور وخوض اور فکر تامل کے بعد اب میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس زمانے میں محمد جعفر حبیب کے اس صحیح وصائب افکار ونظریات، ان کے اس برمحل اور مناسب موقف، ان کی اس قابل قبول حکمت عملی اور پالیسی پر عمل کیا گیا ہوتا، اور ان سے اختلافات کے بجائے ان کا کامل اتباع اور مکمل پیروی کی گئی ہوتی تو میرا یقین ہے کہ آج ہماری حالت اتنی بری نہیں ہوتی جتنی آپ اور ہم آج دیکھ رہے ہیں، مگر افسوس ہے کہ حضرت کے قافلے میں شامل ہونے والے بعض نو واردگان، کچھ جوشیلے اور جذباتی جوانوں نے نہ ان کی فکری وعملی چال کا اندازہ کر سکا اور نہ ان کے سیاسی موقف، کام کی حکمت عملی اور پالیسی کو سمجھ سکا تھا۔

دراصل کسی سیاسی موقف کے ساتھ سیاسی وانقلابی کام کی باریکیوں وحکمت عملیوں اور پالیسیوں کو سمجھنا اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا ہمارے عام لوگ سمجھتے ہیں، حقیقت یہ ایک مشکل، صبر آزما اور کٹھن کام ہوتا ہے، یہاں دراصل جو فرق واقع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ لیڈر نے اپنے مجرب اور آزمودہ کار ساتھیوں اور رفقائے کار سے مل کر قومی سیاست وانقلاب کے حوالے سے جن امور کی ترتیب دی تھی، یہ ان جدید، ناپختہ کار، کام کی طبیعت سے ناآشنا، جوشیلے اور جذباتی جوانوں کے سمجھ سے باہر تھے۔

ظاہر ہے کہ آج کی ہماری چوٹی کی قیادات محترم نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا اور

جناب حبیب الرحمٰن وغیرہ اس زمانے میں جوان اور نو واردگان تھے، اگر چہ یہ اور ان جیسے افراد علم و دانش کے اسلحے سے لیس تھے، مگر انہیں وہ تجربہ حاصل ہی نہ تھا جو ہمارے تجربہ کار لیڈر اور ان کے منجھے ہوئے پرانے بعض رفقائے کار کو حاصل تھا۔ ان نو واردگان کے پاس ایسے تجربے ہونے کی بات بھی نہیں ہے۔ موقف، پالیسی اور اسٹراٹیجی جیسے امور کو سمجھنے کے لئے علم وفضل کے ساتھ ساتھ تجربات کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان تجربات کے حصول کے لئے نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک طویل مدت تک تجربہ کاروں کے ساتھ مرحلہ وار کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وقت ہمارے ان نوجوانان قوم اور نو واردگان تنظیم کو ضرورت اس بات کی تھی کہ لیڈر نے سیاست وانقلاب کے حوالے سے جن امور کی ترتیب دی تھی ان کی صحیح معنی میں پیروی کرتے، مگر انہوں نے تھوڑے صبر وتحمل کے بجائے فوری طور پر جوانی کا جوش وجذبات کا مظاہرہ کردیا، اور کہا کہ:

> ''ہم علم وفن کے حصول کے بعد وطن سے یہاں آئے ہوئے ہیں، اور ہم میں سے بعض نے فوجی تربیت بھی حاصل کر رکھی ہے، اب ہمیں دشمن کو مارنا ہے، پیٹنا ہے، کاٹنا ہے، جبکہ ہمارے لیڈر سیاسی موقف، انقلابی پالیسی، کام کی اسٹراٹیجی جیسی باتوں کی رٹ لگا بیٹھے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں علاقائی صورت حال، عالم اسلامی اور بین الاقوامی حالات پر نظر رکھنی ہے، مجاور ملکوں اور اقوام عالم کی تائید حاصل کرنی ہے، قوم کو فکری اور عملی طور پر ترقی دینی ہے، نئی نسل کو تعلیم وتربیت کی زیور سے آراستہ کرنا ہے، ہمیں ہر اعتبار سے تیار رہنا ہے۔ ان کی یہ اور ان جیسی باتیں تو ہمارے سمجھ سے باہر ہیں، ہمیں یہ اور ان جیسی طول طویل گفتگو اور افکار و خیالات سے کیا نسبت؟ جہاں تک معلوم ہو رہا ہے کہ ہمارے لیڈر بڑے سست ہیں، ہمیں اور ہمارے کام کو آگے بڑھنے نہیں دے رہے ہیں، یوں لگتا ہے کہ ان کی قیادت میں ہم کچھ نہیں کر پائیں گے''۔

علاوہ ازیں جب ان کے سامنے سیاسی موقف، حکمت عملی اور پالیسی کی بات رکھی گئی تو ان کے سر چکرا گئے تھے، اور جواب میں کہا کہ ہم اتنی طول طویل باتوں کے پیچھے پڑ کر اپنے وقت ضائع نہیں کر سکتے، ہمیں بس ایک دو سالوں کے اندر مار پیٹ کے ذریعے اپنے وطن کو آزاد کرنا ہے۔

اور چلتے چلتے ایک بات یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ بڑا ہی قابل غور بات ہے کہ ہمیں عوام اور جاہلوں سے کیا شکایت، حال یہ ہے کہ اس میدان میں آج کل کے نو واردگان کے خیالات اس زمانے کے نو واردگان سے کچھ مختلف نہیں ہیں، عالم ہو یا فاضل، دانشوران ہوں یا عصری علوم سے آراستہ، غرض اس وقت روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہونے والے نو واردگان کے خیالات سے آج کل کے نو واردگان کے خیالات کچھ بھی مختلف نہیں، الامان والحفیظ۔

دراصل محمد جعفر حبیب نے بھی اس وقت بڑے فراغ دلی کا مظاہرہ کیا تھا، اور ایک حیثیت سے آپ کو اپنی خوش فہمی نے دے مارا کہ آپ نے ان نو واردگان کو تنظیم میں شمولیت کے ساتھ ہی بڑے سے بڑے عہدوں پر فائز کردیا تھا، جب کہ اسی زمانے میں ان کو بعض منجھے ہوئے سینئر لیڈروں اور کام کی طبیعت سے آشنا رفقائے کار نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ:

> ''آپ ان نو واردگان کو صرف اور صرف علم سے آراستہ دیکھ کر اتنی بڑی بڑی اور اہم سے اہم ذمے داریاں نہ سونپیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ نہ صرف تنظیم بلکہ پوری قوم کو خطرے کی مہیب کائی میں نہ گرادیں، یہ ابھی ناتجربہ کار ہیں، ذمے داریوں کو تحمل نہ کرپائیں گے، جس طرح ایک چھٹی ساتویں جماعت کے طالب علم کو دسویں جماعت کی کتابیں نہیں دی جاتیں، اسی طرح ان نو واردگان کے سروں پر اتنا بڑا بوجھ ڈالا نہیں جا سکتا، جبکہ سیاسی موقف، حکمت عملی اور پالیسی، ایجنڈے اور پروگرام کی بات تو سیاسی اور انقلابی دنیا میں بہت اعلی درجہ کی بات ہوتی ہے، ماجسٹر اور ڈکٹریٹ لیول کی بات ہے، جو ابھی ان کے سمجھ سے باہر ہے، ان امور کی باریکیوں کو سجھنا آسان کام نہیں ہے، بلکہ مشکل، صبر آزما اور کٹھن کام ہے''۔

مگر روہنگیا قوم کے روشن ضمیر قائد محمد جعفر حبیب نے یہ توقع کرکے کہ چلو یہ لوگ علم وفضل سے آراستہ ہیں، آہستہ آہستہ تجربہ بھی ہوجائے گا، کہ ان نو وارگان کے سر پر بڑے سے بڑے عہدوں کی بوجھ اور ان کے کاندوں پر اہم سے اہم ذمے داریاں ڈال دیں، بالآخر جن بزرگوں نے آنے والے خطرات کا اندیشہ کیا تھا، ان کا اندیشہ صحیح نکلا، ان نو واردگان نے نہ صرف اپنی ذات کو ڈبویا بلکہ تنظیم کے

افتراق وانتشار کی شکل میں پوری قوم کو اتھاہ سمندر میں غرق کر دیا تھا، آج کل وہی لوگ تو ہیں جو ہماری قومی قیادت کی اعلی بالا کرسیوں پر براجمان ہیں، میں دانستہ طور پر ان کا نام نہیں لے رہا ہوں، جن کا ماضی بھی بہت سارے اکسیڈنٹ سے عبارت ہے اور حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں، البتہ میرے خیال میں وہ سارے اکسیڈنٹ انہوں نے اپنی نادانی، کم فہمی اور ایک اعتبار سے اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ خوش فہمی کی وجہ سے کیا ہے، ہم ان کی نیت اور اخلاص پر شک نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں، البتہ یہ ضرور سچ ہے کہ منٹوں کی نادانی کا خمیازہ کبھی کبھار ایک قوم کو صدیوں تک بھگتنا پڑتا ہے، ویسے ہی میرے خیال میں ان لوگوں کی نادانی اور کم فہمی کا خمیازہ ہماری پوری قوم کو صدیوں نہ بھی کہوں تو سالوں تک ضرور بھگتنا پڑ رہا ہے۔

ان لوگوں نے محمد جعفر حبیب کو بہت ہی سست کہا، ان پر غافل اور سست رفتار ہونے کا الزام لگایا، متخلف ہونے کا طعنہ دیا، بطی العمل جیسا دشنام تراشا، ان کے خلاف شور شرابہ کیا، جبکہ حال یہ تھا کہ ان نوجوانوں کے اندر جوش تو تھا ہی مگر ہوش نہیں تھا، محمد جعفر حبیب جیسے تجربہ کار اور منجھے ہوئے سیاست دان کی بات ان کی سمجھ سے باہر تھی، یہ گویا ان کی قسما مجبوری تھی، جس کا خمیازہ آج ہم سب اور پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

آج سوال آتا ہے کہ جنہوں نے ہمارے اتنے بڑے قائد کو سست کہا، ان کے خلاف ہوش کے بجائے جوش کے ساتھ نبرد آزمائی کی، ان کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگائی تھی، آج تیس پینتیس سال سے زیادہ عرصے گزر گئے، انہوں نے خود ہمارے کاز کو کہاں تک آگے بڑھا سکا؟ یہ حضرات دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے، کونے کونے میں پہنچے، سیاسی مسابقوں میں حصے لیتے رہے، مانا کہ محمد جعفر حبیب سست تھے، یہ تو اپنے زعم وخیال میں تیز رفتار ہیں، آخر دنیا کی اس سیاسی بازی میں ان کے گھوڑے کس پگڈنڈی پر جا بدکے؟؟ یہ اور ان جیسے سوالوں کے جوابات شاید ان کے پاس ہوں گے، ہمارے پاس نہیں ہیں۔

بات یہ ہے کہ اگر اس وقت ان نو واردگان نے تھوڑا ہی صبر سے کام لیا ہوتا، لیڈرشپ پر اعتماد کیا ہوتا، تو میں اپنے علم ومطالعہ اور تحقیق کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ آج سرزمین ارکان کی حالت کچھ دوسری ہوئی ہوتی، میں یہ بات بس سنی سنائی اور دور دور سے بیٹھے بٹھائے نرے اندازے اور تخمینی طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، اس حوالے

سے جو تحقیق وتحلیل کرنے کا مجھے موقع ہوا، بہت ہی کم لوگوں کو ہوا ہوگا، اس لئے کہ میں ایک طرف تو ان لوگوں کے ساتھ ۱۹۸۲ء سے براہ راست شریک سفر رہا ہوں، مجھے ان کے ساتھ رہتے ہوئے مختلف مراحل سے گزرنے کا موقع ملا، اور ہر ایک سے استفسار کرنے کی راہ اور فرصت ملی، محمد جعفر حبیب کے سیاسی موقف، پالیسی اور اسٹراٹیجی کے حوالے سے ان لوگوں سے مذاکرات اور تبادلہ خیالات کئے گئے، دوسری طرف اس سلسلے میں میں نے گہرا مطالعہ بھی کیا، اور جن جن سے پوچھا، تقریباً سبھی حضرات کا جواب یہی تھا کہ ”نہ جانے محمد جعفر حبیب سے ہمارے کیا بنیادی اختلافات تھے، کاش کہ ان سے اختلافات کرنے کے بجائے ان کا کامل اتباع کیا گیا ہوتا!“ دراصل انہوں نے ایک حق بات کا اظہار کیا ہے، اور ان میں سے کسی کسی نے کھلے الفاظ میں اعترف بھی کیا ہے کہ محمد جعفر حبیب سے ہم نے جو اختلافات کئے تھے، اس میں سراسر ہماری غلطی تھی، آپ راہ راست پر تھے، ہم اس میدان عمل وتطبیق میں بھٹکے ہوئے نو وارد تھے، ہم دراصل ایک منجھے ہوئے سیاست دان کا ذہنی، فکری اور عملی طور پر ساتھ نہ دے سکے تھے۔

درحقیقت محمد جعفر حبیب ہمارے ایک بہترین قائد تھے، جو ہمارے کام کے حوالے سے قومی، علاقائی اور عالمی سطح پر شہرت پا چکے تھے، دنیا وہ اور ان کی سیاسی سوچ سے واقف ہو چکی تھی، ان سے مختلف ملکوں اور خصوصی طور پر عالم اسلامی کے کئی اہم ممالک سے رابطہ استوار ہو چکا تھا، عالم اسلام نے ان کے مرتبہ کو جانا پہنچانا، علاوہ ازیں قوم کی توقع بھی ان سے وابستہ ہو چکی تھی۔

اسی زمانے کی بات ہے کہ آپ نے سنا ہوگا کہ اس وقت عالم اسلام کا ایک انقلابی ملک لیبیا نے محمد جعفر حبیب کا بھرپور ساتھ دیا تھا، سنی ہوئی بات ہے کہ معمر قذافی کی حکومت نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ”برمی حکومت کے دوگنا بجٹ ہم ارکانی مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے لٹا دیں گے“ اس سلسلے میں ہمارے بہت سارے نوجوانوں کو لیبیا میں عسکری تربیت بھی دی گئی تھی، اگر اس کا سلسلہ مزید جاری رہ سکتا، ہم ایک حد تک کامیاب ہو گئے ہوتے، اس وقت پوری قومی سطح پر ایک ہی تنظیم تھی، آج کی طرح اتنی انگنت جماعتیں نہیں تھیں، اس لئے میرا اندازہ ہے کہ اگر محمد جعفر حبیب اپنی پالیسی کے مطابق بتدریج کام کو آگے لے جا سکتے تو آج تک ہم آزاد یا کم سے کم خود مختار ارکان میں ہوتے، اور اتنا نہ ہو سکا تو کم سے کم برمی حکومت ہم سے امن مذاکرات پر مجبور ہو گئی ہوتی۔

کیوں کہ ہم نے اس معاملے کو جہاں تک پرکھا، تجربہ حاصل کیا، اس سے یقین ہو گیا ہے کہ محمد جعفر حبیب نے جس پالیسی کو اپنایا تھا، وہ ایک منجھی ہوئی پالیسی تھی، ان کا موقف ایک بہترین موقف تھا، ان کی حکمت عملی بھی کارگر اور کارآمد حکمت عملی تھی، قریبی ملکوں اور خصوصی طور پر بنگلا دیش کے سیاسی حالات ان کے موافق تھے، عالمی حالات ان کے مطابق تھے، جبھی ان امور پر سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

ہماری طرح کرۂ ارضی کی دیگر چند قوموں کے حالات پر اندازہ لگائیے، اس حوالے سے فلپینی مسلمانوں کے حالات پر نظر ڈالئے، نور مسواری اور سلامت ہاشم وغیرے کی جدوجہد اور ان کی تحریکوں کو دیکھئے! آج ہم کہاں ہیں اور وہ کہاں؟ ان بزرگوں نے بھی محمد جعفر حبیب کے ایک ہی عہد میں کام شروع کیا تھا، گئے سال کی بات ہے کہ انہوں نے فلپین میں چار مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل خودمختاری حاصل کر لی، آج ان علاقوں میں انہی کی حکومت ہے، وہ لوگ مرکزی حکومت سے مل کر ترقیاتی کام کر رہے ہیں، یہ ہمارے لئے ایک زندہ مثال ہے۔ ہماری اس وقت کی نوجوان قیادت نے اگر محمد جعفر حبیب کا ساتھ دیا ہوتا، اور پوری قوم بھی ان کے ساتھ ہوتی، تو ہم اور ہماری حالت بھی آج تک فلپینی مسلمانوں سے مختلف نہیں ہوتی۔

الحمدللہ ہماری قوم کے اندر بہت ہی لیاقت، صلاحیت اور قابلیت ہے، ہماری قوم ذہین ہے، حوصلہ مند ہے، بہادر ہے، اس کے اندر قومی جذبہ ہے، اسلامی حمیت ہے، سخی بھی ہے، مجموعی طور پر بخیل نہیں ہے، ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں کہ اگر اس وقت محمد جعفر حبیب اپنے ایجنڈے پر مزید کام کر پاتے، اپنے پروگرام کو آگے بڑھا سکتے، تو میرا خیال ہے کہ ارکان کا پورا نہ ہو تو بھی نصف یا ثلث علاقہ ہمارا زیر اثر ہوتا، اور کم سے کم شمالی مغربی ارکان پر آج تک ہمارا قبضہ ضرور ہو چکا ہوتا، اگر وہ اپنی اسٹراٹیجی پر مزید چل سکتے، آج تک برمی حکومت مجبور ہو چکی ہوتی کہ ہم سے امن مذاکرات کرے، اس حوالے سے جہاں تک معلومات حاصل ہوئیں کہ محمد جعفر حبیب کی پالیسی بھی اس طرح کی تھی کہ برمی حکومت کو امن مذاکرات کے لئے مجبور کیا جا سکے، جس کے نتیجے میں ارکانی مسلمانوں کا ایک خودمختار علاقہ حاصل ہو جائے، ویسے بھی محمد جعفر حبیب نے ارکان میں روہنگیا مسلمانوں کے لئے مساویانہ

سلوک اور مساویانہ حقوق کا مطالبہ کیا تھا، جس کے تسلسل میں وہی مطالبہ آج ہم بھی کرتے ہیں، یعنی ۱۹۹۸ء سے ہمارا سیاسی موقف، پالیسی، اسٹراٹیجی بعینہ وہی ہے جو ان کی تھی، اگر چہ ہمارے بعض الفاظ اور تعبیرات میں وقت کے تقاضے اور حالات کی نزاکت کے مطابق کچھ رنگ بھرا ہے، اور جسے ہم نے بڑی تحقیق اور نہایت سوچ بچار کے بعد اپنایا ہے، ہمارا دعوی ہے کہ محمد جعفر حبیب نے جو مطالبہ کیا تھا وہ بہت ہی خوب تھا، اگر وہ مسلسل اپنی پالیسی پر قائم رہ پاتے، ہماری سیاست کے اندر ایک عجیب وغریب رنگ آجاتے، روہنگیا فدائین محاذ کے سائے تلے پوری قوم منظّم تھی، آج تک یہ تنظیم ایک طاقتور تنظیم ہو چکی ہوتی، جس کی پالیسی ایک اچھی حالت پیدا کر سکتی، جس کے نتیجے میں برمی حکومت ہمیں اپنے حقوق واپس کرنے پر مجبور ہو جاتی۔

اس وقت ہمارے نو واردگان نے یہاں کیا کیا؟ کام کو سیکھنے اور اس میدان میں تجربات حاصل کرنے کے بجائے انہوں نے الٹے خود تجربہ کاروں کی نیندیں حرام کر دیں، وہ آئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرے کہ انہوں نے واویلا مچانا شروع کر دیا کہ ہمارے لیڈر سست ہیں، غافل ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ ان نوجوانوں کے پاس تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی تجربات نہ تھے، ان کو اس کام کی طبیعت سے شناسائی نہ تھی، اس لئے وہ جوانی کے عالم میں جذبات کے رو میں بہہ گئے، ان کا سوچ مختصر تھا، یوں انہوں نے اپنے منجھے ہوئے لیڈر کے سیاسی وانقلابی افکار کا ساتھ نہ دے سکا۔

ظاہر ہے کہ محمد جعفر حبیب اور ان کی پالیسی کو ناکام بنا دیا گیا، اس وقت تنظیم کی ایک بھاری اکثریت نے محمد جعفر حبیب کے ساتھ نہ دینے کی وجہ سے آج ہماری یہی حالت ہے، ان کی پالیسی کو ناکام بنا دینے کی وجہ سے ہم برسوں کے پیچھے رہ گئے، اور آج تک ہم سیاست کی اندھیری پگڈنڈیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

میری یہ تمام گزارشات ۱۹۹۵ء سے پہلے کے حالات پر مشتمل ہیں، اس کے بعد ہم نے محمد جعفر حبیب کے موقف، پالیسی، ایجنڈے اور حکمت عملی پر خاصی تحقیقی نظر ڈالی، ان سارے امور کو سامنے رکھ کر بطور خاص ۱۹۸۰ء سے لے کر ۱۹۹۵ء کی درمیانی عرصے کی ہم نے اپنی تمام سرگرمیوں پر غور وخوض کیا، اور اپنی تمام کارکردگیوں کی نظر ثانی کی، پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمارے موقف، پالیسی، ایجنڈے اور حکمت عملی کی اصلاح اور تعدیل کی ضرورت ہے، یوں ہم نے بڑے غور وفکر سے ان سارے امور کو

بحسن خوبی انجام دیا، اس سلسلے میں اورتو اور ہماری تنظیم کے نام تک میں تعدیل کی، اور تنظیم کے نام کو روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن (RSO) سے روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) میں تبدیل کر دیا۔

بات یہ ہے کہ ایک قابل قبول موقف کے تحت پالیسی اور حکمت عملی کی از سر نو ترتیب دی جاتی ہے تو اس میں آہستہ آہستہ اور بتدریج رنگ آجاتا ہے، ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ پوری قومی سطح پر متحرک صرف دوہی تنظیمیں تھیں، ان میں سے ہم نے اپنی تنظیم کا موقف، پالیسی اور حکمت عملی کی از سر نو ترتیب دی تو عالم اسلام سمیت دنیا بھر کی بڑی بڑی انجمنوں اور متعلقہ ملکوں نے ہمارا بھرپور استقبال کیا، اور ہماری حوصلہ افزائی کی، ویسے ہم نے ۲۰۱۱ء میں پوری قوم کو ایک متحدہ پروگرام سے منسلک کرنے کے لئے ارکان روہنگیا یونین (ARU) نامی پلٹ فارم کی تشکیل دینے میں کامیابی حاصل کی۔

اور ایک بات یاد رہے کہ ایک تاجر کی تجارت کسی حادثہ کی شکار ہوجاتی ہے تو اسے پھر سے سنبھالا دینے کے لئے شاید چند سالوں کی محنت کافی ہوتی ہے، لیکن ایک قوم کی سیاسی پالیسی اور حکمت عملی کسی حادثے کی شکار ہوجاتی ہے تو اسے سنبھالا دینے کے لئے کم سے کم تیس چالیس سالوں کی مدت ناگزیر ہوجاتی ہے، وہ بھی اگر سنبھالنا چاہے تو، ورنہ گھاٹے پر گھاٹے ہوتے رہتے ہیں۔

اس لئے ہم اپنی پوری قوم اور اپنے تمام بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ کو ان امور میں بہت ہی باشعور اور خاصے حساس ہونا چاہئے، ہمیں امید نہیں بلکہ یقین بھی ہے کہ ہمارے مابین ان امور کو سمجھنے والے موجود ہیں، ہم ان جاننے والوں کے پاس یہ باتیں بطور یاددہانی پہنچا رہے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ﴿فذکر فان الذکر تنفع المومنین﴾ اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

سلیم اللہ عبدالرحمٰن

صدر روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR)

ورکن مجلسِ تاسیسی ''ارکان روہنگیا یونین (ARU)

جدہ۔ سعودی عرب۔

ارکان اور اس کے متعلق بعض نمایاں تاریخی واقعات

۲۶۶۶ق م ۔ سے دھنووتی ردھنیاودی پہلے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۸۰۰ق م تک جاری تھا۔

۸۲۵ق م ۔ سے دھنووتی ردھنیاودی دوسرے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۷۸۸ء تک جاری تھا۔

۷۸۸ء ۔ ویسالی دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۰۱۸ء تک جاری تھا۔

۹۵۷ء ۔ ارکانی راجا چولاٹنگ چندرا کے زمانے میں ارکان پر منگولوں کا حملہ، اور ارکان کی تاخت وتاراج۔

۱۰۱۸ء ۔ پن سا پہلے دور حکومت کی ابتداء، جو ۱۱۰۳ء میں اپنی انتہاء کو پہنچی تھی۔

۱۱۰۳ء ۔ پارن دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۶۷ء تک جاری رہا۔

۱۱۶۷ء ۔ کریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء تک جاری تھا۔

۱۱۸۰ء ۔ پن سا دوسرے دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۲۳۷ء تک جاری تھا۔

۱۲۳۷ء ۔ لنگریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۴۰۴ء تک جاری تھا۔

۱۴۰۴ء ۔ برمی غاصب راجا ''من کھاؤن'' کا ارکان پر حملہ، نرامیخلا کی ارکان کی سلطنت سے بے دخلی۔

۱۴۰۴ء ۔ ارکانی باشاہ نرامیخلا (محمد سلیمان شاہ رمن سامون) کا ترک وطن یا جلاوطن۔

۱۴۳۰ء ۔ سلیمان شاہ کی ارکان واپسی اور مروکو حکومت کی بنیاد، جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری تھا۔

۱۶۶۰ء ۔ بدنصیب مغل شہزادہ شجاع کی ارکان میں آمد، بعد میں اس کا مع اہل وعیال قتل۔

۱۶۶۶ء ۔ مگھ اور پرتگیز لٹیروں کی وجہ سے مختلف آلام وپریشانیاں۔

۱۷۱۰ء ۔ ارکان میں خانہ جنگی، اور وسیع پیمانے میں نقصانات۔

۱۷۸۴ء ۔ برمی غاصب راجا بودھوپھیا کا ارکان پر حملہ وقبضہ، اور اس کی دہشت گردی، اور قتل عام۔

۱۷۹۶ء ۔ تیس ہزار ارکانیوں (مگھ رمسلمانوں) کا ترک وطن اور بنگال میں ان کی پناہ۔

۱۷۹۸ء ۔ جنرل علیہ بائنگ رعلی بھائی (مسلمان) وغیرہ کی برمی غاصبوں سے آزادی کی جدوجہد۔

۱۸۱۱ء ۔ سین فیا (KINGBERING) اور مسلم لیڈروں کی قیادت میں ہونے والے انقلاب کی ناکامی۔

۱۸۲۵ء ۔ پہلی انگلو برمن جنگ۔

۱۸۲۶ ۔ ارکان پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۹۳۰ء ۔ برمی مسلم تاجر'' اوباو ''کے تعاون سے برما مسلم سوسائٹی کا قیام۔

۱۹۳۰ء ۔ مگھ ڈاکو (بورینگ اونگ) اور اس کے حواریوں کی بربریت اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے سے

ہجرت۔

۱۹۳۰ء ۔ وسطی، تحتی برما اور ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۳۳ء ۔ روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان کی بنیاد۔

۱۹۳۶ء ۔ برطانوی ہند سے برما کی انتظامی علیحدگی، اور ملک بھر سے مسلمانوں کا کریک ڈاؤن۔

۱۹۴۲ء ۔ رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ۔

۱۹۴۲ء ۔ ارکانی مسلمانوں کا تاریخی قتل عام، اور بڑے پیمانے پر ان کی ہجرت۔

۱۹۴۲ء ۔ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل تاریخی ''مسلم ریاست'' کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ ارکان میں برطانویوں کی دوبارہ واپسی۔

۱۹۴۵ء ۔ ''برما مسلم جنرل کونسل'' نامی تنظیم کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ مسٹر عبدالرزاق کی صدارت میں برما مسلم کانگرس کا قیام۔

۱۹۴۶ء ۔ مسٹر عبدالرزاق کی سربراہی میں پمنا رپیومنا مسلم کانفرس کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ سازش پر مبنی بدنام زمانہ ''پیلونگ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ برمی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات۔ جس میں ارکانی مسلمانوں کو قانونی طور پر نمائندگی ملی تھی۔

۱۹۴۷ء ۔ محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت ''جہاد کونسل'' کی تشکیل اور ظالموں کے خلاف اعلان جہاد۔

۱۹۴۸ء ۔ برطانیہ سے برما یا برمیوں کو حصول آزادی۔

۱۹۴۸ء ۔ محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں ''مجاہد پارٹی'' کا قیام۔

۱۹۴۹ء ۔ مولانا مظفر احمد کی زیر صدارت انجمن مہاجرین ارکان کا قیام۔

۱۹۵۰ء ۔ بی ٹی ایف کی بربریت، ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور ہزاروں کی ہجرت۔

۱۹۵۰ء ۔ بانیٔ تحریک آزادیٔ ارکان محمد جعفر حسین قوال کی افسوسناک شہادت۔

۱۹۵۱ء ۔ آزاد برما میں قومی اسمبلی کے پہلے عام انتخابات۔

۱۹۵۴ء ۔ ارکان میں بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۵۶ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے دوسرے انتخابات۔

۱۹۵۹ء ۔ ارکان میں اور ایک مرتبہ بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمان ترک وطن پر مجبور۔

۱۹۶۰ء ۔ مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن کا نفاذ۔

۱۹۶۱ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے تیسرے عام انتخابات۔

۱۹۶۱ء ۔ راغب اللہ مرحوم وغیرہ کی قیادت میں ۲۹۰ سے زائد مجاہدین کا برمی فوجی قیادت کے سامنے سارنڈر۔

۱۹۶۲ء ۔ جمہوری آئین کی معطّلی، اور اقتدار پر جنرل نے ون کی قیادت میں برمی فوج کا مکمل قبضہ۔

۱۹۶۲ء ۔ برما میں شوشل ازم کا نفاذ۔

۱۹۶۳ء ۔ نے ون کے نام نہاد قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۶۴ء ۔ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کی تشکیل۔

۱۹۶۶ء ۔ مگھ شرپسندوں کی شرپسندی اور برمی بربروں کی بربریت کی وجہ سے مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۶۶ء ۔ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج (RNLP) کی تشکیل۔

۱۹۷۳ء ۔ نے ون کی قیادت میں برمی فوج اور اس کے لالے پالے غنڈوں کے مظالم، اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۳ء ۔ محمد جعفر حبیب (رحمہ اللہ) کی زیر قیادت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل اور اعلان۔

۱۹۷۵ء ۔ جنرل نے ون کی ایماء پر مسلمانوں کی وسیع پیمانے میں گرفتاریاں اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۵ء ۔ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا قیام۔

۱۹۷۷ء ۔ روہنگیا مسلم طلبہ تنظیم ''رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا قیام۔

۱۹۷۸ء ۔ نے ون کے نام نہاد برمی قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۷۸ء ۔ ناگامن آپریشن، برمیوں اور مگھوں کی غارت گری، مسلمانوں کی عام گرفتاریاں، قتل عام اور ہجرت۔

۱۹۷۹ء ۔ روہنگیا جمعیت علماء (مسلح) کی زیر زمین جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل۔

۱۹۸۲ء ۔ مولانا عبدالقدوس مجاہد کی امارت میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم کی جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ نے ون قومی اسمبلی کے اور ایک نام نہاد انتخابات۔

۱۹۸۶ء ۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ مولانا عبدالحمید مجاہد کی زیر امارت ''روہنگیا اسلامی محاذ'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ روہنگیا طلبہ تنظیم، اتحاد الطلاب المسلمین ارکان۔ برما۔ (ITM) کی بنیاد۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل نیون کی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے چھٹی، اور سین لوین کی گدی نشینی۔

۱۹۸۸ء ۔ ڈاکٹر مونگ مونگ کی چند دنوں والی حکومت۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل سا مونگ کی قیادت میں اقتدار پر فوج کا دوبارہ قبضہ۔

۱۹۸۸ء ۔ مولانا محمد حنیف راغب ارکانی کی قیادت میں ''اتحاد المجاہدین'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۸ء ۔ روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا اعلان۔

۱۹۹۰ ۔ ارکانیوں کی نمائندہ جماعت ''نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کا قیام۔

۱۹۹۰ء ۔ نام نہاد انتخابات/اقتدار پر فوج کا قبضہ، جس کا سلسلہ تان شوے سے لے کر اب تا جاری ہے۔

۱۹۹۱ء ۔ روہنگیا مسلمانوں پر مظالم اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۱ ۔ مسلمانوں کا قتل عام، وسیع پیمانے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں، اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۵ء ۔ روہنگیا نشنل الائنس (RNA) نامی الائنس کی تشکیل۔

۱۹۹۸ء ۔ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل اور اعلان۔

۲۰۱۱ء ۔ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد اور اعلان۔

۲۰۱۲ء ۔ مسلمانوں کا قتل عام، ہزوروں شہادت، ہزاروں ماں بہنوں کی عصمت دری، اور لاکھوں کی ہجرت۔



سالارِ کارواں محمد طاہر جمال ندوی